شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

90 احادیث کا مجموعہ جسے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت، بے اصل، مطروح قرار دیا ہے، اور ان سے بچنا ضروری ہے، اس کے باوجود یہ روایات لوگوں کی زبانوں پر عام طور پر موجود ہیں

تالیف

مفتی طارق امیر خان صاحب

متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق ؓ

شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

90 احادیث کا مجموعہ جسے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت، بے اصل، مطروح قرار دیا ہے، اور ان سے بچنا ضروری ہے، اس کے باوجود یہ روایات لوگوں کی زبانوں پر عام طورر موجود ہیں

تالیف

مفتی طارق امیر خان صاحب

متخصص فی الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ
4/491، شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34704506 Cell: 0334-3432345

جملہ حقوق کمپیوٹر کمپوزنگ و ڈیزائننگ محفوظ ہیں

نام کتاب

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحبؒ کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

تالیف .... مفتی طارق امیر خان صاحب

اشاعت اول .... ۲۰۲۰ سنہ

تعداد ۱۱۰۰

طابع .... خالد سمیع پرنٹنگ پریس

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جا سکے۔ جزاکم اللہ

ناشر

مکتبہ عمر فاروقؓ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel:021-34604566 Cell: 0334-3432345

maktabaumarfarooq@gmail.com

ملنے کے پتے

- مکتبہ معارف القرآن: احاطہ دارالعلوم کورنگی کراچی۔
  021-35031565
- سعدی اسلامی کتب خانہ: گلشن اقبال نمبر ۲ کراچی۔
  0333-2305791
- مکتبہ لدھیانوی: علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
  021-34130020
- مکتبہ رشیدیہ: سرکی روڈ کوئٹہ۔
  081-2662263
- مکتبہ اسلامیہ: امین پورہ بازار فیصل آباد۔
  041-2631204
- مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار لاہور۔
- مکتبہ بیت العلم: محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور۔
- مکتبہ دارالاشاعت: ایم اے جناح روڈ اردو بازار کراچی
  021-32631834
- اسلامی کتب خانہ: علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
  021-34927159
- مکتبہ فاروق اعظم: محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور۔
- کتب خانہ رشیدیہ: راجہ بازار راولپنڈی۔
- مکتبہ رحمانیہ: اردو بازار لاہور۔
  042-37224228
- مکتبہ علمیہ: جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ۔
  092-3630594
- دار اخلاص: محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور۔

فہرست عنوانات

مضمون	صفحہ
مقدمہ	۲۱
امام، محقق، محدث العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تعارف	۲۶
”الیواقیت الغالیہ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیہ“ کا مختصر تعارف	۳۵
فصل اول **واضح رہے کہ ذیل میں ذکر کردہ عنوانات حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات ہی سے ماخوذ ہیں**	۴۰
ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟	۴۰
[بلا سند کسی حدیث کا اعتبار نہیں ہے]	۴۰
[علومِ نبویہ میں اسناد کی احتیاج]	۴۴
[حدیث کی رو سے تبع تابعین کے بعد دروغ گوئی اور غلط بیانی کی کثرت ہو جائے گی]	۴۵
[احادیث کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ خلَف، سلَف سے نقل کریں]	۴۶
[نقل بالاسناد کی دو صورتیں ہیں]	۴۷
[بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفاء کر لیا جاتا ہے]	۴۸
[ضعیف حدیث کے معتبر ہونے کے لئے علماء نے کچھ شرائط تحریر کی ہیں]	۵۵
[حدیثِ ضعیف سے استحباب کے اثبات پر اشکال اور اس کا جواب]	۵۹

حدیث موضوع کی بحث	۶۰
[جعلی روایات بنانا حرام ہے]	۶۱
[موضوع حدیث کو اس کے موضوع ہونے کی تصریح کے بغیر نقل کرنا ناجائز ہے]	۶۱
[موضوع حدیث پر عمل بھی ناجائز ہے]	۶۵
[شدید ضعیف حدیث بھی قابل عمل نہیں]	۶۷
حضرات صوفیاء کرام کا احترام ومقام سر آنکھوں پر، البتہ روایت کے ردو قبول میں اہل فن کے قول پر اعتماد کیا جائے گا	۶۷
[روایاتِ صوفیاء کا اعتبار نہ کرنے کی وجوہات]	۶۷
[جن صوفیاء نے اس فن کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی]	۶۹
حضرات محدثین رکاکتِ لفظی ورکاکتِ معنوی سے جعلی احادیث کو پہچاننے کا ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں، نیز لفظی، معنوی رکاکت کیا ہے؟	۷۰
محققین علماء حدیث کے نزدیک ضعیف حدیث کو صیغۂ تمریض ہی سے ذکر کرنا چاہیے، ان کے نزدیک اسے صیغۂ جزم سے لکھنا انتہائی قبیح تساہل ہے	۷۴
[امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اس سابقہ ذکر کردہ قاعدہ کو تساہل کی وجہ سے ترک کر دیا ہے]	۷۴
[امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے محققین محدثین وغیرہ کا اس قاعدہ پر اتفاق نقل کیا ہے]	۷۵

[بہت سے علماء وفقہاء کا اس قاعدہ کے خلاف کرنے کی دیگر وجوہات]	۷۸
محققین کی ایک جماعت کے نزدیک جس نے صرف ایک حدیث میں جھوٹ کہا ہو، اس کی سابقہ تمام احادیث مردود ہو جائیں گی	۸۰
”مسند الفردوس“ کا محدثین کے یہاں کیا مقام ہے؟	۸۳
متشکل یا انسانی بدن میں حلول کیا ہوا جن، صحابی یا تابعی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز انسان اگر انھیں ان صورتوں میں دیکھ لے تو اسے کوئی فضیلت حاصل ہوگی؟	۸۴
قرنِ صحابہ گذر جانے کے بعد کسی جن صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیرِ صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے ساتھ خاص ہے	۹۲
جنات بھی اس قسم کی احادیث کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟	۹۴
میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ ”منبہات“ نہ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور نہ ہی علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے	۹۶
مراتبِ جرح	۱۰۷
اقسام ناقدین	۱۱۶
فصل ثانی	۱۱۹
اہم نوٹ: فصل دوم میں مذکور ہر روایت کا ذکر کردہ حکم حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی سے ماخوذ ہے، نیز ان تمام روایات سے ذکر کردہ حکم کے مطابق بچنا ضروری ہے	۱۱۹

① روایت: ”جو جماعت یا طالب علم جس قبرستان کے قریب سے گزرتے ہیں اس قبرستان کے مردوں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہو جاتا ہے“، یہ روایت بے اصل ہے	۱۱۹
② روایت: ”ایک گھڑی کا غور و فکر ساٹھ یا اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے“، اس کے الفاظ تو ثابت نہیں ہیں، لیکن معنی ثابت ہے	۱۲۱
③ روایت: ”ہر چیز کا کوئی دفینہ ہوتا ہے، اور تقویٰ کا دفینہ عارفین کے دل ہیں“، یہ متن صاحبِ رسالت ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ اہل تصوف کا کلام ہے	۱۲۷
سابقہ مضمون ایک دوسرے انداز سے	۱۲۸
④ روایت: ”حق دار بدلہ میں ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) کے عوض سات سو باجماعت نمازوں کا ثواب لے گا“، یہ روایت کسی آسمانی کتاب میں ہے، یا بعض علماء نے اسے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے	۱۲۹
⑤ روایت: ”كان النبي ﷺ إذا تغدّى تمدّى، وإذا تعشّى تمشّى“. آپ ﷺ دوپہر کو کھانا کھا کر لیٹ جاتے تھے، اور شام کا کھانا کھا کر چلتے تھے، اس کی اصل نبی ﷺ کے زمانے میں موجود عرب کے طبیب حارث بن کَلَدَہ کے کلام میں ملی	۱۳۱
⑥ ”تختم بالعقیق“ (عقیق کی انگوٹھی پہننے) کے بارے منقول روایات سب واہی ہیں، اور محققین ناقدین ان روایات کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں	۱۳۳
سابقہ مضمون ایک دوسرے انداز سے	۱۳۵

⑦ روایت: ”جو شخص کسی مالدار کے پاس آکر اس کے سامنے خاکساری کرے تو اس کا دو تہائی دین چلا گیا“، یہ واہی (شدید ضعیف) ہے	۱۳۹
⑧ روایت: ”قیامت میں لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا“، یہ سنداً شدید ضعیف ہے، نیز صحیح روایت سے بھی معارض ہے	۱۴۱
⑨ روایت: ”جب آنحضرت ﷺ داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو پہلے دونوں آنکھوں پر لگاتے تھے“، یہ روایت نہیں ملی، البتہ یہ روایت کہ: ”آپ ﷺ جب داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو داڑھی بچہ سے شروع فرماتے“، شدید ضعیف ہے	۱۴۴
⑩ روایت: ”بتکلف مریض مت بنو، ورنہ مریض ہو جاؤ گے۔۔۔"، یہ منکر روایت ہے	۱۴۶
⑪ روایت: ”دنیا کے واسطے عمل اس طرح کر، گویا کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور آخرت کے واسطے عمل اس طرح کر گویا کہ تو کل مرنے والا ہے“، یہ روایت ان لفظوں سے حدیث نہیں ہے، بلکہ اقوالِ سلف میں سے ہے	۱۴۸
⑫ روایت: ”الدنيا جيفة وطالبها كِلاب“. دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں، یہ حدیث بلفظہ تو موجود نہیں ہے، ہاں بمعناہ ملتی ہے	۱۵۳
⑬ روایت: ”كل عُشْبَة نابتة في الأرض فيها حكمة ثابتة“. زمین سے اگنے والی ہر سبز گھاس میں ایک حکمت موجود ہے، یہ حدیث نہیں ہے	۱۵۶
⑭ روایت: ”روزِ قیامت ایک منادی آواز لگائے گا: اے محمد! کھڑے ہو	۱۵۷

کر بلاحساب جنت میں داخل ہو جاؤ، اس آواز کو سن کر محمد نامی ہر شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے پکارا گیا ہے، کھڑا ہو جائے گا، انہیں محمد ﷺ کی شرافت کی وجہ سے نہیں روکا جائے گا (یعنی یہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے)"، یہ من گھڑت روایت ہے	
⑮ روایت: "آپ ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پانچ مشہور وصیتیں کرنا"، انتہائی تلاش کے باوجود یہ روایت نہیں ملتی	۱۵۹
سابقہ مضمون ایک نئے انداز سے	۱۶۰
⑯ روایت: "اللہ تعالیٰ زمین والوں پر عذاب بھیجنے کا ارادہ فرماتے ہیں، پھر جب بچوں کی قرآنی تعلیم کو سنتے ہیں تو عذاب کو ہٹا لیتے ہیں"، یہ روایت کہیں نہیں ملی	۱۶۳
⑰ روایت: "طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة". علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اس میں لفظِ "مسلمة" (مسلمان عورت) کا اضافہ ثابت نہیں ہے، لیکن معنی درست ہیں	۱۶۴
سابقہ روایت مفصل انداز سے	۱۶۵
⑱ : بھنگ، سگرٹ نوشی، اور تارکِ نماز کی مذمت پر مشتمل یہ ذیلی چار حدیثیں کہیں نہیں ملتیں، حتیٰ کہ من گھڑت روایتوں پر لکھی گئی کتابوں میں بھی نہیں ہیں:	۱۶۸
۱ - آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان واقامت سنی اور جماعت میں حاضر نہ ہوا گویا کہ اس نے ہزار مرتبہ اپنی ماں سے زنا کیا	۱۶۸

٢ - آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کی ذرّہ بھر مدد کی تو گویا کہ اس نے اپنی ماں سے ہزار مرتبہ زنا کیا	١٦٨
٣ - آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ دھواں اپنے منہ میں داخل کریں گے، اور یہ لوگ نہ میری امت میں سے ہیں، اور نہ روزِ قیامت ان کی شفاعت ہوگی	١٦٩
٤ - آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک مرتبہ بھی بھنگ نوشی کی، اس نے اپنی ماں سے ستر مرتبہ زنا کیا	١٦٩
⑲ روایت: ”نماز مؤمن کی معراج ہے“، یہ حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے	١٧١
ایک دوسرے انداز سے	١٧٢
⑳ روایت: ”حضورِ قلب کے بغیر کوئی نماز نہیں“، یہ قصہ گو واعظوں کی حدیث ہے، میں اب تک ان الفاظ کے ساتھ اس کی اصل پر واقف نہیں ہو سکا ہوں	١٧٣
㉑ روایت: ”مرنے سے پہلے مر جاؤ“، یہ حدیث ثابت نہیں ہے	١٧٤
㉒ روایت: ”آپ ﷺ نے فرمایا: ”أنا أحمد بلا ميم“. میں بلا میم، احمد ہوں، اس حدیث کا کہیں وجود نہیں	١٧٥
㉓ روایت: ”ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا چار باتوں کی وصیت فرمانا“، یہ روایت اب تک باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی	١٧٦
㉔ روایت: ”جس میں یہ چار خوبیاں ہوں اس کا ایمان کامل ہے، اگرچہ وہ سراپا خطاؤں میں (ڈوبا) ہو: سچائی، شکر، حیا، اور اچھے اخلاق“، یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی	١٧٧

㉕ روایت: ”مؤمن کے دل کو خوش کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے“، یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ اب تک نہیں ملی، غالباً اس کا مضمون ایک دوسری حدیث سے ماخوذ ہے	۱۷۸
㉖ روایت: ”باری تعالیٰ بوڑھے شخص کو صبح وشام دیکھ کر فرماتے ہیں کہ مجھے تمہارے بڑھاپے کی وجہ سے تمھیں آگ میں عذاب دینے سے حیاء آتی ہے“، یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی	۱۸۰
㉗ روایت: ”صل من قطعك، وعزّ من قنع“. جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ، اور جس نے قناعت اختیار کی وہ عزت پائے گا، یہ روایت مجموعی طور پر اس طرح نہیں ملی	۱۸۱
㉘ روایت: ”اپنی اولاد کا اکرام کرو، جس نے اپنی اولاد کا اکرام کیا، اللہ جنت میں اس کا اکرام کریں گے“، یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی	۱۸۲
㉙ روایت: ”الصدق ينجي، والكذب يهلك“. سچ نجات دیتا ہے، اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے، یہ لفظ بھی تلاش کے باوجود اب تک نہیں ملا، البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا اور پھر سچ سچ خدمت نبویہ میں عرض کر دینا اس روایت کے معنی کی صحت کی دلیل ہے	۱۸۳
㉚ روایت: ”مومن کے جھوٹے میں شفاء ہے“، یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے	۱۸۵

(۳۱) روایت: ”حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے وقت گیارہ نصیحتیں کرنا“، یہ روایت بے اصل ہے	۱۸۶
(۳۲) روایت: ”اگر کوئی کھڑے ہو کر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لد جاتا ہے“، یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے	۱۸۸
(۳۳) یہ حدیث جو ”عمر بن خیام جنّی“ کے نام سے شائع کی جارہی ہے متعدد وجوہ سے غیر معتبر ہے	۱۹۰
(۳۴) روایت: ”المعاصي بريد الكفر“. گناہ، کفر کا قاصد ہے، (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے	۱۹۷
(۳۵) روایت: ”معراج کے موقع پر باری تعالیٰ کا فرمان کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جوتے نہ اتاریے، جوتوں سمیت آجائیں“، یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے	۱۹۸
(۳۶) ”مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر نقصانات“، اس کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں	۱۹۹
(۳۷) روایت: ”عدلِ فاروقی کا مشہور قصہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی قبر پر کوڑے مارے“، یہ بے اصل ہے، اور صحیح قصہ دوسرا ہے	۲۰۱
(۳۸) روایت(۱): ”الدنيا زور، لا يحصل إلا بالزور“. دنیا جھوٹ ہے، جھوٹ ہی سے ملتی ہے، یہ باطل ہے (۲) اور ”وإنما ولدت بزمن الملك العادل“. میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، محدثین کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے	۲۰۲
(۳۹) روایت: ”جمعہ کے دن سرمہ لگانا“، میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے	۲۱۰

(۴۰) روایت: ناخن کاٹنے کا یہ مشہور طریقہ، حدیث میں نہیں ہے، البتہ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس طرح کاٹا جائے۔۔۔	۲۱۱
(۴۱) روایت: ”نمک سے کھانے کی ابتداء کی روایات“، سب معلول ہیں، کسی کا راوی متروک ہے تو کوئی روایت گھڑنے میں متہم ہے	۲۱۲
(۴۲) روایت: ”تخلقوا بأخلاق الله“. اللہ کے اخلاق اپناؤ، صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا	۲۱۶
(۴۳) روایت: ”نکاح میری سنت میں سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے“، یہ الفاظ مجموعی طور پر کہیں نہیں ہیں، بلکہ یہ دو حدیثوں سے مرکب ہیں	۲۱۷
(۴۴) (۱) ”مصنف عبد الرزاق“ میں مذکور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ، من گھڑت ہے، اور (۲) ”صحیح ابن حبان“ میں مذکور اسی جیسا واقعہ بھی نکارت پر مبنی ہے	۲۱۹
(۴۵) روایت: ”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں“، یہ روایت ثابت نہیں ہے	۲۲۵
(۴۶) روایت: ”اگر کوئی شخص جماعت کا رہبر ہو گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رہبر بنا کر جنت میں لے جائیں گے“، ان لفظوں کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی	۲۲۹
(۴۷) اذان کے بعد دعائے وسیلہ میں لفظ ”الدرجة الرفيعة“ مجموعی طور پر ثابت نہیں ہے، اسی طرح ”وارزقنا شفاعته يوم القيامة“ کے الفاظ بھی کہیں نہیں ملے، ہاں اس کے ہم معنی الفاظ وارد ہیں	۲۳۰

㊽ روایت: ”اللہ نے عقل کو پیدا کر کے اس سے کہا: آگے ہو جاؤ، عقل آگے ہوگئی، پھر اللہ نے فرمایا: پیچھے ہو جاؤ، عقل پیچھے ہوگئی، اور فرمایا کہ یہ دو کتابیں رب العالمین کی جانب سے ہیں“، یہ من گھڑت ہے	۲۳۷
㊾ روایت: ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ روزِ قیامت دیگر تمام لوگوں کے لیے عمومی تجلی فرمائیں گے، اور اے ابو بکر! آپ کے لئے خصوصی تجلی فرمائیں گے“، اس کے تمام طرق معلول ہیں، ائمہ فن نے ان کے باطل ہونے کا حکم لگایا ہے	۲۴۱
㊿ روایت: ”تمہاری دنیا میں سے میرے لئے تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں: خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے“، محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس روایت میں لفظِ ثلٰث (تین) ثابت نہیں ہے	۲۴۹
(۵۱) روایت: ”نبی ﷺ نے فرمایا: میرے نزدیک تمہاری دنیا میں، تین چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں.... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا، اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین محبوب چیزیں ذکر کیں“، آپ اس کی کوئی صحیح یا حسن یا ضعیف سند ہی نہ پائیں گے	۲۶۳
(۵۲) روایت: ”کالا جوتا پہننا نسیان کا باعث ہے“، اس بارے میں کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے	۲۶۸
(۵۳) روایت: ”کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں، جن پر قرآن خود لعنت کرتا ہے“، انتہائی تلاش کے باوجود اس کی سند نہیں مل سکی ہے	۲۶۹
(۵۴) روایت: ”جب اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کی جانب ہجرت	۲۷۱

کرنے کا حکم فرمایا تو آپ ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ! آپ مجھے میرے محبوب ترین شہر سے لے جارہے ہیں تو آپ مجھے اپنے محبوب شہر میں آباد کردیجئے“، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ موضوع ہے	
(۵۵) روایت:”علمني ربي فأحسن تعليمي، أدبني ربي فأحسن تأديبي“. مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور مجھے علم میں خوب اچھا بنایا، مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور مجھے ادب میں خوب اچھا بنایا، جملہ اول تو کہیں نہیں دیکھا، البتہ دوسرے جملے کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وحافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ثابت سند نہیں ہے	۲۷۳
(۵۶) روایت: ”حضور اکرم ﷺ کا کعب بن اشرف اور اس کے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہو جانا“، کہیں نظر نہیں پڑا	۲۷۷
(۵۷) روایت:(۱) ”خلقت النَخْلَة والرُمَّان والعِنَب من فَضْل طينة آدم“. کھجور، انار اور انگور آدم کی بچی ہوئی مٹی سے بنائے گئے ہیں، اس کی سند میں متروک راوی ہے، جسے بعض نے جھوٹا بھی کہا ہے (۲) ”أكرموا عمتكم النخلة فإنها خلقت من فضلة طينة أبيكم آدم“. تم اپنی پھوپھی کھجور کا اکرام کرو، کیونکہ وہ تمہارے بابا آدم کی بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئی ہے، یہ پچھلی روایت سے بڑھ کر واہی حدیث ہے، بلکہ ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے	۲۷۸
(۵۸) روایت: ”میں نہیں جانتا کہ روزِ قیامت میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا“، میں (یعنی حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) اس میں لفظ ”روزِ قیامت“ پر واقف نہیں ہوسکا ہوں	۲۸۴

(۵۹) روایت: ”سنت نے کافر، بدعتی اور فاسق کو خاص کر دیا ہے۔۔۔ ان کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے“، ان لفظوں کے ساتھ کوئی حدیث میرے علم میں نہیں	۲۸۶
(۶۰) روایت: ”اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری تابعداری کے سوا چارہ کار نہیں ہوتا“، اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر غلط ہے	۲۸۹
(۶۱) روایت: ”الخیر فیما وقع“. جو ہو چکا اسی میں خیر ہے، یہ حدیث نہیں ہے	۲۹۰
اجزاء	۲۱۹
اہم نوٹ: ان اجزاء میں مذکور ہر روایت کا ذکر کردہ حکم حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی سے ماخوذ ہے، نیز ان تمام روایات سے ذکر کردہ حکم کے مطابق بچنا ضروری ہے۔	۲۹۱
۱ – جزء: عمامہ کے فضائل	۲۹۱
اس کے تحت عمامہ کے دس غیر معتبر فضائل کی تفصیل ہے	۲۹۱
① - ”پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، اور احتباء (یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رِباط (اسلامی سرحدوں کی حفاظت) ہے“، یہ واہی، شدید ضعیف ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہو جسے کسی راوی نے بناء بر وہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۹۶

کے انتساب سے بیان کر دیا ہو، نیز بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے طور پر بھی اس کی تخریج کی ہے	
② - ”پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، سو جب وہ پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے“، واہی، شدید ضعیف	۲۹۹
③ - ”پگڑیاں مومن کا وقار ہیں، اور عربوں کی عزت ہیں، جب عرب اپنی پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو دیں گے“، میں اس کی سند سے واقف نہیں ہوں، لیکن حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واہی ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے	۳۰۰
④ - ”ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے مابین فرق کی چیز ہے، سر پر باندھنے والے ہر پیچ کے بدلے روزِ قیامت ایک نور دیا جائے گا“، یہ حدیث ثابت نہیں (یعنی اس کا دوسرا حصہ)	۳۰۲
⑤ - ”عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز بلا عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ، بلا عمامہ کے ستر جمعوں سے افضل ہے“، باطل	۳۰۳
⑥ - ”عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے“، یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ میرے علم میں نہیں، بعض محققین نے اسے بقول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ موضوع کہا ہے	۳۰۷
⑦ - ”انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بلا انگوٹھی کی ستر نمازوں کے برابر ہے“، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ، اور	۳۰۸

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع کہا ہے	
⑧ - ”عمامہ میں ایک نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے“، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ علامہ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باطل، موضوع کہا ہے	۳۰۸
⑨ - ”عمامہ کے ساتھ کی دو رکعتیں، بلا عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں“، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واہی ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے	۳۰۹
⑩ - ”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن پگڑیوں والوں پر سلام بھیجتے ہیں“، واہی، شدید ضعیف	۳۱۰
۲ – جزء: عربی زبان کے فضائل **اس کے تحت عربی زبان کے نو غیر معتبر فضائل کی تفصیل ہے**	۳۱۴
① روایت: ”عربوں سے محبت کر، کیونکہ میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے“، محدثین کی ایک جماعت نے اسے من گھڑت کہا ہے	۳۱۴
② روایت: ”آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے“، محدثین کی ایک جماعت نے اسے من گھڑت کہا ہے	۳۱۴
③ روایت: ” جنت والوں کی زبان عربی ہے، اور آسمان والوں کی زبان عربی ہے، اور محشر والوں کی زبان عربی ہے“، حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے من گھڑت کہا ہے	۳۱۴

④ روایت: ”تم میں سے جو شخص اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ فارسی زبان میں گفتگو نہ کرے، کیونکہ یہ نفاق کو جنم دیتا ہے“، بلاشبہ یہ منکر حدیث ہے	۳۱۴
⑤ روایت: ”جو شخص فارسی زبان میں گفتگو کرے گا، یہ اس کے ہلکے پن میں اور اضافہ کرے گا، نیز اس کی مُرَوَّت کو نقصان پہنچائے گا“، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نکارت کی جانب اشارہ کیا ہے	۳۱۴
⑥ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفاً : ”آدم علیہ السلام کی جنت میں عربی زبان تھی، جب آپ سے خطاء صادر ہوئی تو اللہ نے عربی زبان کو سلب فرمالیا اور وہ سریانی زبان میں بات چیت کرنے لگے، جب آپ نے توبہ فرمائی تو اللہ نے دوبارہ عربی زبان لوٹادی“، میرا گمان ہے کہ یہ بے اصل ہے	۳۱۵
⑦ روایت: ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! تمہارا ناس ہو، عرب سے محبت کرو، تین وجوہات سے: تمہارا نبی عربی ہے، تمہارا قرآن عربی ہے، اور تمہاری جنت کی زبان عربی ہے“، اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”تاریخ کبیر“ میں تعلیقًا لائے ہیں، (البتہ اس متن کو محدثین کی ایک جماعت نے من گھڑت کہا ہے)	۳۱۵
⑧ روایت: ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ نے اپنے نبی کے مابین ہمیشہ عربی میں وحی نازل کی ہے، پھر وہ نبی اپنی قوم کی زبان میں انہیں یہ وحی پہنچاتا ہے“، یہ حدیث واہی الاسناد ہے	۳۱۵
⑨ روایت: ”ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے: جبریل علیہ السلام کی جانب عربی میں	۳۱۵

وحی بھیجی جاتی، اور وہ ہر نبی کی جانب ان کی زبان میں وحی پہنچاتے”، (اس کی سند میں موجود) ابو بکر بن عیاش سیء الحفظ راوی ہے، اور کلبی متہم ہے	
۳ - اس کے تحت دو اجزاء ہیں ① جزء روایت ”أول ماخلق الله نوري“. ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے“، ظن غالب یہ ہے کہ یہ الفاظ سید الرسل ﷺ کے نہیں ہیں، بلکہ لوگوں کے ایجاد کردہ ہیں	۳۳۸
② جزء روایت: ”إن رسول الله ﷺ لم يكن يرى له ظل في شمس ولاقمر“. ”آپ ﷺ کا سایہ شمس وقمر میں دکھائی نہیں دیتا تھا“، قدِ انور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں، اسانید معتبرہ حسنہ میں رسول اللہ ﷺ کے قد مبارک کے لئے سایہ وظل ہونا مذکور ہے	۳۳۸
۴ - جزء: ”لولاك لما خلقت الافلاك“ یہ الفاظ کہیں ثابت نہیں ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی روایت اس مضمون کی ثابت نہیں ہے	۳۶۴
۵ - جزء روایت: ”اطلبوا العلم ولو بالصين“ روایت ہذا کے ثبوت کی کوئی صورت نہیں ہے	۳۷۸
۶ - جزء: ”صلوة الرغائب“ روایتِ صلوۃ الرغائب (رجب کے پہلے ہفتہ میں پڑھی جانے والی ایک مخصوص نماز) اور پندرہ شعبان کی شب پڑھی جانے والی مخصوص نماز	۳۹۷

والی روایت، محققین کے نزدیک من گھڑت ہے	
۷ – جزء: نصف شعبان روزے کی فضیلت خاص نصف شعبان کے روزے کی فضیلت پر مشتمل مشہور روایت کو اگرچہ قطعی طور پر موضوع نہ کہا جاسکے لیکن بطریق ظن غالب اس کو موضوع کہا جاسکتا ہے، اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے تو بھی یہ حدیث شدید ضعیف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے	۴۰۸
فہرست و مصادر	۴۳۲

مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، وأشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، صلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وصحبه، أما بعد:

بندہ طارق امیر خان پر باری تعالیٰ کا بے پناہ احسان ہوا جس نے اپنے ایک مقبول بندہ حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے چند گراں قدر اقتباسات کی جمع و تہذیب کا کام مجھ سے لیا، اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات علماء کرام کے فیوض و برکات سے خوب مستفید فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز تالیف «اليواقيت الغالية في تحقيق وتخريج الأحايث العالية» علمِ حدیث کی مختلف الانواع مباحث کا مجموعہ ہے، البتہ تالیفِ ہذا میں احقر کا مقصود حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رطب و یابس کی روک تھام، اور خاص اس موضوع کی تفہیم و تحقیق میں حضرت والا کے اس مجموعہ سے استفادہ کرنا ہے، بندہ نے حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معتبر روایات کی مذمت و تردید میں سلف کا نمونہ پایا ہے، جس کی دلیل یہ سارا مجموعہ ہے، فن ہذا کا شغف رکھنے والے ان مباحث سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت والا علوم الحدیث کے دیگر فنون کے ساتھ ساتھ خاص اس فن میں بھی شہسوار اور مقتداء ہیں، حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا اجمالی تعارف آگے آئے گا۔

واضح رہے کہ بندہ نے فی الحال متذکرہ موضوع پر حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں سے آپ کی علمی و تحقیقی مباحث پر مشتمل مجموعہ "الیواقیت الغالیہ" سے استفادہ کیا ہے، بندہ نے اس تالیف میں جن امور کو ملحوظ رکھا ہے، ذیل میں انہیں اختصاراً لکھا جا رہا ہے:

تالیف کا اسلوب

اس تالیف کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

① - پہلی فصل میں حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کے اصولِ حدیث پر مشتمل ایسے ارشادات جمع کیے گئے ہیں، جو غیر معتبر روایات و حکایات کی روک تھام میں فن ہذا میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسری فصل میں وہ غیر معتبر روایات و حکایات ہیں، جنہیں حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لفظوں میں من گھڑت، بے اصل، غلط وغیرہ کہا ہے، یا یہ فرمایا ہے کہ مجھے یہ روایت نہیں مل سکی ہے، فی الحال مجموعہ کی اس طبع میں، فصل دوم اور اس کے بعد اجزاء میں اس طرح کی (۹۰) روایات نقل کی جا رہی ہیں، اور ان تمام سے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ حکم کے مطابق بچنا ضروری ہے، واضح رہے کہ ہمارے قول "روایت" سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم، نیز حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و بزرگانِ دین کی جانب منسوب اقوال و واقعات ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و واقعات میں معنوی روایات بھی شامل ہیں، یعنی ایسی روایات جس میں صاف لفظوں میں یہ نہ کہا گیا ہو کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"، لیکن مضمون ایسا ہے کہ جو صاحبِ شریعت ہی سے معلوم ہو سکتا ہو۔

ایک اہم تنبیہ یہ بھی ہے کہ حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نے معتد بہ مقامات پر جواب میں لکھا ہے کہ ”یہ روایت نہیں ملتی“، بندہ نے بھی اپنے التزام کے مطابق ان روایات کو تلاش کیا ہے، لیکن میں اکثر ان پر مطلع نہیں ہو سکا ہوں، ان روایات میں حدیثِ رسول میں احتیاط، واصول فن ہذا کا تقاضہ یہی ہے کہ ان روایات کو ”معتمد سند“ ملنے تک ہر گز انتساب بالرسول کی حیثیت سے بیان نہ کریں۔

حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں روایت کو شدید ضعیف، واہی، منکر، نکارت پر مبنی، لفظاً ثابت معنیً غیر ثابت قرار دیا ہے، انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنا درست نہیں ہے، الغرض اس منتخب مجموعہ کی روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے بیان نہیں کر سکتے، البتہ جہاں کہیں کچھ زائد معتبر مواد ضمناً آگیا ہے، اس کے قابلِ بیان ہونے کی صراحت لفظاً منہجاً کی جاتی رہی ہے، قارئین کرام خلط مبحث سے چوکنا رہیں۔

فصل دوم میں یہ بھی واضح رہے کہ عنوانات میں نقل روایت کے بعد متصل حکم حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔

② - حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ روایات کو ساقط قرار دیتے ہوئے، اپنے قول کی تائید میں اکثر ائمہ سابقین کا حوالہ دیتے ہیں، بعض اوقات کسی کا حوالہ نہیں ہوتا، بندہ نے حاشیہ میں ان ذکر کردہ ائمہ کے علاوہ دیگر علماء سابقین کے اقوال بھی لکھ دیئے ہیں، البتہ نقلِ اقوال میں استیعاب نہیں کیا، بلکہ صرف معتد بہ اور قوی تر اقوال پر اکتفاء کیا ہے، جہاں ضروری سمجھا وہاں پر عبارتیں بھی نقل کر دیں۔

③ - بعض اوقات دوسری فصل کا جزء بننے والی روایت حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات میں متعدد مقامات میں ملتی ہے، اگر ایسی مکرر روایت کسی بھی زائد فائدے پر مشتمل ہو تو اسے فصل ثانی میں التزاماً اس عنوان سے لکھا گیا ہے: ”ایک دوسرے انداز سے، ایک نئے اسلوب سے“ وغیرہ۔

”الیواقیت الغالیہ“ میں ہمارے اس موضوع سے متعلق روایات بہت زیادہ مکرر، مگر جدید مفید فوائد، یا نئے طرز پر ذکر کی جاتی رہی ہیں، بندہ نے انہیں بعنوان جزء سب سے آخر میں ذکر کیا ہے، اسی طرح بعض روایات کی بہت زیادہ طوالت کی وجہ سے انھیں مستقل جزء کے عنوان سے آخر میں لائے ہیں۔

یہاں بھی یہ واضح رہے کہ عنوانات میں نقل روایت کے بعد متصل حکم حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔

④ - ان دونوں فصلوں میں عنوانات کے علاوہ تمام تر عبارتیں حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں، البتہ جہاں کہیں بندہ نے کلام کیا ہے، یا کوئی ضمنی عنوان قائم کیا ہے تو امتیاز کے لئے بڑا بریکٹ ”[ ]“ استعمال کیا ہے۔

بڑے بریکٹ ”[ ]“ میں حسبِ ضرورت تسہیل، قائل کی تعیین اور بعض مفید فوائد بھی لکھے گئے ہیں۔

واضح رہے کہ ”الیواقیت الغالیہ“ میں عربی عبارتیں، مطول مختصر بہت کثرت سے تھیں، عوام کے لئے اردو ترجمہ کے بغیر ان سے استفادہ اکثر ممکن ہی نہ تھا، اس لئے بندہ نے سوائے چند مقامات کے تمام عربی عبارتوں کا ترجمہ دو بریکٹ ”[ ]“ میں کر دیا ہے، اہل علم حضرات کے لئے یہ طرز سلاست عبارت میں مخل ہے، لیکن بندہ نے عوامی ضرورت کے پیش نظر اس کا تحمل کیا ہے۔

❺ - اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے، اگر کہیں اس کا احتمال ہوا کہ قاری اس عبارت کو ناقل کی غلطی سمجھے گا، وہاں [كذا في الأصل] یعنی اصل میں اسی طرح ہے، لکھ کر اس وہم کا ازالہ کیا گیا ہے۔

❻ - حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں سے اقتباسات لیتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ صرف اس قدر اقتباس لیا جائے جو عنوان اور اس سے متعلق زائد فائدے پر مشتمل ہو، اس کے علاوہ عبارت کو حذف کیا گیا ہے، اور اس حذف کے لئے عبارت کے آخر میں "۔۔۔" کی علامت استعمال کی گئی ہے، البتہ بعض مقامات پر مجموعی عبارت کے درمیان میں حذف کے لئے "...." کی علامت استعمال کی گئی ہے۔

❼ - دونوں فصلوں میں حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتوں پر عنوانات قائم کیے گئے ہیں، خصوصاً دوسری فصل میں روایات و حکایات کے عنوانات حضرت مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی سے اخذ کیے گئے ہیں۔

❽ - آخر میں بندہ ان تمام محسنین کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس تالیف میں تعاون کیا ہے، خصوصاً مولوی سیف اللہ صاحب اور مولوی سرور صاحب حفظہما اللہ کا ممنون ہوں کہ یہ مجموعہ در حقیقت انہیں کے توسط سے پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنی شایان شان اجر عطاء فرمائیں، آمین۔

طارق امیر خان
متخصص فی علوم الحدیث
جامعہ فاروقیہ، کراچی

امام، محقق، محدث العصر، شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تعارف

حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی طفولیت و تعلیمی نشیب و فراز کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولادت: صبح ۷ بجے، بروز شنبہ، ۲۵ رجب ۱۳۵۵ھ، ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء

ابتداءً جب عمر چھ سات سال کے مابین ہوئی اپنے شوق سے ایک مکتب میں جانا شروع کیا .... پھر کچھ دنوں کے بعد ایک پرائمری اسکول ہمارے گاؤں میں قائم ہوگیا، اس میں جانے لگے، درجہ دوم تک وہاں پڑھا پھر درجۂ سوم کے لئے مانی کلاں کے پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، سوم پاس کرنے کے بعد والد صاحب نے یہ کہہ کر چھڑا دیا کہ انگریزی کا دور نہیں اور ہندی میں پڑھانا نہیں چاہتا ..... پھر تقریباً ۱۳ سال کی عمر میں مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ مانی کلاں میں داخلہ ہوا، ابتدائی فارسی سے لے کر سکندر نامہ تک اور پھر ابتدائی عربی سے لے کر ”مختصر المعانی“، ”مقامات“، و”شرح وقایہ“، و”نورالانوار“ تک وہیں پڑھیں۔

اکثر کتابیں استاذی مولانا ضیاء الحق صاحب سے اور ”شرح جامی“ بحث اسم حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مدظلہ العالی سے، مگر کثرت امراض کی وجہ سے بیچ میں طول فترات واقع ہوتی رہیں، اس لئے تکمیل کافی مؤخر ہوگئی۔ پھر یہ بھی پیش آیا کہ کہ ہماری جماعت ٹوٹ گئی، ہم نے اولاً ”شرح جامی، شرح وقایہ، نورالانوار“ مولانا ضیاء الحق صاحب سے پڑھی تھیں، مگر جماعت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نے اگلے سال پھر انھیں کتابوں میں داخل کر دیا اور خود پڑھایا۔

اس کے بعد شوال ۱۳۷۷ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں بھیج دیا، یہاں آکر پہلے سال ”جلالین، ہدایہ اولین، میبذی“ اور اگلے سال ”بیضاوی، سلّم، ہدایہ ثالث، مشکوۃ شریف“ اور تیسرے سال یعنی شوال ۱۳۷۹ھ شعبان ۱۳۸۰ھ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اور اس سے اگلے سال کچھ مزید کتابیں ”ہدایہ رابع، صدرا، شمس بازغہ، اقلیدس، خلاصۃ الحساب، درمختار“ پڑھیں“۔ [1]

مہتمم دار العلوم لسٹر، ومدیر مجلس دعوۃ الحق یوکے، علامہ محمد ایوب سورتی صاحب، حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تدریسی ارتقائی ادوار کو ان لفظوں میں تحریر فرماتے ہیں:

”شوال ۸۱ھ سے آپ مدرس ہوئے، دو تین سال متوسطات کی کتب پڑھائیں پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ترقی کے غیبی اسباب اس طرح پیدا فرمادیے کہ چند سالوں میں ہی تدریس کی اوج ثریا پر پہنچ گئے اور ”بخاری شریف“ پڑھا کر شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آپ کی علمی عظمتوں اور تدریسی صلاحیتوں کا تمام اکابر نے اعتراف کیا، بالخصوص آپ کے شیخ ومرشد، محدث وقت، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ثم المہاجر المدنی نے آپ کو اس طرح حدیث شریف کے لئے تیار کیا جس طرح حضرت شیخ کو ان کے شیخ واستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کیا تھا، چنانچہ حضرت شیخ کے نام حدیث شریف سے متعلق بہت سے سوالات آتے رہتے تھے، جو آپ حضرت استاذ محترم کے پاس بھیج دیتے اور استاذ محترم اس کے تفصیلی جوابات مدلل تحریر فرما کر واپس کرتے جبکہ ابھی آپ نے حدیث شریف کی کوئی کتاب پڑھائی بھی نہیں تھی، چنانچہ

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱/۱۷۔

۸۳؁ھ اور ۸۴؁ھ کے لکھے ہوئے جوابات اسی مجموعہ میں شامل ہیں جن سے استاذ محترم کے مناسبت فی الحدیث کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔

اور وہ غیبی انتظام من جانب اللہ یہ ہوا کہ جن چار اساتذۂ حدیث کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کیا اور دورہ کی تمام کتابیں پڑھیں، اگلے چار برسوں میں دو اساتذہ جوارِ رحمت میں پہنچ گئے، یعنی حضرت مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دو اساتذۂ حدیث یعنی حضرت اقدس شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ضعف و پیری اور عوارض و امراض کی وجہ سے ترکِ تدریس کا فیصلہ کر لیا، بالخصوص حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں تو عشق و محبت کی وہ چنگاریاں دبی ہوئی تھیں، جو ان کو حرمین شریفین کے قیام و ہجرت پر مجبور کر رہی تھیں، مگر ان دونوں حضرات کے سامنے اپنے اکابر و بزرگوں کے لگائے ہوئے پودے مظاہر علوم کی فکر تھی کہ کہیں مخالف و تند و تیز ہواؤں میں اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس لئے اس کی آبیاری اور بنیاد کے مضبوط رکھنے کی فکر اپنے قیام سے زیادہ تھی۔

میں تو یہی سمجھتا ہوں، حالات و سیاست کا مجھے پتہ نہیں اور میں اس سے قلباً و قالباً ہزاروں میل دور ہوں «والحمد لله على ذالك» کہ کسی بھی ادارہ میں دو منصب اہم ہوتے ہیں ایک ناظم و مہتمم کا اور ایک شیخ الحدیث کا، اور ان دونوں اکابر کے سامنے یہ منصب اس کے اہل کو سپرد کرنے کی فکر اور اس کا داعیہ تھا اس لئے وعید نبوی بھی ہے، «إذا وسد الأمر إلى غير أهله، فانتظر الساعة» [جب معاملات نا اہل لوگوں کے حوالے کر دیے جائیں گے، تو پھر قیامت کا انتظار کرو] چنانچہ مناسبت و استعداد کو دیکھ کر حضرت اقدس مولانا مفتی

مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ناظم مدرسہ کے لئے اور حضرت الاستاذ مولانا محمد یونس صاحب کو شیخ الحدیث کے لئے رفتہ رفتہ تیار کیا اور جب جس کا موقع آیا اس کو وہ منصب سپرد کر دیا گیا۔

بہر حال ہمارے استاذ محترم کو تدریس کے چوتھے سال ہی حضرت مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے "مشکوۃ شریف" سپرد کی گئی، جس کو آپ نے بہت ہی محنت و تحقیق سے پڑھایا، پانچویں سال بھی "مشکوۃ شریف" وغیرہ کتب زیرِ درس رہیں، چھٹے سال "ابوداؤد شریف" ساتویں سال "مسلم شریف" پڑھائی، جب ان تمام کتابوں کو پوری نیک نامی وعلمی شہرت کے ساتھ پڑھانے میں آپ کامیاب ہوگئے تو اس وقت اکابر کے مشورہ سے حضرت اقدس شیخ نے "بخاری شریف" حضرت الاستاذ کو سپرد کر دی۔

احقر ان دنوں "مظاہر علوم" میں متوسطات کا طالب علم تھا، اور اس وقت کا شاہد عینی ہے کہ جب "بخاری شریف" کے منتقل ہونے کا اعلان کیا گیا تو مظاہر کے دورہ کے طلبہ کی نگاہوں میں عجیب کرب واضطراب کی لہریں دوڑ رہی تھیں، اور گو حضرت الاستاذ کتنے ہی قابل ولائق ہوں مگر حضرت شیخ کی عمر اور بزرگی، اور نسبتِ مشائخ اور کثرتِ تصنیف وتالیف کی وجہ سے جو مقام تھا ان کی عظیم مسند کو پر کرنا مشکل ہی معلوم ہو رہا تھا، بالخصوص اس سال دورہ میں بعض وہ طلبہ بھی تھے جو حضرت شیخ کے خدام ومخصوصین میں تھے اور انھیں اس کا بڑا قلق تھا کہ ہمیں حضرت شیخ سے پڑھنا نصیب نہیں ہو رہا ہے، اور وہ اپنے قلق کا اظہار مختلف طریقوں سے کر رہے تھے، غالباً انتظامیہ تک بھی یہ اضطراب پہنچ گیا، اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے حضرت شیخ نے ایک اعلان لگوایا جو خود میں نے دار الطلبہ قدیم کے "لوح الاعلانات" پر پڑھا جس کا مختصر مضمون یہ تھا کہ:

''میں نے اپنے ضعف اور اعذار کی بناپر ''بخاری شریف'' پڑھانا موقوف کیاہے، اور مولانا یونس صاحب کو منتقل کیا ہے، جسے پڑھنا منظور ہو وہ پڑھے ورنہ کسی اور مدرسہ میں داخلہ لے لے''۔

اس اعلان کے بعد فضا میں کچھ سکون پیدا ہوا اور تعلیم جاری ہوگئی، خوب یاد ہے کہ جیسے ہی حضرت الاستاذ نے ''بخاری شریف'' شروع کی اور وہ شور انتشار موقوف ہوا اور پھر پورے اطمینان اور آب وتاب کے ساتھ درس جاری ہو گیا۔

اب یہ بات حقیقت واقعہ بن کر سامنے آرہی ہے کہ حضرت شیخ کی دور بین نگاہیں کیا دیکھ رہی تھیں کہ الحمد للہ چالیس برس سے درس ''بخاری'' کا فیض مسلسل جاری ہے، اور حدیث پاک میں اس قدر انہاک واشتغال ہے کہ حدیث کی پہچان بن گئے اور مظاہر علوم کی جو شان تھی کہ حدیث شریف کی شرح و تحقیق میں ابتداء ہی سے اس کا بڑا حصہ رہا ہے اس کو درس وتدریس کے ذریعہ پورا فرمادیا، اور خود مظاہر علوم ان آخری ادوار میں حضرت الاستاذ کی برکت سے ہی دورہ حدیث کے پڑھنے پڑھانے کا مرجع ومرکز بنا ہوا ہے، ہر سال کتنے طلبہ اپنے اپنے اداروں سے فارغ ہو کر ''بخاری شریف'' پڑھنے کے لئے مظاہر علوم آتے ہیں''[1]۔

استاذ دار العلوم ندوہ، حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب مدظلہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے اس وہبی انتخاب کو ان لفظوں میں تعبیر فرماتے ہیں:

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱/۶۔

”دورِ حاضر میں اگر فنی نظر رکھنے والے بلند پایہ محدثین کی مختصر سی فہرست بنائی جائے تو اس میں ممتاز ترین نام حضرت مولانا محمد یونس صاحب، شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور انڈیا کا ہو گا، موصوف بلاشبہ اپنے بزرگوں کی زندہ یادگار ہیں۔

مظاہر علوم میں چند سال کی تدریس کے بعد ۱۳۸۸ھ میں ان کے استاذ ومربی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے انہیں اپنی جگہ مظاہر علوم کا شیخ الحدیث مقرر فرمایا اور درس بخاری کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی، اس وقت موصوف کی عمر ۳۳ سال تھی، اتنی کم عمری اور اکابر اساتذہ کی موجودگی میں موصوف کو اتنے عظیم منصب پر فائز کئے جانے سے کچھ لوگوں کو حیرت ہوئی اور شکایت بھی ہوئی، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ اس انتخاب کا حسنِ انتخاب لوگوں پر روشن ہوتا گیا، اور وقت نے ثابت کر دیا کہ حضرت شیخ نے جس نوجوان کو اس عظیم منصب پر فائز کیا وہ ہر طرح سے اس منصب کا اہل تھا، اس نے اپنے اکابر کی علمی روایات کے تسلسل کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ انہیں مزید پروان چڑھایا“۔

حضرت مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب مدظلہ مزید لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت برکاتہم کی عمر عزیز درس حدیث میں گذری، انہوں نے کتابوں کی تدریس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علوم اسلامیہ خصوصاً فن حدیث نیز علم رجال کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، کتبِ احادیث ورجال کا پورا پورا ذخیرہ کھنگال ڈالا، غیر معمولی قوتِ حافظہ اور کتبِ احادیث ورجال کے مسلسل مطالعہ اور مزاولت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حدیث وعلوم حدیث

میں خصوصی مناسبت عطا فرمائی، بلکہ انہیں اس میدان میں امامت کے منصب پر فائز فرمایا، موصوف درس و تدریس، مطالعہ و تحقیق میں ایسے مشغول و منہمک رہے کہ انہیں باقاعدہ تصنیف کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے بہت سے اہل علم ان کے بلند تر علمی و فنی مقام سے واقف نہ ہو سکے، لیکن جن حضرات کو موصوف کے ساتھ مختصر سی مختصر علمی صحبت میسّر آئی ہو اور بعض علمی موضوعات پر گفتگو کا موقع ملا ہو وہ جانتے ہیں کہ اس علمی سمندر میں کیسے کیسے آبدار موتی پنہاں ہیں۔۔۔"[1]۔

مہتمم "المعہد الاسلامی" مانک مئو سہارنپور، مولانا محمد ناظم ندوی صاحب، علوم الحدیث میں آپ کے منصب کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اس فن پر آپ کی گرفت ہے، اور اس وقت آپ اس بارے میں کسوٹی اور محکم الحدیث کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ فضل الٰہی اور امتیازی خصوصیت ہے جو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کو ودیعت فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازتے ہیں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں، متنِ حدیث، سندِ حدیث اور حدیث کے مقتضیات و مطالبات اور اس کے معانی و مفاہیم پر نہ یہ کہ آپ کو گرفت ہے بلکہ بفضل ایزدی اس کا القاء ہوتا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں جس طرح قرآنی علوم، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمایا تھا جس کو انہوں نے بہت سے مقامات پر بطور تحدیثِ نعمت کے بیان بھی فرمایا ہے، اس زمانہ میں حدیث کا علم حق تعالیٰ شانہ نے اسی طرح آپ کو عطا فرمایا ہے، جس کا ایک

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۳/۵۱۲۔

موقعہ پر آپ نے تحدیث بالنعمہ کے طور پر اظہار بھی فرمایا ہے، پھر آپ کی تحقیقات، روایت پر نقد، وسعتِ مطالعہ اور متقدمین ومتأخرین کی کتابوں پر بھرپور نقدو تبصرہ، اور علامہ ابن حجرالعسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبل العلم فی الحدیث کے مسامحات کا تذکرہ، یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے پوری بصیرت، انہماک، عشق کے سوز اور مجتہدانہ فراست کے ساتھ پورے ذخیرۂ احادیث کو کھنگال ڈالا ہو۔

دراصل ابتداء ہی سے آپ نے علم حدیث کے ساتھ اشتغال رکھا اور اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کسی سے کچھ پیسے میسر آجاتے تو ان سے حدیث کی کتابیں خرید لیتا، حضرت الاستاد قطب العرب والعجم نے جب بھی ہدیۃً کچھ پیسے عنایت فرمائے تو میں نے ان کی کتابیں خرید لیں اور آپ کی قیام گاہ پر اپنا ذاتی علم حدیث کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ شاید ہی برصغیر میں کسی کے پاس ہو بلکہ بڑے بڑے کتب خانے بھی ان امہات کتب سے خالی ہیں، اس کے باوجود حج کے موقع پر کتب خانوں میں نئی نئی کتابیں تلاش کرنے کے لئے جاتے ہیں، حالانکہ اس نشیب وفراز والے راستے سے گزرتے ہوئے آپ کا سانس پھولنے لگتا ہے، پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، لیکن ان سب پریشانیوں کے باوجود آپ کے علمی مطالعہ اور ذوق کا اندازہ کچھ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جو آپ سے کچھ آشنا ہیں"۔ [۱]

آپ کو صرف علم حدیث ہی پر دسترس نہیں تھی، بلکہ دیگر اسلامی علوم وفنون پر مکمل مہارت وعبور ہے، چنانچہ مولانا ناظم ندوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کو صرف فن حدیث ہی پر مکمل گرفت نہیں، یہ تو آپ کی امتیازی

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: ۱/۱۲۔

خصوصیت ہے، ورنہ دیگر علوم وفنون، صرف و نحو، عروض ومعانی، نقد و بلاغت، منطق وفلسفہ، کلام وعقائد، زبان وادب، فقہ وتفسیر وغیرہا پر بھی مکمل درک ہے، آپ نے ابتداء میں حدیث کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں پڑھائی ہیں اور ان فنون کا حق ادا کیا ہے، اس کے علاوہ تاریخ وجغرافیہ، سیر وسوانح، اور قوموں وملکوں کے حالات پر بھی آپ کی گہری نظر ہے، جب بھی مجلس میں کوئی موضوع زیر بحث آجاتا ہے اس پر سیر حاصل مواد میسر ہوتا ہے"[۱]۔

* * * * *

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: ۱/۱۳۔

”الیواقیت الغالیہ فی تحقیق و تخریج الأحادیث العالیہ“

کا مختصر تعارف

خود حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اس گراں قدر مجموعہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ چند علمی خطوط کے جوابات ہیں، ان کے لکھنے میں نہ تحریر الفاظ پیش نظر ہے، نہ خوشنمائی مقصود ہے، نہ یہ خوشنمائی کا ذریعہ ہیں، اس لئے شائع کئے جارہے ہیں کہ شاید طلبہ کو نفع ہوجائے، اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں ان کا کرم ہے، علماء سے گذارش ہے کہ اس کو دیکھیں، اگر کسی مقام پر سقم معلوم ہو مجھے اطلاع کر دیں تاکہ بعد وضوحِ حق اس کی اصلاح کی جاسکے“[1]۔

مجموعہ ہذا کے مُرتِّب ومُہذِب حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب مدظلہ اس مخزن کے زیورِ قرطاس سے آراستہ ہونے کی سرگزشت یوں بیان کرتے ہیں:

”یہ مجموعہ مکاتیبِ علمیہ بنام «الیواقیت الغالیة فی تحقیق وتخریج الأحادیث العالیة» حضرت الاستاذ کے ان قیمتی ونادر وحدیثی مضامین وعلوم کا خزینہ ہے جس کی ترتیب وتہذیب اور نشر واشاعت کی سعادت اس حقیر کے حصہ میں آرہی ہے۔

اس کا بہت افسوس ہے کہ یہ خزینہ بہت دیر سے منظر عام پر آرہا ہے، راقم الحروف [مولانا ایوب سورتی دامت برکاتہم] کو اپنی زمانہ طالب علمی سے اس

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۲/۲۲۔

کا علم تھا خود استاذ محترم نے بعض جوابات کو اپنی کاپی میں نقل کروانے کا حکم فرمایا تھا، یہ وہ کنز مکنون تھا جس کو بہت پہلے منظر عام پر آنا چاہئے تھا، مگر حضرت کی طبیعت پر انکسار وتواضع کا غلبہ اور شہرت پسندی سے تنفر نے اب تک اس کو چھپائے رکھا۔

جب گذشتہ سال مارچ ۲۰۰۷ء میں بندہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوا تب پتہ چلا کہ اس مجموعۂ علمیہ کی کتابت ہوچکی ہے، اور اس کی ذمہ داری محترم مولانا محمد ناظم ندوی صاحب مہتمم وبانی المعہد الاسلامی مانک مئو سہارنپور نے لے لی ہے، اور عموم نفع کے لئے کئی مضامین کا اردو ترجمہ کروا کر اپنے ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' سے شائع بھی کر رہے ہیں، مگر پورے مجموعۂ پر نظر ثانی اور تصحیح کی ضرورت ہے جس کا انتظار ہے، احقر نے اپنی نااہلی کے باوجود اس کی تصحیح ونظر ثانی اور اس کے طبع کروانے کی ذمہ داری لے لی، اور پھر اپنے مستقر پر آکر مولانا ناظم صاحب سے کتابت شدہ اوراق کی C.D حاصل کرلی اور اپنے بڑے بیٹے مولوی حذیفہ سلمہ اللہ سے کمپوٹر پر ہی کتابت کی اغلاط کی اصلاح کروانی شروع کردی، مگر چونکہ اصل کاپی کو جس پر حضرت نے جوابات نقل کروائے ہیں مختلف طلبہ اپنے اپنے وقت میں نقل کرتے رہے، اور ان کی نقل میں اغلاط کا احتمال بھی تھا، اور بعض الفاظ کا سمجھنا بھی دشوار تھا، اس لئے بسا اوقات اصل کتب ومتون کی طرف مراجعت کرنی پڑتی، مگر حضرت کے پاس اور اس وقت جو کتب وشروح تھیں اب اپنے پاس جو کتب ہیں، مطابع کے اختلاف سے صفحات بھی بدل گئے، اس لئے بڑی دقت پیش آتی رہی اور کافی وقت گذرنے کے بعد تھوڑا ہی کام ہوسکا، پھر عزیز موصوف دوسری جگہ ملازمت کی وجہ سے چھٹیوں میں جب آتے

کام ہوتا، جب جاتے رک جاتا، اسی میں تقریباً ۶ ماہ گذر گئے، پھر رمضان المبارک اور اس کے بعد ان کے حج کا مسئلہ آیا اور کام رک گیا[۱]۔

مولانا محمد ایوب سورتی صاحب مدظلہ چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”اس مجموعہ کا نام حضرت الاستاذ نے انتہائی تواضع کی بناء پر یہ فرمایا کہ بس چند علمی خطوط رکھ دیا جائے، کسی طالب علم کو کچھ فائدہ ہو جائے تو بسا غنیمت [اصل میں اسی طرح ہے] ہے مگر نہ صرف احقر بلکہ بہت سے تلامذہ نے یہ چاہا کہ مجموعہ کا مستقل کوئی نام آج کل کے حالات کے اعتبار سے ہونا چاہئے، چنانچہ استاذِ محترم سے معذرت کے ساتھ اس کا نام «اليواقيت الغالية في تحقيق وتخريج الأحاديث العالية» رکھا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس مجموعہ کو اہل علم اور باذوق طلبہ کے لئے نافع اور مفید بنائے اور عند اللہ قبولیت نصیب ہو“[۲]۔

مولانا ناظم ندوی صاحب تعارفِ کتاب میں رقم طراز ہیں:

”زیر نظر کتاب آپ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ یہ ان سوالات کے جوابات ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف علماء و محدثین اور اصحابِ تحقیق نے احادیث کے متعلق آپ سے کئے، ان میں بہت سے حضرات نے قطب العرب والعجم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوالات کئے، بہت سے حضرات نے رئیس المتکلمین حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سے کئے، ان شیوخ کبار نے بھی وہ سوالات آپ پر اعتماد

---

[۱] اليواقيت الغالية: ۱/۸۔

[۲] اليواقيت الغالية: ۱/۱۰۔

فرما کر آپ ہی کے پاس بھیج دیئے کہ ان کے جوابات تحریر فرمادیں، کبھی خود شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے سوالات کئے اور ان کے جوابات لکھنے کو فرمایا، سوالات کرنے والوں میں مقتدر علماء کرام بھی ہیں اور محدثین عظام بھی، اساتذہ کبار بھی ہیں اور قابل قدر محققین بھی، آپ نے اپنے علمی مشاغل، مصروفیات اور کثرت امراض کے باوجود ان کے تحقیقی جوابات عنایت فرمائے“۔[1]

استاذ شعبۂ تخصص فی علوم الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ معروفی صاحب مجموعہ ہذا کو حضرت دامت برکاتہ کے علوم الحدیث میں رسوخ کی سند قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ کوئی باضابطہ تصنیف نہیں، لیکن اپنی معنویت وافادیت کے لحاظ سے بہت سی ان تصانیف سے فائق ہے، جو برسوں کی منصوبہ بندی، غور وتدبر اور اہل علم وفضل یا اربابِ دانش کی مشترکہ جد وجُہد کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا کرتی ہیں، کتاب در حقیقت علوم اسلامیہ خصوصاً علم حدیث کی ایک جامع اور موسوعی شخصیت کی نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط شبانہ روز محنت وجاں کا ہی ثمرہ ہے، دنیا تو انہیں صرف درسِ حدیث کے ایک مسند نشیں یا شیخ الحدیث کی حیثیت سے جانتی تھی، مگر اس کتاب نے ان کی زندگی کے اس پہلو سے بھی نقاب کشائی کر دی کہ آپ ایک بلند پایہ محقق، نکتہ رس، خاص طور سے علوم حدیث کی پوری لائبریری پر عبور رکھتے ہیں، یہ کتاب بجاطور پر مشہور مثل کی مصداق ہے کہ: سو سنار کی ایک لوہار کی۔۔۔“۔[2]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱/۱۴۔

[2] الیواقیت الغالیۃ: ۳/۵۱۴۔

حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اس مجموعہ کو نایاب گوہر قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”الیواقیت الغالیہ میں حضرت مولانا مد ظلہم العالی کے وہ مکتوبات اور وہ بہت سے اجزاء اور رسائل شامل کیے گئے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے موضوع اور مبحث پر بصیرت افروز کتاب، علمی رہنما اور اس عنوان کی کم سے کم قریب العہد مصنفات میں جامع ترین اور اعلیٰ ترین تحقیق ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر ہند کی علمی تاریخ میں، خصوصاً حدیث شریف کے مباحث میں فخر المتأخرین حضرت مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی کی تصانیف رائقہ اور تحقیقاتِ عالیہ کے بعد سے اس قدر متنوع موضوعات پر اس جامعیت، اس شرح وبسط، دقت نظر اور احسن استدلال کے ساتھ ایسا متنوع اور علم آفریں مجموعہ یا خزانۂ علم شائع نہیں ہوا۔

یوں تو ماشاء اللہ بڑی بڑی کتابیں، شروحات کتبِ ستہ، تعلیقاتِ کتبِ حدیث اور حدیث شریف کے مختلف مباحث پر نہایت بلند مرتبہ اور محدثانہ شان کی تصانیف ورسائل مرتب ہوئے اور شائع ہوئے، اہل علم کی ایک بڑی تعداد ان سے فائدہ اٹھارہی ہے، لیکن قریب کے دور میں حدیث کے مباحث وعنوانات پر کسی ایک عالم نے ایسا بسیط کام کیا ہو، روایات کے تمام گوشوں اور نقد وتحقیق کے تمام اصولوں کا احاطہ کرتے ہوئے اس قدر عنوانات پر اس جامعیت اور وسعت نظر کے ساتھ گفتگو فرمائی ہو، راقم السطور کے علم میں نہیں۔۔۔“[1]

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۵۱۹/۳۔

فصل اول

ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

’’سوال کا جزء ثانی یہ ہے کہ ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

[بلا سند کسی حدیث کا اعتبار نہیں ہے]

’’اس کا جواب یہ ہے کہ ساری احادیث کا دارو مدار سند پر ہے، بلا سند کسی حدیث کا اعتبار نہیں:

«قال ابن سيرين: إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم. رواه مسلم في المقدمة، والخطيب في الكفاية، وقال في رواية: إنما هذه الأحاديث دين، فانظروا عمن تأخذونها. رواه ابن أبي حاتم في الجرح والتعديل (ص:١٥) .

وقال عبد الله بن المبارك: الإسناد من الدين، ولولا الإسناد لقال من شاء ماشاء. رواه مسلم في المقدمة، وابن أبي حاتم (ص:١٦) وابن حِبَّان في مقدمة الضعفاء(ص:١/٢٦)، والحاكم في علوم الحديث (ص:٨) .

وعن ابن المبارك: طلب الإسناد المتصل من الدين. رواه الخطيب في الكفاية (ص:٥٢٤)، وعن ابن المبارك أيضا: مثل الذي يطلب أمر

دينه بلا إسناد كمثل الذي يرتقي السطح بلا سلم. رواه الخطيب في الكفاية (ص:٥٢٥) وشرف أصحاب الحديث (ص:٤٢).

وقال عبد الصمد بن حسان: سمعت سفيان الثوري يقول: الإسناد سِلاح المؤمن، فإذا لم يكن معه سِلاح فبأي شيء يقاتل؟ رواه ابن حِبَّان في مقدمة الضعفاء(ص:١/٢٧)، والخطيب في شرف أصحاب الحديث (ص:٤٢) .

وقال علي بن المَدِيْنِي: قال أبو سعيد الحَدَّاد: الإسناد مثل الدَرَج ومثل المَرَاقِي، فإذا زلت رجلك عن المرقاة سقطتَ، والرأي مثل المَرْج. رواه الخطيب في الكفاية (ص:٥٢٦) وشرف أصحاب الحديث (ص:٤٢)، و رواه ابن حِبَّان في مقدمة الضعفاء (ص:٢٦) عن قتيبة بن سعيد قال: سمعت أبا سعيد الحداد: الحديث دَرَج والرأي مَرْج، فإذا كنت في المَرْج فاذهب كيف شئت، وإذا كنت في دَرَج فانظر أن لا تزلِق فيَنْدَقّ عنقك.

وقال يعقوب بن محمد بن عيسى: كان ابن شهاب إذا حدث أتى بالإسناد، ويقول: لايصلح أن يرقي السطح إلا بدرجة. رواه ابن أبي حاتم في الجرح والتعديل(ص:١/١٦) .

وقال هلال بن العلاء سمعت أبي يقول: حمل أصحاب الحديث على ابن عُيَيْنَة يوما فصعِد فوق غرفة، فقال له أخوه: تريد أن يتفرقوا عنك؟ حَدِّثْهم بلا إسناد، فقال: انظروا إلى هذا، يأمرني أن أصعد فوق البيت بغير دَرَجَة. قال صالح بن أحمد الحافظ: يعني أن

الحديث بلاإسناد ليس بشيء، وأن الإسناد درج المتون، به يوصل إليها. رواه الخطيب في الكفاية (ص:٥٢٥) .

وعن مطرالوَرَّاق في قوله عزوجل: (أو أثارة من علم) قال: إسناد الحديث. رواه الرَامَهُرْمُزِي في المحدّث الفاصل (ص:٢١٠) والخطيب في شرف أصحاب الحديث (ص:٣٩) .

وقال الشافعي: مثل الذي يطلب بلا إسناد كمثل حاطب ليل. كذا نقله السخاوي في شرح الألفية (ص:٣/٥) ».

[ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ علم دین ہے، دیکھو کہ تم اپنا دین کن سے لے رہے ہو۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے “مقدمہ” میں اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے “کفایہ” میں نقل کیا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ احادیث دین ہیں، دیکھو کہ تم انہیں کن سے لے رہے رہو۔ اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے “جرح وتعدیل” میں ذکر کیا ہے۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسناد دین میں سے ہے، اور اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا سو وہ کہتا۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ – مقدمہ میں – ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ – مقدمہ ضعفاء میں – اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے – علوم الحدیث میں – نقل کیا ہے۔

نیز ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: سندِ متصل کی طلب دین میں سے ہے۔ اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے “کفایہ” میں نقل کیا ہے، اور ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہی سے منقول ہے: جو شخص دینی امور بلا سند حاصل کرنا چاہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاہے۔ اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے “کفایہ” اور “شرف اصحاب الحدیث” میں نقل کیا ہے۔

عبد الصمد بن حسان فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے

سنا: اسناد مؤمن کا ہتھیار ہے، اگر اس کے پاس ہتھیار ہی نہ ہو تو کس چیز سے مقابلہ کرے گا؟ اسے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے "ضعفاء" کے مقدمہ میں، اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے "شرف اصحاب الحدیث" میں نقل کیا ہے۔

اور علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو سعید حدّاد کا قول ہے: اسناد کی مثال سیڑھی کے درجات کی طرح ہے، اگر آپ کا پاؤں سیڑھی سے پھسل گیا تو آپ گر جائیں گے، اور رائے تو چراگاہ کی مانند ہے۔ اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے "کفایہ" اور "شرف اصحاب الحدیث" میں نقل کیا ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے "ضعفاء" کے مقدمہ میں قتیبہ بن سعید سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے ابو سعید حدّاد کو فرماتے ہوئے سنا ہے: حدیث (سیڑھی کے) درجات ہیں، اور رائے چراگاہ ہے، اگر تم چراگاہ میں ہو تو جہاں چاہو چلو پھرو، اور اگر تم سیڑھی پر ہو تو سنبھل کر رہنا کہ کہیں پھسل نہ جاؤ اور گردن ٹوٹ جائے۔

یعقوب بن محمد بن عیسی فرماتے ہیں کہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ حدیث بیان کرتے تو سند ذکر کرتے اور فرماتے: سیڑھی پر اس کے درجات ہی سے چڑھا جا سکتا ہے۔ اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے "جرح و تعدیل" میں نقل کیا ہے۔

ہلال بن علاء فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک دن اصحابِ حدیث نے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو مشقت میں ڈال دیا تو آپ کمرے کے بالائی حصہ پر تشریف لے گئے، ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی نے ان سے کہا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں؟ انہیں بلا سند ہی حدیث بیان کر دیا کرو، ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ انہیں دیکھو! مجھے چھت پر بغیر سیڑھی کے چڑھنے کو کہہ رہے ہیں۔ حافظ صالح بن احمد فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب ہے کہ بلا سند حدیث کچھ بھی نہیں ہے، اور اسناد متون کی سیڑھیاں ہیں، جن کے ذریعہ متون تک پہنچا جاتا ہے، اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے "کفایہ" میں نقل کیا ہے۔

مطر ورّاق سے اللہ عزوجل کے قول «أو أثارة من علم» کے بارے میں منقول ہے کہ (اس سے مراد) اسنادِ حدیث ہے۔ اسے رامَہُرمُزِی نے ”المحدث الفاصل“ میں اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرف اصحاب الحدیث“ میں نقل کیا ہے۔

اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بلا اسناد طلب کرنے والا رات کو لکڑیاں چننے والے کی طرح ہے۔ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح الفیہ“ میں اسی طرح نقل کیا ہے]

[علوم نبویہ میں اسناد کی احتیاج]

”اس کے علاوہ بھی بہت سے آثار ہیں جو مذکورہ بالا حضرات اور دوسروں نے، خاص طور سے زرُقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح المواہب“ (ص: ۵/۳۹۳) میں نقل کئے ہیں، جن سے اسناد کا حدیث کے معتبر ہونے کے لئے شرط ہونا معلوم ہوتا ہے، اور اسناد کی علوم نبویہ اسلامیہ کے تعلیم وتعلم میں محتاج الیہ ہونے پر حضور اکرم ﷺ کی احادیث سے بھی روشنی پڑتی ہے:

«قال النبي ﷺ: أكرموا أصحابي فإنهم خياركم، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب حتى أن الرجل ليحلف ولا يستحلف، ويشهد ولا يستشهد، الحديث.

رواه أحمد (ص:١٨ ج: ١) والحميدي (ص:٢٠ ج: ١) والشافعي (ص:٤٢٤) وأبو داود الطيالسي (ص:٧) والترمذي (ص:٢/٣٩) والحاكم (ص:١/١١٤) عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه، وصححه الحاكم على شرط الشيخين وأقره الذهبي، وهذا لفظ الحميدي والشافعي، ولفظ أحمد و الترمذي والحاكم: ثم يفشو الكذب».

[آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میرے صحابہ کا اکرام کرو، کیونکہ یہ لوگ تم سب سے بہتر ہیں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، اس کے بعد جھوٹ آشکارا ہو جائے گا، حتی کہ آدمی بلا قسم کھلائے قسم کھالیا کرے گا، اور بلا گواہی مانگے گواہی دے گا۔

اس روایت کو احمد رحمۃ اللہ علیہ، حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شیخین کی شرائط پر مشتمل صحیح روایت کہا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے صحیح کہلانے کو برقرار رکھا ہے، اور حدیث کے مذکورہ الفاظ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، احمد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے نقل کردہ الفاظ یہ ہیں: پھر جھوٹ پھیل جائے گا]۔

[حدیث کی رو سے تبع تابعین کے بعد دروغ گوئی اور غلط بیانی کی کثرت ہو جائے گی]

”یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علم، سلف سے خلَف لیں گے اور صدق وسچائی کے ساتھ نقل کریں گے، لیکن یہ تبع تابعین تک رہے گا، پھر دروغ گوئی اور غلط بیانی کی کثرت ہو جائے گی، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں:

«وقال رسول الله ﷺ: يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لايضلونكم ولايفتنونكم. وقال ﷺ: سيكون في آخر أمتي أناس يحدثونكم بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم.

رواهما مسلم في المقدمة (ص:٩، و:١٠) عن أبي هريرة رضي الله عنه،

والأخير أخرجه الحاكم (ص:۱۰۳) وقال: ذكره مسلم في خطبة الكتاب ولم يخرجه في أبواب الكتاب، وهو صحيح على شرطهما، ولا أعلم له علة».

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں دجال، کذاب لوگ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں اور نہ ہی تمہارے آباء نے سنی ہوں گی، ان سے بچ کر رہنا، تمھیں کہیں گمراہ نہ کردیں، فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: آخری زمانے میں لوگ ایسی احادیث بیان کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے آباء نے، تم ان سے بچ کر رہنا۔

یہ دونوں روایتیں مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے "مقدمہ" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں، اور دوسری روایت کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کرکے کہا ہے: مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کے "مقدمہ" میں اسے ذکر کیا ہے، لیکن کتاب کے "ابواب" میں اس کی تخریج نہیں کی، اور یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی شرائط پر مشتمل صحیح روایت ہے، اور اس میں کسی علت کا مجھے علم نہیں ہے]

[احادیث کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ خلَف سلَف سے نقل کریں]

"ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے لینے کا طریقہ یہ ہے کہ خلَف سلَف سے نقل کریں، ورنہ سَماع من الآباء کے ذکر کا کیا فائدہ؟ ایک حدیث میں تو سَماعِ مسلسل کی تصریح واقع ہوئی:

«قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: تسمعون ويُسْمَع منكم ويُسْمَع ممن يَسْمَع منكم. رواه أحمد وأبوداود (ص:۳۲٦/٤) وابن حِبَّان (ص:۱۵۱/۱) والحاكم والخطيب في شرف أصحاب الحديث (ص:۳۸) عن ابن عباس رضي الله عنهما، وصححه ابن حِبَّان والحاكم وأقره الذهبي، وقال العلائي: حسن».

[آپ ﷺ کا ارشاد ہے: تم سن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائے گا، اور تم سے سننے والوں سے بھی سنا جائے گا۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے -شرف اصحاب الحدیث میں- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہنے کو برقرار رکھا ہے، اور علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو "حسن" کہا ہے]

معلوم ہوا کہ نقلِ احادیث کا ضابطہ یہ ہے کہ مابعد والے سے بالسَّماع نقل کریں اور متقدمین، متاخرین سے بیان کریں:

«وقال المُنَاوِي في فيض القدير (ص:٣/٢٤٥): وقد امتثلت الصحابة أمره، ولم يزل ينقل عنه أقواله وأفعاله، وتلقى ذالك عنهم التابعون ونقلوه إلى أتباعهم، واستمر العمل على ذلك في كل عصر إلى الآن، انتهى».

[مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ "فیض القدیر" میں لکھتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کیا، اور آپ ﷺ کے اقوال وافعال مسلسل نقل ہوتے رہے ہیں، اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان اقوال وافعال کو تابعین نے لے کر آگے تبع تابعین کی جانب منتقل کیا، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتے چلتے ہمارے اس زمانے تک پہنچا ہے، انتہیٰ]

[نقل بالاسناد کی دوصورتیں ہیں]

"پھر نقل بالاسناد کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ کسی ایسی معتمد کتاب سے حدیث نقل کی جائے جس کے مصنف نے اپنی سند سے اس کی حدیثوں کو روایت کیا ہو، جیسے صحاح ستہ ومسانید ومعاجم وغیرہ، دوسری یہ کہ اپنی سند سے روایت کرے۔ بعض متاخرین علماء نے اس کو ضروری قرار دیا ہے مگر محققین نے اس کو رد کیا ہے، اور صورت اولیٰ کو کافی قرار دیا

ہے، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”تدریب“ (ص:۱۵۱/۱) میں لکھتے ہیں:

«قال إلْكِيَاالطَبَرِي في تعليقه: من وجد حديثا في كتاب صحيح جاز له أن يرويه ويحتج به، وقال قوم من أصحاب الحديث: لا يجوز له أن يرويه، لأنه لم يسمعه. وهذا غلط، وكذا حكاه إمام الحرمين في البرهان عن بعض المحدثين، وقال: هم عُصْبَة لا مبالاة بهم في حقائق الأصول، يعني المقتصرين على السَماع، لا أئمة الحديث، انتهى».

[الکِیاطَبرِی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ”تعلیق“ میں لکھتے ہیں: جس نے کسی ”صحیح“ کتاب میں کوئی حدیث پائی تو اس کے لیے اس کا نقل کرنا اور اس سے احتجاج جائز ہے، البتہ اصحابِ حدیث کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اسے روایت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس نے خود اسے نہیں سنا، (الکِیاطَبرِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) یہ کہنا غلط ہے، اور امام حرمین رحمۃ اللہ علیہ نے ”برہان“ میں بعض محدثین سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور پھر کہا ہے کہ حقیقی اصولوں میں اس جماعت کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، یعنی جو لوگ سننے ہی کو ضروری سمجھتے ہیں، یہ ائمہ حدیث نہیں ہیں، انتہیٰ]

[بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفاء کرلیا جاتا ہے]

”اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نقلِ حدیث کے لئے اس کا منقول بالسند ہونا ضروری ہے، لیکن مضامین کے اعتبار سے اسانید میں تفصیل ہے، بعض جگہ نہایت مضبوط سند مطلوب ہوتی ہے اور بعض جگہ کمزور سند پر بھی اکتفاء کرلیا جاتا ہے، عقائد واحکام سے اگر تعلق ہے تو صحیح وقوی سند درکار ہے، اور اگر فضائل ومناقب، ترغیب وترہیب، تفسیر وتاریخ سے

تعلق ہے تو ضعیف روایت بھی چند شرائط کے پائے جانے کی صورت میں کافی ہو جائے گی۔

«قال الإمام أحمد: إذا روينا عن رسول الله في الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا في الأسانيد، وإذا روينا عن النبي ﷺ في فضائل الأعمال، وما لا يضع حكما، ولا يرفعه، تساهلنا في الأسانيد. أخرجه الخطيب في الكفاية (ص:١٧٧).

وقال عبد الرحمن بن مهدي: إذا روينا عن النبي ﷺ في الحلال والحرام والأحكام شددنا في الأسانيد وانتقدنا الرجال، وإذا روينا في الفضائل والثواب والعقاب تساهلنا في الأسانيد وتسامحنا في الرجال. أخرجه الحاكم في المستدرك(ص:١/٤٩٠)، والبيهقي في المدخل (ص:١/٣٣)، وزاد الحاكم بعد العقاب: والمباحات والدعوات .

وقال ابن أبي حاتم (ص:١/٣٠): حدثني أبي، نا عَبْدَة يعني ابن سليمان، قال: قيل لابن المبارك وروى رجل حديثا [كذا فيه، وفي نسختنا: وروي عن رجل حديثا]، فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروي عنه هذا القدر أو مثل هذه الأشياء، قلت لعَبْدَة: مثل أي شيء كان؟ قال: في أدب، في موعظة، في زهد، أو نحو هذا.

وقال الحافظ ابن حجر في تهذيب التهذيب في ترجمة بكر بن خُنَيس: قال ابن أبي مريم، عن يحي بن معين: صالح لا بأس به، إلا أنه يروي عن ضعفاء، ويكتب من حديثه الرقاق.

قال ابن الصلاح في علوم الحديث له(ص:٩٣): يجوز عند

أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد، ورواية ما سوى الموضوع من أنواع الأحاديث الضعيفة من غير اهتمام ببيان ضعفها، فيما سوى صفات الله تعالى وأحكام الشريعة من الحلال والحرام وغيرهما، وذالك كالمواعظ والقصص وفضائل الأعمال وسائر فنون الترغيب والترهيب وسائر ما لا تعلق له بالأحكام والعقائد، وممن روينا عنه التنصيص على التساهل في نحو ذلك عبد الرحمن بن مهدي وأحمد بن حنبل [انتهى كلام ابن الصلاح].

وقال النَوَوِي في التقريب: يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد، ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف، والعمل به، من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام و ما لا تعلق له بالعقائد وا لأحكام، انتهى.

وقال في مقدمة شرح المهذب (ص:۱/۵۹) قال العلماء: والحديث ثلاثة أقسام: صحيح وحسن وضعيف، قالوا: وإنما يجوز الاحتجاج من الحديث في الأحكام بالحديث الصحيح أو الحسن، فأما الضعيف فلا يجوز الاحتجاج به في الأحكام والعقائد، وتجوز روايته والعمل به في غير الأحكام كا لقصص وفضائل الأعمال و الترغيب والترهيب.

وقال في الأذكار (ص:۵): قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل و الترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا، وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغيرذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث

الصحيح أوالحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فان المستحب أن ينزه عنه ولكن لا يجب، انتهى .

وقال السيوطي في تحذير الخواص (ص:٧٤): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لا تحل رواية الموضوع في أي معنى إلا مقرونا ببيان وضعه بخلاف الضعيف، فإنه تجوز روايته في غير العقائد والأحكام، ولمن جزم بذلك شيخ الإسلام محي الدين النَوَوِي في كتابيه الإرشاد والتقريب، وقاضي القضاة بدر الدين بن جماعة في المَنْهَل الرَوِيِّ، والطيبي في الخلاصة، والشيخ سراج الدين البُلْقِيْنِي في محاسن الاصطلاح، وحافظ عصره زين الدين أبو الفضل عبد الرحيم العراقي في ألفيته وشرحها .

وقال السيوطي أيضا في طلوع الثريا (ص:٢/١٩١): الحديث الضعيف يتسامح به في فضائل الأعمال. وقال في الدرج المُنِيْفَة (ص:٧): الحديث الضعيف يعمل به في الفضائل والمناقب. وكذا قال في التعظيم والمِنَّة (ص:١)، و في المقامة السُنْدُسِيَّة (ص:٥) .

وقال علي القاري في المرقاة (ص:٢/٢٦): الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الأعمال. وقال في موضع(ص:٢/١١٤): أجمعوا على جواز العمل با لحديث الضعيف في فضائل الأعمال. وقال في موضع آخر (ص:٢/١٧٢): يعمل با لحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء اهـ».

[امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام، سنن واحکام کے باب میں کوئی حدیث نقل کرنا چاہتے ہیں تو سندوں میں شدت سے کام لیتے ہیں، البتہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فضائل اعمال پر مشتمل حدیث نقل کرنا چاہیں اور جو کسی حکم کو ایجاد نہ کرے، نہ اسے ابھارے، تو ہم سندوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔ اسے خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے ”کفایہ“ میں نقل کیا ہے۔

عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ہم حلال وحرام، اور احکام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو سندوں میں شدت اختیار کرتے ہیں، راویوں کی خوب چھان بین کرتے ہیں، البتہ جب فضائل وثواب وسزا کے باب میں روایت نقل کرنے کا ارادہ ہو تو سندوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں، اور راویوں کے بارے میں چشم پوشی اختیار کرتے ہیں۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”مستدرک“ میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مدخل“ میں تخریج کیا ہے، اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ ”عقاب“ کے بعد لفظ ”مباح ودعاؤں“ کا اضافہ کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے میرے والد نے بتایا کہ عبدہ بن سلیمان فرماتے ہیں کہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے - در حالیکہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص سے حدیث نقل کر رہے تھے - کہا گیا کہ یہ شخص تو ضعیف ہے، آپ نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان سے اسی کے بقدر منقول ہو یا ایسی ہی چیزیں منقول ہوں، ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبدہ سے کہا کہ کس جیسی چیزیں؟ عبدہ نے جواب میں کہا: ادب میں، وعظ میں، زہد میں، یا ان جیسی چیزوں میں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”تہذیب التہذیب“ میں بکر بن خُنَیس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ابن ابی مریم، یحیی بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: یہ صالح ہے، لا بأس ہے،

بس یہ بات ہے کہ ضعفاء سے روایت نقل کرتا ہے اور اس کی حدیث میں سے دلوں کو نرم کرنے والی روایات کو لکھا جائے گا۔

ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ "علوم الحدیث" میں فرماتے ہیں: اہل حدیث وغیرہ کے نزدیک موضوع کے علاوہ مختلف الانواع ضعیف روایت کی سندوں میں تساہل اور ان کو نقل کرنا جائز ہے، ان کے ضعف کو بیان کرنے میں اہتمام کیے بغیر بھی، (یعنی وہ ضعیف حدیث) جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام شریعت حلال وحرام وغیرہ کے باب میں نہیں ہے، جیسے مواعظ، قصص، فضائل اعمال، ترغیب وترہیب کی تمام انواع، اور دیگر وہ تمام چیزیں جس کا احکام وعقائد سے تعلق نہ ہو، ہم نے جن لوگوں سے اس باب میں تساہل کا قول نقل کیا ہے، ان میں عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ "تقریب" میں لکھتے ہیں: موضوع کے علاوہ ضعیف حدیث کی روایت وعمل، اور ان کی سندوں میں تساہل، ان کے ضعف کو بیان کیے بغیر، اہل حدیث وغیرہ کے نزدیک جائز ہے، بشر طیکہ یہ ضعیف روایت اللہ تعالیٰ کی صفات، نیز احکام جیسے حلال وحرام پر مشتمل نہ ہو، اور نہ ہی متعلقاتِ عقائد واحکام میں سے ہو، انتہیٰ۔

امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ "شرح المہذب" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: علماء فرماتے ہیں کہ حدیث کی تین قسمیں ہیں: صحیح، حسن اور ضعیف۔ نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ احکام کے باب میں صرف حدیث صحیح وحدیث حسن سے احتجاج جائز ہے، ہاں! ضعیف حدیث سے احکام وعقائد میں احتجاج جائز نہیں ہے، البتہ احکام کے علاوہ جیسے قصص، فضائل اعمال، ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث کو نقل کرنا اور اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ "اذکار" میں فرماتے ہیں: علماء میں محدثین وفقہاء وغیرہ فرماتے ہیں: فضائل وترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ومستحب ہے، بشر طیکہ وہ موضوع نہ ہو، البتہ احکام جیسے حلال وحرام، بیع، نکاح، طلاق وغیرہ میں ضعیف

احادیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، صرف صحیح وحسن حدیث پر عمل کیا جائے گا، الا یہ کہ ان چیزوں میں درجۂ احتیاط میں ضعیف حدیث پر عمل کی گنجائش ہے، جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث آئی ہو تو اس سے بچنا مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے، انتہیٰ۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”تحذیر الخواص“ میں رقم طراز ہیں: علماء کا اتفاق ہے، اور وہ جزماً اس کے قائل ہیں کہ ماسوا ضعیف حدیث کے، موضوع روایت کا بیان کرنا کسی بھی طور پر حلال نہیں ہے، الا یہ کہ اس کے موضوع ہونے کی وضاحت ساتھ ساتھ کردے، البتہ ضعیف حدیث عقائد واحکام کے علاوہ نقل کرنا جائز ہے، اور جن علماء نے جزماً یہ بات کہی ہے ان میں یہ لوگ ہیں: شیخ الاسلام محی الدین نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دونوں کتابوں ”ارشاد“ و ”تقریب“ میں، قاضی بدرالدین بن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”المنہل الرَّوِی“ میں، طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الخلاصہ“ میں، شیخ سراج الدین بُلقِینی رحمۃ اللہ علیہ نے ”محاسن الاصطلاح“ میں، حافظ العصر ابو الفضل عبد الرحیم عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفیہ“ اور اس کی ”شرح“ میں۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی ”طلوع الثریا“ میں فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف میں تسامح برتی جاتی ہے، اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی ”الدرج المُنِیْفَہ“ میں فرماتے ہیں: فضائل ومناقب میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ”التعظیم والمِنّہ“ اور ”المقامہ السندسیہ“ میں کہا ہے۔

علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ”مرقاۃ“ میں فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا، موصوف ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز میں علماء کا اجماع ہے۔ آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: باتفاقِ علماء فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا، اھ]

[ضعیف حدیث کے معتبر ہونے کے لئے علماء نے کچھ شرائط تحریر کئے ہیں]

”یہ جو، ان حضرت نے تفصیل ذکر فرمائی کہ عقائد واحکام میں حدیثِ صحیح وحسن ضروری ہے اور اس کے ماسوا میں ضعیف بھی معتبر ہے، اسی طرح سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ، ابو زکریا العنبری رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ، ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے، محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح القدیر“ (ص: ۱/۲۴۶) میں یہی لکھا ہے، لیکن ضعیف حدیث کے معتبر ہونے کے لئے علماء نے کچھ شرائط تحریر کئے ہیں، ایک شرط تو وہی ہے جو سبھی نے لکھی ہے یعنی عقائد واحکام سے تعلق نہ ہو:

«قال البدر الزركشي في نكته على مختصر ابن الصلاح: أما الضعيف فيجوز بشروط: أحدها أن لا يكون في الأحكام والعقائد، ذكره النَوَوِي في الروضة والأذكار: وغيرهما من كتبه، الثاني: أن يكون له أصل شاهد لذلك، ذكره الشيخ تقي الدين بن دقيق العيد في شرح الإلمام، الثالث أن لا يعتقد ثبوته [انتهى كلام الزركشي]. كذا نقله السيوطي في تحذير الخواص (ص:٧٦).

وقال في التدريب (ص:٢٩٨ج:١) لم يذكر ابن الصلاح والمصنف يعني النَوَوِي هنا أي في التقريب وسائر كتبه لما ذكر سوى هذا الشرط، وهو كونه أي الضعيف في الفضائل ونحوها، وذكر شيخ الإسلام يعني الحافظ ابن حجر له ثلاثة شروط:

أحدها: أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، نقل العلائي الاتفاق عليه.

الثاني: أن يندرج تحت أصل معمول به.

الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط، قال: وهذان ذكرهما ابن عبد السلام وابن دقيق العيد [انتهى كلام ابن حجر] .

وقيل: لا يجوز العمل به مطلقا، وقيل: يعمل به مطلقا، انتهى [أي كلام السيوطي] .

وقال السخاوي في القول البديع (ص:٢٥٨): سمعت شيخنا يعني الحافظ ابن حجر مرار وكتب لي بخطه: أن شرائط العمل بالضعيف ثلاثة: الأول: أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه، نقل العلائي الاتفاق عليه،

الثاني: أن يكون مندرجا تحت أصل عام فيخرج مايخترع بحيث لا يكون له أصل أصلا، الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبي ﷺ مالم يقله. والأخيران ذكرهما ابن عبد السلام وصاحبه ابن دقيق العيد .

قال السخاوي: وقد نقل عن الإمام أحمد أنه يعمل بالضعيف إذا لم يوجد في الباب غيره ، ولم يكن ثم ما يعارضه. وفي رواية عنه: ضعيف الحديث أحب إلينا من رأي الرجال. وكذا ذكر ابن

حزم أن جميع الحنفية مجمعون على أن مذهب أبي حنيفة أن ضعيف الحديث أولى عنده من الرأي والقياس. فتحصل أن في الضعيف ثلاثة مذاهب: لايعمل به مطلقا، ويعمل به مطلقا إذا لم يكن في الباب غيره، ثالثها: وهو الذي عليه الجمهور يعمل به في الفضائل دون الأحكام، كما تقدم بشروطه، انتهى».

[بدرزرکشی رحمۃ اللہ علیہ "مختصر ابن الصلاح" پر اپنی تصنیف "نکت" میں لکھتے ہیں: ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ جائز ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ حدیث احکام و عقائد کے باب میں سے نہ ہو، امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط "روضہ"، "اذکار" اور ان کے علاوہ اپنی دیگر کتب میں ذکر کی ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث کا کوئی شاہد موجود ہو، اس شرط کو تقی الدین بن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الالمام" میں ذکر کیا ہے، تیسری شرط یہ ہے کہ اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو (زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تحذیر الخواص" میں اسی طرح نقل کیا ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "تدریب" میں فرماتے ہیں: ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اور مصنف یعنی نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تقریب میں اور دیگر کتب میں بھی اس شرط کے علاوہ کوئی دوسری شرط ذکر نہیں کی، اور وہ شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اور ان جیسی چیزوں پر مشتمل ہو، البتہ شیخ الاسلام یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ضعیف کی تین شرائط ذکر کی ہیں:

ایک یہ کہ ضعف شدید نہ ہو، اس شرط سے ان لوگوں کی روایات نکل گئیں جن میں کذابین، متہم بالکذب اور فاحش الغلط راوی متفرد ہو، علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث کسی معمول بہ اصل کے تحت درج ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو، بلکہ احتیاط کا اعتقاد ہو، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ دونوں شرطیں ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں، (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

(حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) بعض کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل جائز نہیں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے، انتہیٰ (یعنی سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "قول البدیع" میں فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیخ یعنی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے کئی دفعہ سنا اور انہوں نے مجھے اپنی تحریر سے لکھ کر بھی دیا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرائط ہیں: پہلی یہ کہ ضعف شدید نہ ہو، اس شرط سے ان لوگوں کی روایتیں نکل گئیں جو کذاب، متہم بالکذب، فاحش الغلط ہوں اور وہ اس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہوں، علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ حدیث ضعیف کسی اصلِ عام کے تحت درج ہو، اس شرط سے وہ اختراعی روایتیں نکل گئیں جن کی سرے سے کوئی اصل ہی نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ حدیث پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو، تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آپ کی بے کہی بات کا منسوب کرنا لازم نہ آئے، آخر کی دو شرطیں ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہیں۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر مافی الباب ضعیف حدیث کے علاوہ دوسری کوئی حدیث نہ ہو اور اس ضعیف حدیث کے معارض بھی کوئی روایت نہ ہو تو ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں یوں منقول ہے: لوگوں کی رائے کے مقابلہ میں ضعیف روایت ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اسی طرح ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

نے بھی ذکر کیا ہے کہ تمام احناف اس پر متفق ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث رائے اور قیاس کے مقابلہ میں اولیٰ ہے، حاصل کلام یہ کہ ضعیف میں تین مذہب ہیں:

اس پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، اگر مافی الباب کوئی دوسری روایت نہ ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، تیسرا مذہب جو جمہور کا اختیار کردہ ہے کہ احکام کے علاوہ فضائل میں اس پر عمل کیا جائے گا، جیساکہ یہ مذہب اپنی شرائط کے ساتھ گذر چکا ہے، انتہیٰ]

شروط سے مراد وہی شروط ثلاثہ سابقہ ہیں جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے گذر چکی ہیں، اورحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں ان کے تلامذہ وغیرہ جیسے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، شہاب الدین الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ، شمس الدین الرَّمْلِی رحمۃ اللہ علیہ صاحب الدرالمختار رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جزائری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سبھی نے ذکر کیا ہے، لیکن یہاں دو امر قابلِ غور ہیں:

[حدیثِ ضعیف سے استحباب کے اثبات پر اشکال اور اس کا جواب]

”اول تو یہ کہ جمہور کا یہ کہنا کہ حدیثِ ضعیف کا احکام میں اعتبار نہیں ہے اور پھر اسی سے استحباب کا ثابت کرنا جو بذات خود ایک حکم ہے بظاہر تناقض ہے، اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ فضیلت سے مراد فضل ہو، یعنی اصل حکم تو احادیث معتبرہ سے ثابت ہواور اس کے فضائل ضعیف احادیث سے ثابت ہوجائیں، یہ جواب علامہ شہاب الدین الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح الشفاء“ (ص:۴۳/۱) میں ذکر کیا ہے۔ علامہ دَوَانِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”انموذج العلوم“ میں ایک جواب یہ دیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں وارد ہو اور وہ عمل حرمت

وکراہت کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس پر عمل کر لینا مستحب ہے، اس لئے کہ اس میں نفع ہے خطرہ نہیں، مگر علامہ خَفَاجِی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ جواب سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی عبارت بالا سے جوڑ نہیں کھاتا ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ شیخ عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ ابن دَقِیْق العید رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا یہ فرمانا کہ عمل بالضعیف کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ احتیاط کا قصد کرے، علامہ شمس الدین الرَملِی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس شرط کو محل اشکال قرادیا ہے، اشکال بظاہر یہ ہے کہ اگر ثبوت کا اعتقاد نہ ہو تو پھر عمل کیسا؟ کسی روایت کے مطابق عمل کر نا اس کے ثابت ماننے کی فرع ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ عمل جیسے ثبوت پر متفرع ہوتا ہے ایسے ہی احتمال ثبوت پر متفرع ہوسکتا ہے، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ عمل کرلیا جائے، رہا عدم ثبوت کا احتمال تو وہ مضر نہیں ہے، اس لئے کہ اگر چہ عدمِ ثبوت کی صورت میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ جو چیز صاحب نبوت سے ثابت نہ ہو اس پر عمل کر لینا شریعت میں اضافہ کی ایک شکل ہے جو بدعت ہے، یہ مضر اس لئے نہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی یہ شرط لگادی ہے کہ وہ حدیث ضعیف کسی اصل عام کے تحت آتی ہو۔

حدیث موضوع کی بحث:

یہاں تک تو احادیثِ صحیحہ وضعیفہ کے متعلق گفتگو تھی، اب موضوع حدیث کے متعلق کچھ سن لیجئے۔

[جعلی روایات بنانا حرام ہے]

موضوع یعنی جعلی روایات بنانا حرام ہے، کرّامیہ اور بعض جاہل صوفیوں سے جو اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے یہ ان کی جہالت ہے، وضعِ روایت بہرحال حرام ہے:

«قال النبي ﷺ: من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. رواه الشيخان، وهذا الحديث قد روي عن جماعة كثيرة تزيد على ثمانين نَفْسا، وأحاديثهم موجودة، بل يبلغون المائة».

[نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اسے شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے، اور یہ حدیث اسّی سے زائد نفوس پر مشتمل ایک جماعت سے منقول ہے، اور ان کی احادیث موجود بھی ہیں، بلکہ یہ تعداد سو تک پہنچ جاتی ہے]

[موضوع حدیث کو اس کے موضوع ہونے کی تصریح کے بغیر نقل کرنا ناجائز ہے]

اور احادیثِ موضوعہ کو نقل کرنا بھی ناجائز ہے، الا یہ کہ بیان کرتے وقت تصریح کردے تو کوئی حرج نہیں ہے:

«قال النبي ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين. رواه مسلم في المقدمة(ص:٦) والترمذي (ص: ٩١ ج: ٢) وابن ماجه وابن حِبَّان والبيهقي في المدخل (ص:٣٢) عن المغيرة بن

شعبة رضي الله عنه، و مسلم في المقدمة وابن ماجه وابن حِبَّان والبيهقي في المدخل عن سمرة بن جندب رضي الله عنه، وابن ماجه عن علي رضي الله عنه.

قال السندي في حاشية ابن ماجه (ص:١٠): قوله: فهو أحد الكاذبين. قال النَوَوِي: المشهور روايته بصيغة الجمع، أي: فهو واحد من جملة الواضعين، والمقصود أن الرواية مع العلم بوضع الحديث كوضعه، قالوا: هذا إذا لم يبين وضعه. وقد جاء بصيغة التثنية، والمقصود أن الراوي له يشارك الواضع في الإثم [انتهى كلام السندي]. وقول السندي: أن الرواية مع العلم بوضع الحديث مبني على رواية يرى بفتح المثناة التحتية، وقد روي بضمها ومعناها يظن، وكذا على رواية الفتح إذا كان مأخوذا من الرأي لا من الرؤية.

وأخرج أحمد والترمذي(ص:١١٩ ج: ٢) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اتقوا الحديث عني إلا ماعلمتم، فإنه من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار.

قال النَوَوِي (ص:٨ ج:١): تحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعا أو غلب على ظنه وضعه، فمن روى حديثا علم أو ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل في هذا الوعيد، مندرج في جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم، يدل عليه الحديث السابق: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين [انتهى كلام النووي].

وقال أبو عمرو بن الصلاح في علوم الحديث(ص:٨٩): اعلم

أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة، ولا تحل روايته لأحد علم حاله في أي معنى كان إلا مقرونا ببيان وضعه [انتهى كلام ابن الصلاح].

وقال الحافظ ابن حجر في شرح النخبة(ص:٨٥): واتفقوا على تحريم رواية الموضوع إلا مقرونا ببيانه، لقوله ﷺ: من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين.أخرجه مسلم، انتهى.

وقد تقدم كلام العلامة السيوطي في بيان حكم الضعيف».

[نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری جانب سے کوئی ایسی حدیث بیان کرے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ - نے ”مقدمہ“ میں- ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ - نے ”مدخل“ میں- مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اسے نقل کیا ہے، اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ -نے ”مقدمہ“ میں- ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ -نے ”مدخل“ میں- سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے، اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ”حاشیہ“ میں سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: «فهو أحد الكاذبين». کے بارے میں نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور قول کے مطابق بصیغہ جمع مروی ہے، یعنی (معنی یہ ہو گا) کہ یہ شخص من جملہ روایات گھڑنے والوں میں سے ہے، اور مقصود یہ ہے کہ وضع حدیث جاننے کے باوجود کوئی روایت نقل کرنا اس کے گھڑنے کی مانند ہے، علماء فرماتے ہیں کہ یہ وعید جب ہے کہ (اس نے بیان کرتے ہوئے) اس کے موضوع ہونے کی تصریح نہ کی ہو۔

اور یہ لفظ (احد الکاذبین) تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ بھی آیا ہے، اور مقصود یہ ہے کہ اس حدیث کو نقل کرنے والا گناہ میں گھڑنے والے کا شریک ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ”وضع حدیث علم کے باوجود اس کو نقل کرنا“ مبنی ہے، لفظ ”یری“ میں یاء کو فتحہ کی روایت پر، اور لفظ ”یری“ یاء کے ضمہ کے ساتھ بھی منقول ہے، اور اس کا معنی ”گمان“ کا ہے، اور اسی طرح یاء کے فتحہ کی روایت پر بھی یہی معنی ہو گا جبکہ یہ لفظ ”رأی“ سے ماخوذ سمجھیں نہ کہ ”رؤیۃ“ سے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ وترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھ سے حدیث نقل کرنے میں ڈرو، سوائے ان احادیث کے جو تمہیں معلوم ہوں، کیونکہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس شخص کو کسی حدیث کے من گھڑت ہونے کا علم ہو یا اس کا غالب گمان ہو کہ یہ روایت من گھڑت ہے اس پر اس موضوع روایت کو بیان کرنا حرام ہے، چنانچہ جو شخص کوئی ایسی حدیث بیان کرے جس کے من گھڑت ہونے کا اس کو علم ہے یا غالب گمان ہے، اور نقل کرتے وقت اس کے من گھڑت ہونے کو بیان نہیں کیا تو وہ شخص اس وعید میں داخل ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والوں میں شمار ہو گا، اس بات پر سابقہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جس نے میری جانب سے ایسی حدیث بیان کی جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہے، تو وہ جھوٹوں میں ایک ہے (نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابو عمرو ابن الصلاح ”علوم الحدیث“ میں لکھتے ہیں: جان لو کہ موضوع حدیث، احادیثِ ضعیفہ میں سب سے بدتر ہے، جس شخص کو اس کا حال معلوم ہو اس کے لئے اس کا بیان کرنا کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ساتھ ساتھ اس کے موضوع ہونے کو بیان کردے (ابن

الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”شرح نخبہ“ میں فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ موضوع حدیث بیان کرنا حرام ہے، سوائے اس کے، کہ وہ اس کے موضوع ہونے کی تصریح کر دے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری جانب سے کوئی حدیث بیان کی درحالیکہ وہ اسے جھوٹ سمجھتا ہے وہ من جملہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے، انتہیٰ۔

اور ضعیف حدیث کے حکم کا بیان علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں گذر چکا ہے]

[موضوع حدیث پر عمل بھی ناجائز ہے]

”اور جب موضوع روایات بنانا اور ان کا نقل کرنا جائز نہیں ہے تو ان پر عمل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ”المدخل“ میں احادیث ضعیفہ متفق علیہا کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ص:٣٣):

«ضَرْبٌ رواه من كان معروفا بوضع الحديث والكذب فيه، فهذا الضرب لا يكون مستعملا في شيء من أمور الدين إلا على وجه التبيين» (أي لا يجوز ذكره إلا على وجه التبيين، محمد يونس).

[ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو حدیث گھڑنے اور اس میں جھوٹ بولنے میں معروف ہوں، اس قسم کا استعمال دین کے کسی بھی کام میں درست نہیں ہے مگر یہ کہ ساتھ ساتھ بتادے (یعنی ان کا ذکر صرف بیان کی صورت میں ہی جائز ہے، محمد یونس)]

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی احادیثِ سابقہ دلیل میں پیش کی ہیں۔

علامہ شمس الدین الرَّملی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ علاء الدین حصکفی صاحب الدر المختار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ص:۸۷):

«أما الموضوع فلايجوز العمل به بحال ولا روايته إلا إذا قرن ببيانه». [موضوع پر تو بہر صورت عمل جائز نہیں ہے، نیز اسے بیان کرنا بھی جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ ساتھ ساتھ اس کے موضوع ہونے کو بتادیا جائے]

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«قوله: بحال. أي ولو في فضائل الأعمال، قال الطحطاوي: أي حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، أما لو كان داخلا تحت أصل عام فلا مانع منه، لا لجعله حديثا بل لدخوله تحت الأصل العام اهـ، قال ابن عابدين: فتأمل».

[قولہ: بحال۔ یعنی اگرچہ روایت ”فضائل اعمال“ میں ہو (تو بھی جائز نہیں ہے) طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی جب روایت شرعی قواعد کے مخالف ہو، البتہ اگر کسی اصلِ عام کے تحت داخل ہے تو پھر بیان کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، اسے حدیث بناکر نہیں، بلکہ اس کے اصلِ عام میں داخل ہونے کی وجہ سے اھ، ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غور کرلیں]

بندہ کے خیال میں علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب موضوع روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہے تو اس پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے، اور اگر وہ اصلِ عام کے تحت داخل ہے تو عمل اس عام پر ہو گا نہ کہ اس باطل موضوع روایت پر، غالبًا علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتأمل“ [غور کرلیں] سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ شعبان کے روزے سے متعلق - جس کی تفصیل فصل ثانی میں آ رہی ہے - چند سطور ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں]

[شدید ضعیف حدیث بھی قابل عمل نہیں]

”رہا اس حدیث کو موضوع قرار دینا تو اس وقت ”تحفۃ الاحوذی“ بندہ کے سامنے نہیں ہے، بہر حال جس نے بھی اس کو موضوع کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ظن غالب میں یہ موضوع ہے، یہ ماقبل میں نمبر ٢، کے ذیل میں گزر چکا کہ کسی حدیث کے راوی کے دروغ گو یا واضع الحدیث ہونے کی وجہ سے حدیث کے موضوع ہونے کا حکم ظن غالب کے درجہ میں لگایا جاتا ہے، البتہ جن ائمہ کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے گو شدید الضعف ہی سہی ان کے مسلک پر بظاہر حدیث درجہ ضعیف ہی میں رہے گی، گو قابل عمل پھر بھی نہ ہو گی، کما تقدم التفصیل[١]۔“

[حضرات صوفیاء کرام کا احترام و مقام سر آنکھوں پر، البتہ روایت کے رد و قبول میں اہل فن کے قول پر اعتماد کیا جائے گا]

”**سوال:** صوفیاء کرام وصول و قرب الی اللہ میں اتنے باسیر وسفر ہیں کہ محدثین کرام ان کے اثر (پیچھے) ہیں، اس کے باوجود محدثین عظام فن حدیث میں صوفیاء کا عموماً کیوں اعتبار نہیں کرتے ہیں، حالانکہ یہ اعلیٰ منزلۃ یوم القیامہ ہوں گے۔

[روایاتِ صوفیاء کا اعتبار نہ کرنے کی وجوہات]

جواب: صوفیاء کی روایت کا علماء نے اس لئے اعتبار نہیں کیا کہ یہ حضرات

---

[١] الیواقیت الغالیۃ: ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟ ٢٩٦/٢، ٣٠٦۔

عبادات میں مشغول ہو کر علم کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہو سکتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کی روایات میں اوہام وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں، نیز ان کا حسنِ ظن اتنا بڑھ جاتا ہے کہ نقد و تبصرہ تو کرتے نہیں، اور ہر کہہ ومہ [خاص وعام] کی روایت بغیر تفتیش کے لے لیتے ہیں، اسی وجہ سے ان کی روایات میں ضِعاف ومناکیر وموضوعات بکثرت موجود ہیں۔

ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ”قُوت القلوب“ اور تصانیفِ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو عبد الرحمن سُلمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے، علامہ تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو وہ ساری روایات یکجا جمع کر دی ہیں جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احیاء العلوم“ میں ذکر فرمائی اور وہ کہیں ملتی ہی نہیں، اور سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، اگرچہ بہت سی ایسی بھی روایات ہیں جو لفظاً یا معنیً موجود ہیں۔

اور بات تو یہ ہے کہ «لكل فن رجال» [ہر فن کے لوگ ہوتے ہیں] صوفیاء کا قابلِ احترام ہونا سر آنکھوں پر، لیکن اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ جو فن ان کا نہیں ہے ان کی بات بھی اس میں تسلیم کی جائے۔

یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«لم نر الصالحين في شيء أكذب منهم في الحديث. وفي لفظ: لم نر أهل الخير في شيء أكذب منهم في الحديث». [ہم نے لوگوں میں صالحین سے بڑھ کر کسی کو حدیث میں زیادہ جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا، اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں: ہم نے اہل خیر سے بڑھ کر کسی کو حدیث میں زیادہ جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا]

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۱۴) اس کی شرح فرماتے ہیں: «يجري الكذب على لسانهم ولا يتعمدون الكذب». [جھوٹ ان کی زبانوں سے جاری ہو جاتا

ہے، جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے]

امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «وذلك لكونهم لايعانون صناعة أهل الحديث فيقع الخطأ في رواياتهم ولا يعرفونه، ويروون الكذب ولا يرون أنه كذب، انتهى». [اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ان صوفیاء نے صناعتِ محدثین کی مشقت نہیں اٹھائی ہوتی، لہٰذا ان کی روایتوں میں غلطی واقع ہوتی ہے اور انہیں اس کی پہچان نہیں ہوتی، اور وہ جھوٹ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ اسے جھوٹ نہیں سمجھ رہے ہوتے، انتہیٰ]

[جن صوفیاء نے اس فن کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی]

”لیکن جن صوفیاء نے اس فن کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی، مثلاً حضرت امام ابو اسماعیل الانصاری الہَرَوِی المتوفی ۴۸۱؁ھ صاحبِ ”منازل السائرین“ صوفیہ میں بھی ہیں اور محدث بھی ہیں، ان کی تالیف ”منازل السائرین“ تصوف کی مشہور تالیف ہے، جس کی حافظ ابن القیم نے نہایت مبسوط شرح ”مدارج السالکین“ کے نام سے لکھی ہے۔

اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ابراہیم بن محمد بن سفیان اور ان کے تلمیذ ابو احمد الجُلُوْدِی وغیرہ سارے ہی صوفیہ زاہدین میں سے ہیں اور لوگوں نے ان کی روایات لی ہیں۔

ابو عبد اللہ یُوْنِیْنِی محدث کبار صوفیہ میں سے ہیں، حضرت شیخ عبد اللہ البَطَائِحی سے خرقۂ تصوف حاصل کیا جو حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں میں ہیں، اور یُوْنِیْنِی مشہور حافظ حدیث بھی ہیں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں مستقل طور پر ان کا ذکر کیا ہے (ص:۲۲۳، ج:۴)۔

اسی طرح عبد الرحمن بن محمد الداؤدی المتوفی سنہ ۴۶۷ھ مشہور صوفی ہیں، حافظ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ ”الانساب“ میں فرماتے ہیں: «له قدم راسخة في التصوف». [انہیں تصوف میں راسخ قدمی حاصل ہے] اور یہ ”بخاری شریف“ کے رواۃ میں سے ہیں، علامہ ابن دَقِیْق العید اور ابن ہُمام وغیرہما کا صوفی ہونا تو اظہر من الشمس ہے۔

اور الحمد للہ ہمارے مشائخ سلسلۂ ولی اللٰہی تو اکثر ہی صوفی ہیں اور پھر ساتھ ہی حدیث کے امام، ﴿وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾ واللہ اعلم [۱]۔

[حضرات محدثین رکاکتِ لفظی ورکاکتِ معنوی سے جعلی احادیث کو پہچاننے کا ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں، نیز لفظی، معنوی رکاکت کیا ہے؟]

”**سؤال**: رکاکت کا کیا مطلب ہے؟ محدثین اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟

جواب: رکاکت کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں کلام نبوت کی بلاغت وجزالت نہ ہو۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ”شرح الفیہ“ (۱۱۳) میں رکاکت کی تفسیر فرماتے ہیں:

«أي: الضعف من قوة فصاحته ﷺ في اللفظ والمعنى معا، مثل مايروى في وفاة النبي، وكذا في أحدهما، ولكنه في اللفظ مقيد بما إذا صرح بأنه لفظ الشارع ولم يحصل التصرف في نقله، لاسيما إن كان لا وجه في الإعراب.

وقد روى الخطيب وغيره من طريق الربيع بن خيثم التابعي الجليل، قال: إن للحديث ضوء كضوء النهار يعرف، وظلمة كظلمة

---

[۱] الیواقیت الغالیہ: صوفیاء کا روایات حدیث میں اعتبار کیوں نہیں؟ ۱۰۹/۱ - ۱۲۹۔

الليل تنكر، ونحوه قول ابن الجوزي: الحديث المنكر يقشعر منه جلد طالب العلم وينفر منه قلبه في الغالب.

[قال السخاوي] وعنى بذلك الممارس لألفاظ الشارع، الخبير بها وبرَوْنَقِها وبَهْجَتِها، ولذا قال ابن دقيق العيد: وكثيرا مايحكمون بذلك أي: بالوضع باعتبار أمور ترجع إلى المروي وألفاظ الحديث، وحاصله يرجع إلى أنه حصلت لهم لكثرة محاولة ألفاظ النبي ﷺ هيئة نفسانية وملكة قوية يعرفون بها مايجوز أن يكون من الفاظ النبوة ومالا يجوز، انتهى [أي: كلام ابن دقيق العيد].

[قال السخاوي] والركاكة في المعنى كأن يكون مخالفا للعقل ضرورة أو استدلالا ولايقبل تأويلا بحال، نحو الأخبار عن الجمع بين الضدين وعن نفي الصانع وقدم الأجسام وما أشبه ذلك، لأنه لايجوز أنْ يَرِدَ الشَرْعُ بما ينافي مقتضى العقل، قال ابن الجوزي: وكل حديث رأيته يخالف العقول أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع، فلايتكلف اعتباره.

[قال السخاوي] أي: لاتعتبر رواته ولاتنظر في جرحهم.

[قال السخاوي] أو يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة أو مباينا لنص الكتاب أو السنة المتواترة أو الاجماع القطعي حيث لايقبل شيء من ذلك التأويل، أو يتضمن الأفراد [كذا في الأصل، والصحيح الإفراط] بالوعيد الشديد على الأمر اليسير، وبالوعد العظيم على الفعل اليسير، وهذا الأخير كثير موجود في حديث القصاص والطرفية [كذا في الأصل، والصحيح: والطرقية]، ومن

ركة المعنى: لاتأكلوا القرعة حتى تذبحوها، ولذا جعل بعضهم ذلك دليلا على كذب راويه، انتهى[۱]».

[(بعض اوقات وضع کو رکاکت سے پہچانا جاتا ہے) یعنی (ذکر کردہ روایت میں) آپ ﷺ کی قوتِ فصاحت لفظ و معنی دونوں میں کمزور ہو، جیساکہ وہ حدیث جو نبی ﷺ کی وفات کے بارے میں مروی ہے، اسی طرح یہ کمزوری لفظ و معنی میں سے کسی ایک کے لحاظ سے ہو، لیکن لفظ میں یہ قید ہے کہ یہ صراحت کی گئی ہو کہ یہ شارع کے الفاظ ہیں اور اس کے نقل کرنے میں کوئی تبدیلی پیش نہیں آئی ہے، خصوصاً جبکہ اس میں اعراب کی کوئی وجہ نہ ہو۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے جلیل القدر تابعی ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیاہے کہ حدیث کے لئے روشنی ہے دن کی جانی پہچانی روشنی کی طرح، اور تاریکی ہے غیر مانوس رات کی تاریکی کی مانند، اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد بھی اسی طرح ہے: منکر حدیث سے طالب علم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اکثر اس کا دل اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ طالب علم ہے جسے شارع کے الفاظ سے ممارست ہو، ان الفاظ اور ان کی رونق وشادابی سے خوب باخبر ہو، اور یہی وجہ ہے کہ ابنِ دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: محدثین اکثر ایسے امور کی بناء پر حدیث کے موضوع ہونے کا حکم فرماتے ہیں، جن کا مرجع روایت اور الفاظ حدیث ہوتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ان محدثین کو نبی ﷺ کے الفاظ سے کثرتِ ممارست کی وجہ سے ایک داخلی کیفیت اور قوی ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس سے یہ لوگ پہچان لیتے ہیں

---

[۱] الیواقیت الغالیہ: محدثین کے یہاں رکاکت کا مفہوم کیاہے؟ ۱/۱۶۴۔

کہ یہ حدیث الفاظِ نبوت ہوسکتے ہیں اور یہ حدیث الفاظِ نبوت نہیں ہوسکتے، ابنِ دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) رہی بات معنوی رکاکت کی، یوں کہیں کہ (وہ یہ ہے کہ) روایت بدیہی یا استدلالی طور پر عقل کے مخالف ہو، اور وہ کسی بھی صورت میں تاویل کو قبول کرنے والی نہ ہو، جیسے جمع بین الضدین، صانع کی نفی، جسموں کا قدیم ہونا اور ان جیسی روایات، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ شریعت مقتضی عقل کے خلاف کوئی چیز پیش کرے۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کسی حدیث کو دیکھیں کہ یہ عقل کے خلاف ہے، یا اصول شکن ہے تو جان لو کہ یہ من گھڑت ہے، سو اس کے ”اعتبار“ میں تکلف نہیں کیا جائے گا۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یعنی نہ تو راویوں کے ”اعتبار“ میں پڑو، اور نہ ان کی جرح تلاش کرو۔

(یہاں تک تو روایت کے عقل واصول کے خلاف ہونے کی بات ہوگئی، نیز یہ بھی معنوی رکاکت ہے) یا حس ومشاہدہ اس روایت کے لیے مانع ہو، یا پھر روایت کتاب اللہ یا سنت متواترہ یا اجماع امت کے اس طور پر خلاف ہو کہ کسی بھی قسم کی تاویل سے اسے قبول نہ کیا جاسکتا ہو، یا پھر روایت ہلکے گناہ کے نتیجہ میں سخت دھمکی یا چھوٹے عمل پر بہت بڑی فضیلت پر مشتمل ہو، اور یہ آخری صورت قصہ گو لوگوں کی احادیث میں بکثرت موجود ہے، اور معنوی رکاکت کی ایک مثال یہ روایت ہے: «لاتاكلوا القرعة حتی تذبحوها». [کدو نہ کھاؤ، یہاں تک کہ اسے تم ذبح کرلو] ایک محدث نے اس معنوی رکاکت کو اس روایت کے راوی کے جھوٹ بولنے پر دلیل بنایا ہے (حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا]۔

[محققین علماء حدیث کے نزدیک ضعیف حدیث کو صیغۂ تمریض ہی سے ذکر کرنا چاہئے، ان کے نزدیک اسے صیغۂ جزم سے لکھنا انتہائی قبیح تساہل ہے]

سؤال: علامہ نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح مہذب“ (ص: ۱۰۴،۱۰۳) میں ایک بات یہ تحریر فرمائی کہ ضعیف حدیث کو لفظ ”قال“ [یعنی آپ ﷺ نے فرمایا] اور ”رُوِی“ [یعنی راوی نے روایت کیا ہے] سے بیان کرنے کو علمائے محققین نے منع فرمایا ہے، اور اگر کوئی اس طرح بیان کرتا ہے تو کذب علیہ ﷺ [یعنی آپ ﷺ پر جھوٹ بولنے] کا مصداق ہوگا، اشکال یہ ہے کہ اس شدید وعید کے باوجود بڑے بڑے علماء روایاتِ ضعیفہ کو بھی ”قال“ [یعنی آپ ﷺ نے فرمایا] اور ”رُوِی“ [یعنی راوی نے روایت کیا ہے] سے بیان کرتے ہیں، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر حضرت اقدس رہنمائی فرمادیں تو نوازش ہوگی۔

[امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء نے اس قاعدہ کو تساہل کی وجہ سے ترک کردیا ہے]

”جواب: امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے یہ مقدمہ ”شرح مہذب“ (ص: ۶۳، ج:۱) میں بتفصیل موجود ہے، اور قاعدہ بھی یہی ہے جیسا کہ آگے دوسرے محدثین کے کلام سے معلوم ہوجائے گا، لیکن خود امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس قاعدہ کو بہت سے علماء نے ترک کردیا اور اس کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے کہ یہ تساہل کی وجہ سے ہوا ہے، فرماتے ہیں:

«هذا الأدب أخلّ به المصنف يعني أبا إسحاق الشيرازي صاحب المهذب وجماهير الفقهاء من أصحابنا وغيرهم بل جماهير

أصحاب العلوم مطلقا ماعدا حذاق المحدثين، وذلك تساهل قبيح، فإنهم يقولون كثيرا في الصحيح: رُوِى عنه، وفي الضعيف: قال ورَوى فلان، وهذا حَيْد عن الصواب، انتهى».

[مصنف یعنی صاحب مہذب ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے اصحاب وغیرہ میں جمہور فقہاء نے اس ادب کو چھوڑ دیا ہے، بلکہ جمہور اصحاب علم نے مطلقاً اسے چھوڑ رکھا ہے، سوائے ماہر محدثین کے، اور یہ برا تساہل ہے، کیونکہ یہ کثرت سے ”صحیح“ کے بارے میں ”رُوِی عنہ“ (یعنی صیغۂ تمریض استعمال کرتے ہیں) اور ضعیف کے بارے میں ”قال ورَوی فلاں“ (یعنی جزم کے صیغے استعمال کرتے ہیں) ایسا کرنا درستگی سے کنارہ کشی ہے، انتہیٰ]

[نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے محققین محدثین وغیرہ کا اس قاعدہ پر اتفاق نقل کیا ہے]

اور یہ قانون امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عملاً اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے قولاً سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات کے بارے میں یہ قانون تو مشہور ہے:

«قد ذكره ابن الصلاح و النَوَوِي والعراقي وغيرهم.

وعبارة النَوَوِي في التقريب: ما روياه أي: الشيخان بالإسناد المتصل من [كذا فيه، وفي نسختنا: فهو] المحكوم بصحته، وأما ماحذف من مبتدء إسناده واحد أو أكثر، فماكان منه بصيغة الجزم كقال وفَعَل وأَمَر ورَوى وذَكَر فلان فهو حكم بصحته عن المضاف إليه، وماليس فيه جزم كيُرْوى ويُذْكَر ويُحْكى ويُقَال ورُوِي

وذُكِر وحُكِي عن فلان كذا فليس فيه حكم بصحته عن المضاف إليه، وليس بِوَاهٍ لإدخاله في الكتاب الموسوم بالصحيح اهـ.

قال السخاوي بعد ماذكر هذه القاعدة في التعليقات:

حتى نقل النَوَوِي اتفاق محققي المحدثين وغيرهم على اعتبارها كذلك، وأنه لاينبغي الجزم بشيء ضعيف لأنها صيغة يقتضي صحته عن المضاف إليه، فلاينبغي أن تطلق إلا فيما صح، قال: وقد أهمل ذالك كثير من المصنفين ومن الفقهاء وغيرهم، واشتد إنكار البيهقي على من خالف ذالك، وهو تساهل قبيح جدا من فاعله، إذ يقول في الصحيح: يُذْكَرُ ويُرْوى، وفي الضعيف: قال ورَوى، وهذا قلب للمعاني وحَيْد عن الصواب، قال: وقد اعتنى البخاري باعتبار هاتين الصيغتين وإعطائهما حكمهما في صحيحه، فيقول في الترجمة الواحدة بعض كلامه بتمريض، وبعضه بجزم مراعيا لما ذكرنا، وهذا مشعر بتحريه وورعه، انتهى».

[جیسے ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ، نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

”تقریب“ میں موجود نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے: وہ حدیث جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سندِ متصل سے تخریج کیا ہے، اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا، البتہ جس سند کی ابتداء میں ایک یا ایک سے زائد راوی محذوف ہوں (تو اس کی دو قسمیں ہیں) اگر یہ روایت، قال، فعل، امر، رَوٰی، ذَکَرَ فلاں، جیسے جزم کے صیغوں کے ساتھ ہو تو منسوب الیہ سے اس کی صحت کا حکم لگایا جائے گا، اور اگر اس میں جزم کا صیغہ نہ ہو، جیسے یُرْوٰی، یُذکَرُ، یُحْکٰی، یُقَالَ، رُوِیَ، ذُکِرَ، حُکِیَ عن فلان کذا،

ایسی روایتوں میں منسوب الیہ سے اس کی صحت کا حکم نہیں لگایا جائے گا، لیکن روایت واہی بھی نہیں کہلائے گی، کیونکہ یہ "صحیح" نامی کتاب میں شامل کی گئی ہے اھ۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس قاعدہ کو ذکر کرنے کے بعد تعلیقاً فرماتے ہیں:

حتی کہ نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے محققین محدثین وغیرہ کا اس قاعدہ پر اتفاق نقل کیا ہے، اور نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف چیز پر جزم کے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ جزم کے صیغے منسوب الیہ سے صحت روایت کا تقاضہ کرتے ہیں، سو مناسب نہیں "صحیح" کے علاوہ پر اس کا اطلاق ہو، نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بہت سے مصنفین فقہاء وغیرہ نے اسے ترک کر رکھا ہے، حالانکہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے خلاف کرنے والوں پر شدید نکیر کی ہے، ایسا کرنے والے کا یہ عمل انتہائی قبیح تساہل ہے کہ وہ صحیح روایت میں یُذْکَرُ ویُرْوٰی (یعنی صیغۂ تمریض) استعمال کرتا ہے، اور ضعیف روایت میں قال، رَوٰی (صیغۂ جزم) استعمال کرتا ہے، ایسا کرنا الفاظ کے معانی کو بدلنا اور راستگی سے کنارہ کشی ہے، نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں قسم کے صیغوں پر خاص توجہ رکھی ہے اور اپنی صحیح میں انہیں اپنا حکم بخشا ہے، چنانچہ ہمارے ذکر کردہ اصول کے پیش نظر ایک ہی ترجمہ میں ان کا کچھ کلام صیغۂ تمریض کے ساتھ اور کچھ کلام صیغۂ جزم کے ساتھ ہوتا ہے، اس امر کی پابندی ان کے فکر اور تقوی کی خبر دیتا ہے، انتہی[1]]

ایک دوسری جگہ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ "تقریب" میں فرماتے ہیں:

«وإذا أردت رواية الضعيف بغير إسناد فلاتقل: قال رسول الله كذا وما أشبهه من صيغ الجزم، بل قل: رُوِيَ كذا أو بلغنا كذا أو وَرَدَ أو جاء أو نُقِلَ وما أشبهه، وكذا ما تشك في صحته اه.

[قال الشيخ الجونفوري] وهكذا ذكره ابن الصلاح والعراقي والسخاوي والسيوطي.

وقال الأخير في التدريب: أما الصحيح فاذْكُرْه بصيغة الجزم، ويقبح بصيغة التمريض، كما يقبح في الضعيف صيغة الجزم اهـ».

[اگر آپ بلاسند ضعیف حدیث نقل کرنا چاہتے ہیں تو قال رسول اللہ ﷺ یا اس جیسے جزم کے صیغے استعمال نہ کریں، بلکہ رُوِیَ کذا، بلغنا کذا، وَرَدَ، جاء، نُقِلَ یا ان جیسے صیغے استعمال کریں، اور ایسے ہی ان مواقع پر بھی کریں جہاں آپ کو صحتِ حدیث میں شک ہو اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ ”تقریب“ کے آخر میں لکھتے ہیں: صحیح کو صیغۂ جزم سے ذکر کرو، اس میں صیغۂ تمریض کا استعمال برا ہے، جیساکہ ضعیف کے لیے جزم کا صیغہ برا ہے]

[بہت سے علماء وفقہاء کا اس قاعدہ کے خلاف کرنے کی وجوہات]

”اب سوال یہ ہے کہ جب صحیح وضعیف کے نقل کرنے کے الفاظ الگ الگ ہیں تو پھر بہت سے علماء وفقہاء نے اس کے خلاف کیوں کیا ہے؟

امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تو اس کو تساہل پر محمول فرمایا ہے، مگر یہ بھی بتادیا کہ یہ تساہل مذموم ہے، اور ممکن یہ ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ چونکہ تصحیح وتضعیف کے قواعد ظنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک عالم اگر ایک حدیث کو صحیح کہتا ہے تو دوسرا اس کے خلاف اسے ضعیف قرار دیتا ہے، بلکہ بعض موضوع تک کہہ

دیتے ہیں۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ طرزِ جواب اگر روایات مختلف فی صحتہا میں اختیار کیا جائے تو چل سکتا ہے، مگر بعض اوقات بعض روایات صحیحین غیر منتقد علیہا تک کو بعض حضرات نے بصیغۂ تمریض ذکر کر دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان کی صحت میں اسنادی حیثیت سے کوئی کلام نہیں ہے تو وہاں یہ جواب نافذ نہ ہو گا۔

اور ممکن ہے کہ فقہاء کے اس طرز کا یہ جواب دیا جائے کہ چونکہ وہ حضرات عام طور سے روایات، کتب فقہ سے نقل کرتے ہیں، اس لئے اس میں تساہل برت جاتے ہیں، کیوں کہ سند تو سامنے ہوتی نہیں ہے، اس لئے اس کی صحت و سقم کا بعض وقت علم نہیں ہوتا ہے، اور اس سے زیادہ اچھا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کا مقصد صرف آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے انتساب کو بیان کرنا ہے، اور اس میں کسی خاص صیغہ کی پابندی نہیں کی ہے، لہٰذا کبھی تو بصیغۂ جزم اور کبھی بصیغۂ مجہول ذکر فرماتے ہیں، اس سے تصحیح و تمریض کی طرف اشارہ کرنا مقصود نہیں ہے۔

اب اتنا اشکال رہ جاتا ہے کہ جب صِیَغ مختلفہ، دلالات مختلفہ کے لئے اہل اصول نے خاص کر دیئے ہیں تو پھر اس کی مخالفت کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ان حضرات کی اپنی اصطلاح ہے اور انہوں نے محدثین کی اس اصطلاح پر عمل نہیں کیا، «ولا مشاحة في الاصطلاح، هذا ماعندي، والله أعلم بالصواب». [۱]

---

[۱] الیواقیت الغالیہ: ضعیف حدیث کو لفظ قال اور روی سے بیان کرنا، ۱/ ۲۴۴ - ۲۴۶۔

[محققین کی ایک جماعت کے نزدیک جس نے صرف ایک حدیث میں جھوٹ کہا ہو، اس کی سابقہ تمام احادیث مردود ہو جائیں گی]

”**سؤال**: عرض ہے کہ آنحضرت کو ایک تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے زحمت فرما کر ممنون فرما دیں گے۔

”فتح الملہم“ کے مقدمہ میں (ص: ۱۲۱) شہادت اور خبر کے فرق میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۲۲۲) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

«السابع: من كذب في حديث رد جميع حديثه السابق بخلاف من تبين شهادته للزور في مرة لا ينتقض ما شهد به قبل ذلك».

[(روایت اور شہادت کے مابین) ساتواں فرق: جس نے صرف ایک حدیث میں جھوٹ کہا ہو، اس کی سابقہ تمام احادیث مردود ہو جائیں گی، بخلاف ایسے شخص کے جس کا ایک دفعہ جھوٹی گواہی دینا ظاہر ہو جائے اس کی سابقہ گواہی منقوض نہیں ہو گی]

حضرت شیخ الحدیث مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تھا کہ کاذب کی روایت کے بارے میں یہ قول سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جمہور کا نہیں، بلکہ جمہور کے یہاں ماقبل کذب والی روایتیں قابل قبول ہوں گی، اور مابعد الکذب مردود ہے جو شاہد کے بارے میں ہے، اور کتاب کا حوالہ بھی فرمایا تھا، مجھ کو وہ حوالہ والی کتاب کا نام محفوظ نہیں رہا۔

اب آپ سے دو باتیں معلوم کرنی ہیں، ایک یہ کہ آپ کو یہ کتاب معلوم ہو تو اس کا نام یا اگر زحمت نہ ہو تو وہ عبارت نقل فرما دیں۔

دوسرے یہ کہ آپ کی تحقیق وہی ہے جو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے یا جیسے حضرت الاستاذ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی۔

امید ہے کہ کرم فرما کر تفصیل سے جواب عطا فرما کر اس الجھن کو دور فرما دیں گے، کیوں کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ساری تحقیق ایسی نہیں ہے کہ اس کو بلا تحقیق قبول کر لیا جائے، ”اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ وغیرہ شاہد ہے، جواب اور دعا کا طالب تکلیف دہی کی معافی کا خواستگار۔

جواب: عزیز مکرم۔

کئی دن ہوئے تمہارا کارڈ آیا تھا، لیکن کچھ تو مشغولی اور کچھ اپنی دیگر اعذار فوری جواب سے مانع رہے، امید ہے کہ اس کا خیال نہ کرو گے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرق روایت و شہادت میں بیان فرمایا ہے اس میں وہ منفرد نہیں ہیں، ان سے پہلے امام ابو المظفر السمعانی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی لکھ آئے ہیں:

«قال السمعاني: من كذب في خبر واحد وجب إسقاط ما تقدم من حديثه». [سمعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے صرف ایک حدیث میں جھوٹ کہا اس کی سابقہ تمام احادیث کو ساقط کرنا واجب ہے]

سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بغیر کسی نقد کے نقل کیا ہے جس سے یہی نکلتا ہے کہ یہ حضرات بھی انہیں کے ہم خیال ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے:

«قال أبو عبد الرحمن عبيد الله بن أحمد الحلبي: سألت أحمد بن حنبل عن محدث كذب في حديث واحد ثم تاب ورجع؟ قال: توبته فيما بينه وبين الله تعالى، ولا يكتب حديثه أبدا، كذا نقله الخطيب» (ص: ١١٧).

[ابو عبد الرحمن عبید اللہ بن احمد حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر کوئی محدث صرف ایک حدیث میں جھوٹ کہے پھر توبہ و رجوع کرے

(تو اس کا کیا حکم ہے)؟ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی توبہ تو اس کا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، البتہ اس کی احادیث کبھی نہیں لکھی جائیں گی۔ خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کیا ہے]

«ولا يكتب حديثه أبدا». [اس کی حدیثیں کبھی نہیں لکھی جائیں گی] کا اطلاق وعموم ماقبل ومابعد دونوں کو شامل ہے۔

«وقال عبد العزيز بن أبي رِزْمَة: قال عبد الله بن المبارك: من عقوبة الكذب أن يرد عليه صدقه، وقال رافع بن أشرس: كان يقال: إن من عقوبة الكذب أن لا يقبل صدقه، نقله الخطيب».

[عبد العزیز بن ابی رِزْمَہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جھوٹ کی ایک سزا یہ ہے کہ اس کا سچ بھی رد کر دیا جاتا ہے، اور رافع بن اشرس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے: جھوٹ کی ایک سزا یہ ہے کہ اس کا سچ بھی قبول نہیں کیا جاتا، ان اقوال کو خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے]

یہ اطلاق بھی ماقبل ومابعد دونوں کو شامل ہے، اگر تفصیل دیکھنی ہو تو ”فتح المغیث“ (ص:۳۱۳) دیکھ لو۔

حضرت مولانا فخر الدین نور اللہ مرقدہ نے کس کتاب کا حوالہ دیا تھا یہ مجھے معلوم نہیں ہے، احقر کی کیا رائے ہوتی لیکن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قولِ مختار کی طرف رجحان ہے، اس لئے کہ مسئلہ کی بنیاد احتمال پر ہے، جب ایک حدیث میں کذب کی وجہ سے مابعد کی روایات میں کذب کا احتمال آگیا تو یہی احتمال ماقبل کی روایات میں بھی پیدا ہو گیا[1]۔

---

[1] الیواقیت الغالیہ: شہادت اور روایت کا فرق، ۱/۳۱۱، ۳۱۲۔

["مسند الفردوس" کا محدثین کے یہاں کیا مقام ہے؟]

" تیسری بات تم نے یہ پوچھی ہے کہ "مسند الفردوس" کا محدثین کے یہاں کیا مقام ہے؟

اس کا جو مقام احقر کے خیال میں ہے وہ یہ ہے کہ اس کی سب روایتوں کو باطل وموضوع نہیں کہہ سکتے ہیں، ہمارے حضرت اقدس شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "فیما یجب حفظه للناظر" میں طبقۂ رابعہ میں شمار فرمایا ہے، جس کی تمام روایات پر ضعف کا حکم لگایا جائے گا، اور حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں بھی طبقۂ رابعہ میں لیا ہے اور فرماتے ہیں کہ:

«أصلح هذه الطبقة ماكان ضعيفا محتملا، وأسوأها ماكان موضوعا مقلوبا شديد النكارة. وهذه الطبقة مادة كتاب الموضوعات لابن الجوزي»[1].

[اس طبقہ میں سب سے بہتر روایات وہ ہیں جو قابل تحمل ضعیف ہوں، اور سب سے بری روایات وہ ہیں جو موضوع ہوں، مقلوب، شدید نکارت پر مشتمل ہوں، یہ طبقہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الموضوعات" کا مادہ ہے]

---

[1] الیواقیت الغالیہ: عمامہ پہن کر نماز پڑھانے کا ثواب، ۱/۷۲-۳۔

[متشکل یا انسانی بدن میں حلول کیا ہوا جن، صحابی یا تابعی ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز انسان اگر انھیں ان صورتوں میں دیکھ لے تو اسے کوئی فضیلت حاصل ہوگی؟]

"**سؤال:** بعض جنات جسم انسانی میں حلول کر کے آتے ہیں، بعض دفعہ وہ تابعی یا صحابی ہونے کا بھی دعویٰ یا اظہار کرتے ہیں، ایسی صورت میں دیکھنے والے کو کیا فضیلت حاصل ہو جاتی ہے؟

اور اگر وہ بغیر حلول کئے متشکل ہوں تب تو کہا جائے گا کہ انہیں متشکل دیکھا، ورنہ حلول کی صورت میں انہیں دیکھنا نہیں پایا گیا، اس صورت میں اس انسان ملاقی [ملاقات کرنے والے] کا کیا حکم ہو سکتا ہے؟ اور اس انسان کا کیا ہونا چاہیے جس کے جسم میں یہ حلول کئے ہوئے ہیں۔

"آکام المرجان" میں نے دیکھنی چاہی مگر وہ یہاں دستیاب نہیں، شاید اس میں اس قسم کی بحث ہو۔

جواب: جمہور محدثین کے نزدیک صحابی وہ مسلمان ہے جس نے بحالتِ ایمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک لحظہ (سکنڈ) بھی دیکھا ہو یا آپ کی صحبت پائی ہو، اور پھر ایمان پر اس کی وفات ہوئی ہو، اور صحبت کے معلوم ہونے کی حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے چار صورتیں لکھی ہیں:

اول: تواتر، **ثانی:** استفاضہ (شہرت)، **ثالث:** کسی صحابی کا یہ ارشاد کہ فلاں صحابی ہیں، **رابع:** خود مدعی صحبت کا قول بشرطیکہ اس مدعی کی عدالت پہلے سے ثابت ہو۔

بدرالدین الزرکشی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (ص:۱۱۷) کی رائے میں اگر تابعی کسی کا صحابی ہونا بیان کرے تو اس سے بھی صحبت ثابت ہو جائے گی، صورتِ رابعہ میں ابو الحسن بن القطان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحبت ثابت نہ ہو گی، لیکن حافظ ابو بکر الخطیب البغدادی رحمۃ اللہ علیہ (ص:٦٧)، سیف الدین الآمدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ، محقق ابن امیر الحاج الحلبی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۲٦۲ ج: ۲) وغیرہ حضرات ثبوت کے قائل ہیں جو ابن الصلاح وغیرہ کی رائے ہے، البتہ اس صورت میں دو امر ضروری ہیں، اول تو یہ کہ اس صورت میں کوئی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے:

«قال الخطيب: وقد يحكم بأنه صحابي إذا كان ثقة أمينا مقبول القول، إذا قال: صحبت النبي ﷺ وكثر لقائي له، فيحكم بأنه صحابي في الظاهر لموضع عدالته وقبول خبره، وإن لم يقطع بذلك [انتهى كلام الخطيب].

وقال الآمدي في الأحكام: فلو قال من عاصره: أنا صحابي مع إسلامه وعدالته، فالظاهر صدقه [انتهى كلام الآمدي].

وقال ابن الهُمَام في التحرير وتبعه تلميذه ابن أمير الحاج في شرحه(ص: ٢٦٢،ج: ٢): إذا قال المعاصر للنبي صلى الله عليه وسلم العدل: أنا صحابي، قبل على الظهور لأن الظاهر أن وَازِع عدالته تمنعه من الكذب، لا على القطع لاحتمال قصد الشرف بدعوى رتبة شريفة لنفسه».

[خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کبھی کبھی صحابی ہونے کا حکم یوں بھی لگایا جاتا ہے کہ

ایک شخص جو کہ ثقہ، امین، مقبول القول ہو، یہ کہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے، اور کثرت سے میری آپ سے ملاقات رہی ہے، بناء بر ظاہر اس کے صحابی ہونے کا حکم لگایا جائے گا، کیونکہ عدالت موجود ہے اور اس کی خبر مقبول ہے، اگرچہ یہ حکم قطعی نہیں ہو گا (خطیب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

اور آمدی رحمۃ اللہ علیہ "احکام" میں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے والا ایک شخص یہ کہے کہ میں صحابی ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمان وعادل بھی ہو تو بظاہر اس کا یہ قول سچ ہو گا (آمدی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

ابن ہُمام رحمۃ اللہ علیہ "التحریر" میں لکھتے ہیں، اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے "التحریر" کی شرح میں ان کی اتباع کی ہے: اگر ایک عادل شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پانے والا ہے، یہ کہے کہ میں صحابی ہوں تو بناء بر ظاہر اس کی بات قبول کی جائے گی، کیونکہ بظاہر اس کی عدالتی آڑ اسے جھوٹ سے روکے گی، لیکن یہ بات قطعی نہیں کہلائے گی، احتمال تو موجود ہے کہ اس نے شرف حاصل کرنے کے لیے اس مرتبۂ شرافت کا دعویٰ کیا ہو]

اور دوسرا امر ضروری یہ ہے کہ دعویٰ اسی وقت معتبر ہو گا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سو سال گذر جانے کے بعد نہ ہو۔

حافظ زین الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "التقیید والایضاح" میں (ص:۳۰۰) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "مقدمۃ الاصابۃ" (ص:۶، ج:۱)، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الالفیۃ" (ص:۹۷، ج:۳) میں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تدریب الراوی" (ص:۴۰۰) اور "الحاوی للفتاوِی" (ص:۹۸، ج:۲) میں، اور ابن امیر الحاج الحلبی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح التحریر" (ص:۲۶۲، ج:۲) میں اس کی تصریح کی

ہے، اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب ارشاد فرمایا تھا کہ اس وقت جو لوگ زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

«أرأيتَكم ليلتكم هذه، فإن على رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو اليوم عليها أحد. رواه البخاري ومسلم». [تم یہ رات دیکھ رہے ہو (اسے یاد رکھو)، کیونکہ آج روئے زمین پر رہنے والوں میں کوئی بھی سو سال کے ختم تک باقی نہیں رہے گا۔ اس روایت کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سمعت النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يموت بشهر: أقسم بالله ما على الأرض من نفس منفوسة اليوم، يأتي عليها مائة سنة وهي حية يومئذ. رواه مسلم» (ص: ۳۱۰).

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے ایک ماہ قبل میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج جو بھی ذی نفس روئے زمین پر موجود ہے، اس پر سو سال نہیں گزریں گے درحالیکہ وہ زندہ ہو۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«ولهذه النكتة لم تصدق الأئمة أحدا ادعى الصحبة بعد الغاية المذكورة، وقد ادعاها جماعة فكذِّبوا، وكان آخرهم رَتَن الهندي، لأن الظاهر كذبهم في دعواهم، انتهى».

[اسی نکتہ کی وجہ سے ائمہ، مذکورہ مدت کے بعد کسی کے دعوی صحبت کی تصدیق نہیں کرتے، اور ایک جماعت نے (مذکورہ مدت کے بعد) صحبت کا دعویٰ کیا تو انہیں جھٹلایا گیا ہے، ان میں سب سے آخری رَتَن ہندی ہے، کیونکہ بظاہر یہ لوگ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں، انتہیٰ]

اسی طرح سَرُباتک الهندی، مُعَمَّر بن بریک، قیس بن تمیم المعروف بالاشج، نَسطُور الرومی، مکُلَبہ بن ملکان، ابو الحباب وغیرہ نے صحبت کے دعوے کئے اور ائمہ فن نے ان کی تکذیب کی۔

حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے رَتَن الہندی کی اخبار میں ایک رسالہ "کَسر وَثَن رَتَن" نامی تحریر فرمایا اور اس کی طرف منسوب روایات پر نقد وتبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

«وقد اتفق أهل الحديث على أن آخر من رأى النبي ﷺ موتا أبو الطفيل عامر بن واثلة رضي الله عنه، وثبت في صحيح أن النبي ﷺ قال قبل موته بشهر أو نحوه: أرأيتَكم ليلتكم هذه، فإنه على رأس مائة سنة منها لا يبقى على وجه الأرض ممن هو اليوم عليها أحد. فانقطع المقال، فماذا بعد الحق إلا الضلال».

[محدثین کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا ہے، اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتقال سے ایک ماہ یا اس کے قریب عرصہ پہلے ارشاد فرمایا تھا: تم یہ رات دیکھ رہے ہو (اسے یاد رکھو)، کیونکہ آج روئے زمین پر رہنے والوں میں کوئی بھی سو سال کے ختم تک باقی نہیں رہے گا۔ سو بات ہی ختم ہوگئی، حق کے بعد اب

صرف گمراہی ہے]

اب اگر کوئی جن مدتِ مذکور کے گذر جانے کے بعد صحبتِ نبوی کا دعوی کرے تو وہ بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا، انسانوں کی طرح جنات بھی اس قاعدہ میں داخل ہیں، اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۲۱۵، ج: ۲) وغیرہ شراح حدیث نے مَنْ کے عموم سے حضرت عیسی وخضر علیہما السلام اور ابلیس لعین کا استثناء ذکر کیا ہے، اور جنات کا عمومی استثناء ذکر نہیں کیا ہے، اور سرق وخرقاء کے قصوں سے اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا ہے، کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ان کی نماز جنازہ پڑھنا وارد ہے، اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی ہے۔

لیکن ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اپنے رسالہ "النوادر" میں جو واقعات نقل کئے ہیں وہ بہت بعد کے ہیں، اگر ان واقعات کی سند صحیح ہے اور ان جنات نے سچ کہا ہے تو یہ کہا جائے گا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وجابر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں انسان کے متعلق ہیں اور جنات اس سے خارج ہیں، لیکن یہ کوئی قطعی امر نہیں ہے:

«وأخرج الطَبَرَانِي في المعجم الكبير من طريق عثمان بن صالح قال: حدثني عمرو الجِنِّي قال: كنت عند النبي ﷺ فقرأ سورة النجم فسجد وسجدت معه.

[قال الشيخ الجونفوري] وأخرج ابن عدي من وجه آخر عن عثمان بن صالح قال: رأيت عمرو بن طلق الجِنِّي فقلت له: هل رأيت رسول الله ﷺ؟ فقال: نعم وبايعته وأسلمت وصليت خلفه الصبح، فقرأ سورة الحج فسجد فيها سجدتين».

[طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "معجم کبیر" میں عثمان بن صالح کے طریق سے نقل کیا ہے، عثمان فرماتے ہیں کہ عمرو جِنّی نے مجھے بتایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے سورۂ نجم پڑھ کر سجدہ کیا تو میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے طریق سے عثمان بن صالح سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو بن طلق جِنّی کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، اس نے کہا، ہاں! اور میں آپ ﷺ سے بیعت ہوا ہوں، اور اسلام لایا ہوں، اور آپ ﷺ کی اقتداء میں فجر کی نماز پڑھی ہے، جس میں آپ ﷺ نے سورۂ حج پڑھی اور اس میں دو سجدے کیے]

علامہ نور الدین الہیثمی (ص: ۲۸۵، ج: ۲) پہلی حدیث نقل کرنے کے بعد تردد کا اظہار کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

«في إسناده من لايعرف، وعثمان بن صالح لا أراه أدرك أحدا من الصحابة». [اس کی سند میں غیر معروف راوی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ عثمان بن صالح نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو پایا ہو]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں حدیثیں نقل کی ہیں اور فرماتے ہیں (ص: ۲۸۹، ج: ۴):

«عثمان المذكور مات سنة تسع عشرة ومائتين، فإن كان الجِنِّي الذي حدثه بذلك صدق، فيحمل الحديث رأس مائة سنة [كذا فِي الأصل] الذي في الصحيح على الإنس بخلاف الجن، انتهى».

[مذکورہ عثمان کا انتقال ۲۱۹ھ میں ہوا، پھر اگر وہ "جن" جس نے عثمان کو یہ حدیث بیان کی ہے، سچا ہے تو "صحیح" میں موجود سو سال کے ختم والی روایت انسانوں پر

محمول ہوگی، بخلاف جنات کے، انتہیٰ]

اب اس کے بعد اصل سوال کا جواب عرض ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے ایسے ہی جنات کی طرف بھی، جن انسانوں کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی، جیسے وہ آپ کے صحابی ہیں ایسے ہی جن جنات نے آپ کی صحبت پائی وہ بھی آپ کے صحابی ہوں گے۔

اسی لئے حافظ ابو موسی المدینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے جنات صحابہ کا اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے، اور ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا ان پر اعتراض کرنا اور ان کی صحبت کا انکار بے دلیل ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو رد کیا ہے۔

اب جس طرح انسان صحابی کی ملاقات سے مابعد کے لوگ تابعی ہو جاتے ہیں بظاہر جنات صحابی کا بھی یہی حکم ہے، اور اگر کوئی جن انسان کے بدن میں حلول کرلے تو آیا اس کو دیکھنے والا تابعی کہلا سکتا ہے؟ محل تامل ہے، گو ثبوتِ تابعیت کے لئے جس طرح تابعی کا صحابی کو دیکھنا کافی ہے اسی طرح صحابی کا تابعی کو دیکھنا کافی ہے، «كماصرح به السخاوي» (ص:۱۱۴، ج۱)

وجہ تامل یہ ہے کہ صورتِ اول تو بہر حال مفقود ہے اور صورت ثانی بھی نہیں ہے، اس لئے کہ جن نے اس انسان کو اپنی حالت میں نہیں دیکھا ہے، مگر فی الجملہ دیکھنا پایا گیا اس لئے مطلق نفی بھی مشکل ہے، اور جس کے جسم میں حلول کیا ہے بظاہر اس کا حال اقویٰ ہے، اس سلسلے میں کوئی تصریح معلوم نہیں ہو سکی، جو کچھ لکھا گیا ہے اپنا خیال ہے، «جعل الصواب له رفيقا» [كذا في الأصل].

اخیر میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وفاتِ نبوی کے ایک صدی گزر جانے کے بعد جن جنات نے صحبت کے دعوے کئے ہیں ان کی ملاقات سے بصورتِ صدق برکت حاصل ہوگی، مگر تابعیت کی وہ خصوصیت وشرف جس کے متعلق فرمان نبوی «خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم». وارد ہے احقر کے خیال میں حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے متعلق ارشاد فرمائی گئی ہے اور قرن کا اطلاق ایک محدود زمانہ پر ہوتا ہے، جس کی تعیین میں دس سے لے کر ایک سو بیس تک نوّے کو نکال کر گیارہ اقوال ہیں، اور بہت سے اہل لغت کہتے ہیں کہ قرن ایک زمانہ کے ان متقارب لوگوں پر اطلاق کیا جاتا ہے جو کسی مقصود امر میں شریک ہوں، بہر حال ہر دو تفسیر کے لحاظ سے قرنِ صحابہ وتابعین ختم ہوچکا ہے۔۔۔"[1]۔

[قرنِ صحابہ گذر جانے کے بعد کسی جن صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیرِ صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے ساتھ خاص ہے]

"**سُؤال**: کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی جنات صحابی سے ملاقات ہوتی ہے، اور ان سے وہ لوگ بیعت واکتساب فیض کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان سے بشکل انسانی کوئی آدمی ملاقات

---

[1] الیواقیت الغالیہ: کیا کوئی جن صحابی یا تابعی جسم انسانی میں حلول کر سکتا ہے؟ اگر اس کو کسی انسان نے دیکھا اس کی فضیلت کیا ہے؟ ۱/۳۸۰ - ۳۸۴۔

کرے تو وہ تابعین میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور ان سے دینی فیض بذریعہ بیعت وغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور خیر القرون میں باہم جنات وانسان میں اس طرح بیعت اور رشد وہدایت اور فیض رسانی کا سلسلہ قائم ہوا ہے یا نہیں؟ اور اب ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«صلى النبي ﷺ صلوة في آخر حياته، فلما سلم قام النبي ﷺ فقال: أرأيتَكم ليلتكم هذه! فإن رأس مائة سنة لايبقي ممن هو اليوم على ظهر الأرض أحد. رواه البخاري (ص: ٨٤) ومسلم» (٢/٣١٠).

[نبی ﷺ نے ایک دفعہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں نماز پڑھائی، سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم یہ رات دیکھ رہے ہو (اسے یاد رکھو)، کیونکہ آج روئے زمین پر رہنے والوں میں کوئی بھی سو سال کے ختم تک باقی نہیں رہے گا۔ اس روایت کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لما رجع النبي ﷺ من تبوك سألوه عن الساعة، فقال رسول الله ﷺ: لاتأتي مائة سنة وعلى الأرض نَفْس منفوسة اليوم. رواه مسلم».

[جب آپ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج جو بھی ذی نفس روئے زمین پر موجود ہے، اس پر سو سال نہیں گزریں گے درحالیکہ وہ زندہ ہو۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«سمعت النبي ﷺ يقول قبل أن يموت بشهر: ما على الأرض من نَفْس منفوسة لا تأتي عليها مائة سنة. رواه مسلم (۲/۳۱۰)».

[آپ ﷺ کے انتقال سے ایک ماہ قبل میں نے نبی ﷺ کا ارشاد سنا: جو بھی ذی نفس روئے زمین پر موجود ہے، اس پر سو سال نہیں گزریں گے درحالیکہ وہ زندہ ہو۔ اسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

ان احادیث کی وجہ سے حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ جو شخص وفاتِ نبوی کے سو سال بعد صحابیت کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور ابلیس لعین کو اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْن﴾ فرماکر مہلت دیدی، اس لئے ان کا استثناء ذکر کیا ہے، اسی طرح حضرات صوفیہ اور بعض محدثین جیسے ابو القاسم السہیلی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ، امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خضر علیہ السلام کو مستثنیٰ مانتے ہیں، کیونکہ ان حضرات کی رائے پر وہ زندہ ہیں، امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ارشاد نبوی کے وقت سمندر میں ہوں۔

جنات بھی اس قسم کی احادیث کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟

کسی روایت سے اس کی نفی یا اثبات معلوم نہیں ہوتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی داخل ہیں، لہٰذا محدثین کے اصول کے مطابق کسی ”جن“ کا مدتِ مذکورہ کے بعد صحابیت کا دعویٰ غیر معتبر ہے، اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ”جن“ حدیث کے عموم میں داخل نہیں ہیں، اس لئے کہ حدیث میں بظاہر انسانوں کو مراد لیا گیا

تو ”جن“ کا قول مانا جا سکتا ہے۔

لیکن جنات بکثرت دروغ گوئی کرتے ہیں اور ہمارے پاس ان کے صدق و کذب کا کوئی قطعی قرینہ نہیں ہے، اس لئے اس میں توقف کرنا چاہیئے، ہاں قرائن سے تصدیق و تکذیب کا رجحان حاصل ہو سکتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین تھے، اس لئے جیسے آدمیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے صحابیت کا رتبۂ عالیہ حاصل ہوا اسی طرح جنات کو بھی یہ مرتبہ ملا، اسی لئے محدثین نے ان بعض ”جن“ صحابہ کے اسماء اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں، جن کا کسی طرح پتہ چل گیا، اب جس طرح انسانی صحابی کی روایت و صحبت سے تابعیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح جن صحابی کی روایت و صحبت سے بھی یہ شرف حاصل ہو گا۔

لیکن قرنِ صحابہ گذر جانے کے بعد کسی ”جن“ صحابی کے دیکھنے سے بر تقدیرِ صحت میری ناقص رائے میں تابعیت کا شرف حاصل نہ ہو گا، اس لئے کہ یہ فضیلت قرن کے ساتھ خاص ہے، جو ایک مخصوص زمانہ، چالیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستر یا اسی یا سو یا ایک سو دس یا ایک سو بیس سال پر علی اختلاف الاقوال بولا جاتا ہے، اور بعض کی رائے پر قرن ایک زمانہ کے ان متقارب لوگوں پر بولا جاتا ہے، جو کسی امر مقصود میں شریک ہوں۔

ان دونوں تفسیروں پر حدیث: «خیر القرون قرني، ثم الذین یلونهم، ثم الذین یلونهم» [بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ جو اس کے قریب ہوں، پھر ان لوگوں کا جو ان کے زمانہ کے قریب ہوں] کی فضیلت مابعد کے زمانوں میں بظاہر حاصل نہ ہو گی، ہاں ملاقات موجبِ برکت ہو گی۔

جنات سے بیعت وغیرہ کی ہمارے علم میں کوئی اصل نہیں ہے، اور نہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی پتہ چلتا ہے، ویسے کسی "جن" سے اعتماد ویقین وتجربہ کے بعد اکتسابِ علوم وفوائد میں بظاہر کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی ہے [1]۔

[میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ "مُنَبِّہات" نہ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور نہ ہی علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے]

"«وأما المُنَبِّهَات فلمن هي؟ فأقول: إنها ليست من مصنفات الحافظ الشهير ابن حجر العسقلاني ولا من تاليفات الشيخ ابن حجر الهيثمي [كذا في الاصل، والصحيح، الهيتمي] المكي لأمور:

الأول: أن مساق رواياتها يأبى عن أن يكون هذا الكتاب من تاليف أحدهما.

والثاني: أن من دأبهما، خصوصا من دأب الحافظ أن يعزو الحديث إلى من خرجه من أصحاب الصحاح الستة وغيرها، بل الحافظ التزم في فتح الباري إن وجد في كلام أحد من المشايخ الذين ينقل كلامهم حديثا ولم يعز ذلك القائل ذلك الحديث إلى أحد من المخرجين فيعزه إليه، وقد صنف كتبا في التخريج كتخريج الرافعي وتخريج الكشاف وتخريج الأذكار وتخريج المشكوة وغير ذلك، فبعيد عنه أن يصنف تصنيفا مستقلا ولا ينسب حديثا منه إلى مخرجه.

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: اگر جن صحابی سے بشکل انسانی کوئی ملاقات کرلے تو کیا تابعی شمار ہوگا؟ ۲/۱۵۴-۱۵۶۔

والثالث: أن هذا الحديث الذي ذكره في المُنَبِّهَات مطولا بلفظة ثلث، قد أنكر الحافظ وجودها في كتب الحديث كما مر، فكيف يثبته في الكتاب.

ثم الزيادة على «جعلت قرة عيني في الصلوة» لايوجد في شيء من الكتب المسندة، وهل الحافظ يجترئ على ذلك؟ وكذلك ابن حجر المكي ذكر في الفتاوى الحديثية إنكارهم وجود لفظة ثلث في الحديث وأقرهم، فهل يظن أنه يذكره مع هذه الزيادة؟

والرابع: أن الحافظ نسبه هكذا: أحمد بن علي بن محمد بن محمد بن علي بن محمود بن أحمد بن أحمد الكِنَانِي العسقلاني المصري، كذا حكاه في أول الفتح عن «التبر المسبوك في ذيل الملوك للسخاوي» [كذا في الأصل]، وفي آخر «الفتح»: فرغ منه جامعه أحمد بن علي بن محمد بن محمد بن علي بن أحمد بن حجر الكِنَانِي النسب العسقلاني الأصل المصري المولد والمنشاء نزيل القاهرة.

وأما الشيخ ابن حجر الهيثمي [كذا في الأصل، والصحيح: الهيتمي] المكي فهو أحمد بن محمد بن علي بن حجر كما في جَلاء العينين (ص:١٨) للسيد نعمان الآلوسي، وفي مقدمة الكبرى(ص:١/٣): هو أحمد بن محمد بدر الدين بن محمد شمس الدين بن علي نور الدين بن حجر.

وأما مؤلف المُنَبِّهَات فهو على ما في كشف الظنون (ص:٣٤): زين القضاة أحمد بن محمد الحجري، فالظاهر أنه سقط لفظة محمد، فبقي أحمد بن الحجري، فظن بعض الظانين أن الياء وقع سهوا فجعله

أحمد بن الحجر، ثم اختصره فسماه ابن حجر ونسب إليه الكتاب، والله أعلم.

وأيضا الحافظ لقب بقاضي القضاة لا زين القضاة، وأما ابن حجر المكي فلم أر أحدا ذكره فيمن تقلد القضاة.

والخامس: أن فيه من الروايات ما فيه وَصْمَة الوضع كالحديث الأول الذي ذكره في باب الثماني بقوله: قال النبي ﷺ: ثمانية أشياء لاتشبع من ثمانية: العين من النظر، والأرض من المطر، والأنثى من الذكر، والعالم من العلم، والسائل من المسئلة، والحريص من الجمع، والبحر من الماء، والنار من الحطب.

فقد ذكر ابن طاهر المَقْدِسِي في تذكرة الموضوعات(١١): أربع لايشبعن من أربع: أرض من مطر، وأنثى من ذكر، وعين من نظر، وعالم من علم. وقال: فيه حسين بن عُلْوَان وعبد السلام بن عبد القدوس، وهما ضعيفان.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: حسين بن عُلْوَان كذاب يضع الحديث، وعبد السلام يروي الموضوعات كما في الميزان.

وقد ذكره الفتني أيضا في تذكرة الموضوعات.

نعم لفضل العلم شواهد: منها حديث أنس عند الحاكم (١/٩٢) والبيهقي في شعب الإيمان مرفوعا: مَنْهُوْمَان لايشبعان: مَنْهُوْم في العلم لايشبع منه، ومَنْهُوْم في الدنيا لايشبع منها. قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين وأقره الذهبي.

وذكر صاحب المُنَبِّهَات حديثا في باب السباعي بلفظ: قال النبي ﷺ: الدنيا دار من لادار له، ومال من لامال له، ولها يجمع من لاعقل له، ويشتغل بشهوتها من لافهم له، وعليها يعاقب من لاعلم له، ولها يحسد من لا لب له، ولها يسعى من لا يقين له. وذكره الغزالي في الإحياء (٣/١٧٤) بلفظ: وقال ﷺ: الدنيا دار من لادار له، ومال من لامال له، ولها يجمع من لاعقل له، وعليها يعادي من لا علم له، وعليها يحسد من لا فقه له، ولها يسعى من لا فقيه له [وفي نسختنا: من لا يقين له].

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: أخرج أحمد(٦/٧١) من طريق ذُوَيْد [وفي نسختنا دُوَيْد] عن أبي إسحق، عن زرعة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: الدنيا دار من لادار له، ولها يجمع من لا عقل له، انتهى. ولم يذكر بقيته.

قال العراقي: وزاد بن أبي الدنيا والبيهقي في الشعب من طريقه: ومال من لامال له، انتهى .

فهذا المخرج مثل الحافظ العراقي لم يجد الزائد على الخصال الثلث، فهل كان لتلميذه الحافظ ابن حجر أن يزيد على ما لايوجد في كتب الحديث؟ وكذلك ذكر الزَبِيدِي القدر الذي ذكره العراقي، ولو وجد الحافظ كله لنسبه كما لا يخفى على من اطلع على دأب الحافظ.

وذكر في المُنَبِّهَات أيضا في باب الرباعي قال النبي ﷺ: إذا كان

يوم القيامة يوضع الميزان، فيؤتى بأهل الصلوة فيوفون أجورهم بالميزان، ثم يؤتى بأهل الصوم فيوفون أجورهم بالميزان، ثم يؤتى بأهل الحج فيوفون أجورهم بالميزان، ثم يؤتى بأهل البلاء لاينصب لهم ميزان، ولاينشرلهم ديوان، فيوفون أجورهم بغير حساب حتى يتمنى أهل العافية أن لو كانوا بمنزلتهم من كثرة ثواب الله تعالى.

[قال الشيخ الجونفوري] ولم نجد مثله في كتب الحديث.

نعم أخرج بن مردويه كما في اللآلي (٥٥٤) ما يقرب منه من طريق بكر بن خُنَيْس، عن ضِرَار بن عمرو، عن يزيد الرَقَاشِي، عن انس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله إذا أحب عبدا وأراد أن يصافيه صب عليه البلاء صبا وثج عليه ثجا إلى أن قال: وتنصب الموازين يوم القيمة فيؤتى بأهل الصلوة فيفون أجورهم بالموازين، ويؤتى بأهل الصيام فيفون أجورهم بالموازين، ويؤتى بأهل البلاء فلاينصب لهم ميزان ولاينشرلهم ديوان، ويصب عليهم الأجر صبا بغير حساب حتى يتمنى أهل العافية أنهم كانوا في الدنيا تقرض أجسادهم بالمقاريض بما يذهب به أهل البلاء من الفضل، وذلك قوله: (إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب).

[قال الشيخ الجونفوري] ومن بكر إلى يزيد كلهم ضعفاء متروكون، فبعيد أن يصنف كتابا ولايذكر أصل اللفظ ولاينبه على مرتبة الحديث، وقد استقصى السيوطي ألفاظه لكن ليس لفظ يوافق لفظ المُنَبِّهَات.

ومثل هذا كثير في هذا الكتاب، فالذي أجزم به أنها ليست من مؤلفات الحافظ ابن حجر رحمه الله تعالى، والله أعلم وعلمه أتم وأحكم ».[۱]

[(اب سوال یہ ہے کہ) ''مُنَبِّہَات'' کن کی تصنیف ہے؟

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ یہ نہ تو مشہور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور نہ ہی ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے، چند وجوہات کی بناء پر:

پہلی وجہ: اس کتاب کی روایات کا طرز اس کی نفی کرتا ہے کہ یہ کتاب ان دونوں میں سے کسی ایک کی تالیف ہو۔

دوسری وجہ: ان دونوں کا، خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیث کو صاحبِ تخریج، اصحابِ ستہ وغیرہ کی جانب منسوب کرتے ہیں، بلکہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الباری'' میں اس کا التزام کر رکھا ہے کہ اگر مشائخ میں سے کسی کے کلام میں دورانِ نقل کوئی حدیث ہو، لیکن اس قائل نے یہ حدیث اصحابِ تخریج میں سے کسی کی جانب منسوب نہ کی ہو تو آپ اسے اسی قائل کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بذاتِ خود تخریج کی کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جیسے ''تخریج رافعی''، ''تخریج کشاف''، ''تخریج اذکار''، ''تخریج مشکوۃ'' وغیرہ، لہٰذا یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایک مستقل تصنیف فرمائیں اور اس کی احادیث کو صاحبِ تخریج کی جانب منسوب نہ کریں۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ یہ حدیث جسے صاحبِ کتاب نے ''مُنَبِّہَات'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، لفظِ ثلث کے ساتھ منقول ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کے کتبِ حدیث میں ہونے کا انکار کیا ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: واما الخامس؟ ۱/ ۴۴۰- ۴۴۴۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں اسے ثابت قرار دیں۔

پھر (یہ بات بھی قابل غور ہے کہ) «جعلت قرة عينى فى الصلوة »، پر یہ اضافی عبارت کسی بھی مسند کتاب میں نہیں ہے، سو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس جرأت کا اظہار کریں؟ (یعنی غیر مسند روایت لائیں)، اسی طرح ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی "فتاوی حدیثیہ" میں محدثین کا لفظِ ثلث کا کتب حدیث میں ہونے پر انکار نقل کر کے اس پر اعتماد و تقریر فرما چکے ہیں، تو کیا اب یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے اس اضافہ کے ساتھ یہاں ذکر کریں گے؟

چوتھی وجہ: یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود اپنا نسب یوں بیان کیا ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن احمد کِنَانی عسقلانی مصری، اسی طرح "فتح الباری" کے شروع میں ہے، یہ منقول ہے "التبر المسبوک فی ذیل الملوک للسخاوی" سے (کذا فی الاصل)، اور "فتح الباری" کے آخر میں ہے: اس کتاب کا جامع - احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد بن حجر الکنانی النسب، العسقلانی الاصل، المصری المولد والمنشاء، نزیل القاہرۃ - اس سے فارغ ہوا۔

اور شیخ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب احمد بن محمد بن علی بن حجر ہے، جیسا کہ سید نعمان آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی "جلاء العینین" میں ہے، اور "فتاوی الکبری" کے مقدمہ میں ہے: احمد بن محمد بدر الدین بن محمد شمس الدین بن علی نور الدین بن حجر۔

رہی بات "مُنَبِّہات" کے مصنف کی تو وہ "کشف الظنون" کے مطابق: زین القضاۃ احمد بن محمد حجری ہیں، بظاہر لفظِ محمد ساقط ہو گیا ہو گا، سو احمد بن الحجری باقی رہ گیا، پھر کسی کو یہ گمان ہوا ہو گا کہ یاء سہواً واقع ہوئی ہے تو اس کو احمد بن الحجر بنا دیا، پھر کسی نے اسے مختصر کر کے یہ نام ابن حجر بنا دیا، اور اسی کی جانب کتاب منسوب کر دی، واللہ اعلم!

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا ہے نہ کہ زین القضاۃ کا،

اور رہی بات ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کو قضاء قبول کرنے والے لوگوں میں ذکر کیا ہو۔

اور پانچویں وجہ: یہ ہے کہ اس کتاب میں ایسی روایات ہیں جن میں جعلی ہونے کا عیب موجود ہے، جیسا کہ بابِ ثمانی کی پہلی حدیث میں ہے: نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: آٹھ چیزیں آٹھ چیزوں سے سیر نہیں ہوتیں: آنکھ دیکھنے سے، زمین بارش سے، مادہ نر سے، عالم علم سے، سائل سوال سے، حریص جمع کرنے سے، سمندر پانی سے، اور آگ لکڑیوں سے۔

اسے ابن طاہر مقدِسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرۃ الموضوعات“ میں (ان لفظوں سے) ذکر کیا ہے: چار چیزیں چار چیزوں سے سیر نہیں ہوتی: زمین بارش سے، مادہ نر سے، آنکھ دیکھنے سے، اور عالم علم سے۔ اور ابن طاہر مقدِسی رحمۃ اللہ علیہ نے (ذکر روایت کے بعد) فرمایا: اس کی سند میں حسین بن عُلوان اور عبد السلام بن عبد القدوس ہیں، اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حسین بن عُلوان کذاب، حدیث گھڑنے والا ہے، نیز عبد السلام من گھڑت روایات نقل کرتا ہے، جیسا کہ ”میزان“ میں ہے۔

پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ”تذکرۃ الموضوعات“ میں ذکر کیا ہے۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ (روایت میں مذکور) فضیلتِ علم کے شواہد موجود ہیں: جن میں ایک حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے، جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے - شعب الایمان میں - مرفوعاً ذکر کیا ہے: دو حریص سیر نہیں ہوتے: ایک علم کا حریص کہ وہ علم سے سیر نہیں ہوتا، دوسرا دنیا کا حریص کہ وہ دنیا سے سیر نہیں ہوتا۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے قول کو برقرار رکھا ہے۔

(اس طرح) صاحب ”مُنَبِّہات“ نے بابِ سباعی میں ایک حدیث ان لفظوں

سے ذکر کی ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، اور دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہیں، اور اس کی شہوتوں میں وہ لگتا ہے جس میں فہم نہیں، اور اس پر وہ شخص مواخذہ کرتا ہے جس کے پاس علم نہ ہو، اور اس دنیا پر وہ حسد کرتا ہے جس کی کوئی سوچ نہ ہو، اور اس کے لیے وہ دوڑتا ہے جسے اس پر یقین نہ ہو۔

اور اسے غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء" میں ان لفظوں سے ذکر کیا ہے: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو، اور اس پر وہ جھگڑتا ہے جس کے پاس علم نہ ہو، اور اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کے پاس سمجھ نہ ہو، اور اس کے لیے وہ دوڑتا ہے جس کو یقین نہ ہو۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذُوید عن ابی اسحاق عن زرعہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے نقل کیا ہے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو، انتہی۔ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے باقی الفاظ ذکر نہیں کیے۔

عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ - شعب میں - نے اسی سند سے یہ اضافہ بھی کیا ہے: اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، انتہیٰ۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مُخَرِّج (حدیث میں موجود اوصاف میں سے) صرف تین خصلتوں کو پا سکا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے شاگرد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو ان پر زائد (اوصافِ مذکورہ) مل جائیں جو کتب حدیث میں بھی نہیں ہیں؟ اور اسی طرح زَبیدِی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف اتنے الفاظ ذکر کیے ہیں جو عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیے ہیں،

اور اگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو پوری حدیث ملی ہوتی تو ضرور مُخرِّج کی جانب اسے منسوب کرتے، جیساکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے طرز کو جاننے والے پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اور ''مُنَبِّہات'' میں باب الرباعی میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزِ قیامت میزان رکھی جائی گی، نمازیوں کو لایا جائے گا، اور انہیں میزان سے تول کر اجر دیا جائے گا، پھر روزہ داروں کو لاجائے گا، انہیں میزان سے تول کر اجر دیا جائے گا، پھر حاجیوں کو لایا جائے گا، انہیں بھی میزان سے تول کر اجر ملے گا، پھر مصیبت زدہ لوگوں کو لایا جائے گا، ان کے لئے کوئی میزان نہیں رکھی جائی گی، اور نہ ہی ان کے صحیفے کھولے جائیں گے، اور انہیں بلاحساب اجر دیا جائے گا، حتیٰ کہ عافیت والے اللہ کی جانب سے کثرتِ ثواب کو دیکھ کر آرزو کریں گے کہ کاش کہ وہ بھی ان کی طرح ہوتے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ہمیں اس طرح کی حدیث کتبِ حدیث میں نہیں ملی۔

ہاں! ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے - جیساکہ لآلی میں ہے - اس کے قریب یہ روایت بسند بکر بن خُنَیس عن ضِرار بن عمرو عن یزید رَقاشی عن انس رضی اللہ عنہ نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب اللہ کو کوئی بندہ محبوب ہو اور یہ ارادہ ہو کہ اسے اپنا خالص بندہ بنالیں تو اس پر خوب مصائب بھیجتے ہیں، اور اس پر خوب آزمائش بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ فرمایا: اور روزِ قیامت میزان قائم کی جائے گی، پھر نمازیوں کو بلایا جائے گا اور میزان سے انہیں بدلہ دیا جائے گا، اور روزہ داروں کو لایا جائے گا اور انہیں بھی میزان سے بدلہ دیا جائے گا، اور پھر مصائب والوں کو لایا جائے گا، لیکن ان کے لئے میزان نہیں رکھی جائے گی اور نہ ہی ان کے صحیفوں کو کھولا جائے گا، بلکہ ان پر بے حساب اجر بہایا جائے گا حتیٰ کہ عافیت والے مصائب والوں کی فضیلت دیکھ کر کہیں گے کہ کاش کہ دنیا میں

ان کے جسم قینچیوں سے کاٹ دیے جاتے، اور یہ مضمون باری تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: صبر کرنے والوں کو بلاحساب ان کا اجر دیا جائے گا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سند میں) بکر سے لے کر یزید تک تمام راوی ضعیف، متروک ہیں، اور یہ بعید بات ہے کہ یہ (یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کوئی ایسی تصنیف کریں جس میں حدیث کے اصل الفاظ ذکر نہ کریں اور نہ ہی اس حدیث کا مرتبہ بتائیں، اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے الفاظ کو خوب تلاش کیا ہے، لیکن ان کے الفاظ بھی "مُنَبِّہات" کے موافق نہیں ہیں۔

اس کتاب میں ایسی چیزیں بہت ہیں، یہی وجہ ہے کہ مجھے اس کا پکا یقین ہے کہ "مُنَبِّہات" حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات میں سے نہیں ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم]

* * *

مراتب جرح

”یہاں جرح کے درجات ذکر کئے جاتے ہیں:

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (۳۷/۱ق:۱)اور ان کی اتباع میں حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۱۵۹)اور امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۳۴۵)نے چار مراتب ذکر کئے ہیں، اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مقدمۃ میزان الاعتدال“ (۱/۴)اور حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفیہ“ اور اس کی شرح ”التبصرۃ والتذکرۃ“ (۱/۱۱) اور مقدمہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ”التقیید والایضاح“ میں پانچ مراتب، اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفیہ عراقی“ کی شرح ”فتح المغیث“ (۱/۳۴۳)اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباقی“ (۲/۱۰) میں چھ مراتب ذکر کئے ہیں، سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (ص:۳۴۷)حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض دیگر تالیفات سے چھ ہی مراتب نقل کئے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک درجہ کا اضافہ کیا جو مذکورہ بالا حضرات نے ذکر نہیں کیا ہے، اس کو لے لیا جائے تو سات مراتب ہو جاتے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

پھر ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ، ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب عروجی رکھی ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف چلے ہیں، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التقیید“ میں تو اسی پر عمل کیا ہے، لیکن ”الفیہ“ اور اس کی شرح میں ترتیب نزولی رکھی ہے اور اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف چلے ہیں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ میں اسی پر عمل کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترتیبِ عروجی کے مطابق ان مراتب کو مختصر طور پر یہاں ذکر کر دیا جائے تاکہ بصیرت میں اضافہ ہو۔

مرتبۂ اولیٰ: تعدیل کے قریب تر جرح کے سب سے نرم الفاظ، جیسے:

«لَيِّن الحديث، قال ابن أبي حاتم (ص:۳۷): إذا أجابوا في الرجل بلين فهو ممن يكتب حديثه وينظر فيه اعتبارا [انتهى كلام ابن أبي حاتم].

وقال حمزة السهمي لأبي الحسن الدَارَقُطْنِي: إذا قلت: فلان لَيِّن، أيش تريد به؟ قال: لايكون ساقطا متروك الحديث، ولكن يكون مجروحا بشيء لايسقط عن العدالة».

["لَيِّن الحدیث" ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب محدثین کسی شخص کے بارے میں لین الحدیث کہتے ہیں تو یہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی احادیث لکھی جائیں گی اور ان کی احادیث کو اعتبار کے لئے دیکھا جائے گا، (ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

حمزہ سہمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو الحسن دَارقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: جب آپ کہتے ہیں کہ فلاں "لَیِّن" ہے تو آپ کی کیا مراد ہوتی ہے؟ آپ نے کہا کہ یہ شخص ساقط، متروک الحدیث نہیں ہوتا، البتہ ایسی چیز سے مجروح ہوتا ہے جس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی]

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرتبہ میں "التبصرۃ والتذکرۃ" (۲/۱۲) میں متعدد الفاظ ذکر کئے ہیں جیسے:

«فلان ضعيف، فی حديثه ضعف، فيه مقال، ليس بعمدة، ليس بحجة، ليس بالمتين، وغيره». حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تالیفات میں اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح الالفیہ" (۳۴۶) میں اسی میں «غيره أوثق منه» کو لیا ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے «يضعف فيه ضعف، لايحتج

بہ» کو بھی اس میں ذکر کیا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان“ میں اور عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفیہ“ اور ”شرح الفیہ“ میں «لیس بالقوی» بھی اسی درجہ میں شمار کیا ہے، لیکن دوسرے حضرات نے دوسرے مرتبہ میں شمار کیا ہے۔

مرتبۂ ثانیہ: پہلے سے شدید ہے، جیسے:

«ليس بالقوي، قال ابن أبي حاتم وتبعه ابن الصلاح (١٦٠) والنووي: إذا قالوا: ليس بالقوي فهو بمنزلة الأولى في كتبة حديثه إلا أنه دونه.

قال السيوطي في التدريب (٣٤٦): فهي أشد في الضعف. وقال: يكتب حديثه، أي: للاعتبار [انتهى كلام السيوطي].

[قال الشيخ الجونفوري] قال الدَارَقُطْنِي في سعيد بن يحي بن أبي سفيان الحِمْيَرِي الذي أخرج له البخاري حديثا واحدا في التفسير، وكذا روى له الترمذي حديثا واحدا: كان متوسط الحال وليس بالقوي».

[لیس بالقوی، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ اور نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ محدثین جب ”لیس بالقوی“ کہتے ہیں تو یہ احادیث لکھے جانے میں مرتبہ اولیٰ کی طرح ہوتا ہے، البتہ مرتبہ میں مرتبۂ اولیٰ سے کم ہوتا ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”تدریب“ میں فرماتے ہیں: یہ درجہ ضعف میں بڑھ کر ہے، نیز وہ فرماتے ہیں: ان کی احادیث لکھی جائیں گی، یعنی اعتبار کے لئے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

دَارَقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ سعید بن یحی بن ابوسفیان حمیری -جن کی ایک حدیث بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”تفسیر“ میں تخریج کی ہے اور اسی طرح ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی

ایک حدیث تخریج کی ہے - کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ شخص متوسط الحال ہے، قوی نہیں ہے]

مرتبۂ ثالثہ: ثانیہ سے اشد ہے، جیسے:

«مضطرب الحديث، واه، ضعفوه».

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے اسی مرتبہ میں «ضعيف الحديث» کو ذکر کیا ہے:

«قال ابن أبي حاتم: إذا قالوا: ضعيف الحديث فهو دون الثاني، لا يطرح حديثه بل يعتبر به».

[ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب محدثین کہتے ہیں: ضعیف الحدیث، اس کا مرتبہ دوسرے درجہ سے کم ہے، ایسے راوی کی حدیث رد نہیں کی جاتی ہے، بلکہ اس میں ”اعتبار“ کیا جاتا ہے]

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مرتبہ میں «فلان منكر الحديث، أو لا يحتج به» کو بھی ذکر کیا ہے۔

”الفیہ“ کے شارحین علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ اور شارح ”تقریب“ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۳۴۶) نے ان کی موافقت کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ «منكر الحديث» ضعیف سے اشد ہے، یہی بندہ کا بھی خیال ہے۔

مرتبۂ رابعہ: ثالثہ سے اشد ہے، جیسے:

«ضعيف جدا، واه بمرة، رد حديثه، ردوا حديثه، مُطَّرَح، مُطَّرَح الحديث».

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح الفیہ“ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی میں ”ليس بشيء“ کو ذکر کیا ہے، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (١/٣٤٥) کہتے ہیں: ”وهو المعتمد“.

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی درجہ میں «لا يكتب حديثه، ولا يحل كتبة حديثه، ولا تحل الرواية عنه» کو ذکر کیا ہے۔

مرتبۂ خامسہ: درجات سابقہ سے اشد ہے، جیسے:

«متهم بالكذب، ذاهب الحديث، هالك، ليس بثقة، وغيره».

عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے اسی درجہ میں ”**متروك الحديث**“ بھی شمار کیا ہے۔

«وأخرج ابن أبي حاتم(١/١٣١) والرَامَهُرْمُزِي في المحدث الفاصل (٤١٠) والحاكم في علوم الحديث(٧٧) والخطيب في الكفاية(١٩٣) عن عبدالرحمن بن مهدي قال:

قيل لشعبة: متى يترك حديث الرجل؟ قال: إذا حدث عن المعروفين ما لا يعرفه المعروفون فأكثر، وإذا أكثر الغلط، وإذا اتُّهِمَ بالكذب، وإذا روى حديثا غلطا مجتمعا عليه فلم يَتَّهِمْ نَفْسَه فيَتْرُكْه، طُرِحَ حديثُه،

وماكان غير ذلك فارْوِ عنه.

وقال يعقوب بن سفيان في تاريخه(۲/۱۹۱): ومن طريقه أخرجه الخطيب في الكفاية (۱٤٦) وابن الصلاح في علوم الحديث(۱٦۰): سمعت أحمد بن صالح وذكر مسلمة بن علي قال: لايترك حديث رجل حتى يجتمع الجميع على ترك حديثه، قد يقال: فلان ضعيف، قال: فأما أن نقول فلان متروك فلا، إلا أن يجتمع الجميع على ترك حديثه.

وقال الرَامَهُرْمُزِي: (٤۰٦) حدثنا الساجي، ثنا أبو موسى قال سمعت عبد الرحمن بن مهدي يقول: المحدثون ثلثة، رجل حافظ متقن فهذا لايختلف فيه، وآخر يوهم، والغالب على حديثه الصحة فهذا لايترك حديثه، والآخر موهم [كذا في الأصل، وفي نسختنا: يوهم] والغالب على حديثه الوهم، فهذا متروك الحديث.

وقال ابن حبان: من غلب خطأه على صوابه استحق الترك (تهذيب٦/۳۹۸)».

[۔۔۔ عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کسی شخص کی حدیث کب ترک کی جائے گی؟ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جب وہ معروف لوگوں سے ایسی روایات نقل کرے جو معروف محدثین نہ جانتے ہوں، پھر وہ ایسا بہت زیادہ کرے، اور جب کوئی متہم بالکذب ہو، اور جب کوئی متفق علیہ غلط حدیث نقل کرے پھر اپنے آپ کو متہم سمجھ کر حدیث ترک بھی نہ کرے تو ایسے لوگوں کی حدیث ترک کر دی جائے گی، اور ان کے علاوہ سے حدیث نقل کر لیا کرو۔

۔۔۔ مسلمہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی شخص کی روایت ترک نہیں کی جائے

گی، یہاں تک کہ تمام اس کی حدیث کے ترک پر متفق ہو جائیں، (ایسے شخص کو جسے سب نے ترک نہ کیا ہو) کہا جاتا ہے کہ فلاں ضعیف راوی ہے، اور مسلمہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا: فلاں متروک ہے، ہم صرف اسی وقت کہتے ہیں کہ جب تمام محدثین اس کے ترک پر اتفاق کرلیں۔

۔۔۔عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین کی تین قسمیں ہیں: ایک حافظ، متقن شخص کہ اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، دوسرا وہ شخص جسے وہم ہوتا ہو، لیکن اس کی احادیث میں اکثر احادیث صحیح ہوں تو ایسے راوی کی احادیث ترک نہیں کی جائیں گی، تیسرا وہ راوی جسے وہم ہوتا ہو، لیکن اس کی احادیث میں وہم کا غلبہ ہو تو یہ شخص متروک الحدیث ہے۔

اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی خطاء اس کی درستگی پر غالب ہو تو یہ شخص ترک کیے جانے کا مستحق ہے]

مرتبۂ سادسہ: خامسہ سے اشد ہے، جیسے:

«کذاب، وضاع، دجال، یضع الحدیث، یکذب، وضع حدیثا».

مرتبۂ سابعہ: سب سے اشد ہے، جیسے:

«أكذب الناس، إليه المنتهى في الوضع، ركن من أركان الكذب.

قال الحافظ ابن حجر في نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ١٥٩): للجرح مراتب: أسوأها الوصف بما دل على المبالغة فيه، وأصرح ذلك التعبير بأفعل كأكذب الناس، وكذا قولهم إليه المنتهى

في الوضع أو هو ركن الكذب ونحو ذلك، انتهى».

[۔۔۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ النظر" میں فرماتے ہیں: جرح کے کئی مراتب ہیں: سب سے شدید جرح ایسے وصف کے ساتھ جرح کرنا ہے جو جرح میں مبالغہ پر دلالت کرے، اور ان تعبیرات میں سب سے زیادہ صریح جملہ "لوگوں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا" ہے، اسی طرح محدثین کے یہ اقوال کہ "حدیث گھڑنے میں اس پر حد ہی ختم ہو جاتی ہے"، یا "یہ شخص تو جھوٹ کا رکن ہے"، اور اس جیسے دیگر الفاظ]

یہ آخری درجہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اضافہ کیا ہے اور ان کے تلامذہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا اتباع کیا ہے، پھر ان حضرات نے پہلے اور دوسرے مرتبہ کے الفاظ کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے، اس لئے ان کے یہاں چھ مراتب ہوتے ہیں، اسی لئے سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، زین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ہی مراتب لکھے ہیں، اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے الگ الگ شمار کیا ہے، یہاں انہیں کا اتباع کیا گیا ہے اس لئے سات مراتب ہو گئے۔

مراتبِ ثلثہ اولیٰ (جو عراقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک ہیں) کی روایات متابعات وشواہد میں معتبر ہوں گی:

«كما صرح به ابن أبي حاتم وابن الصلاح والنَوَوِي والعراقي والسخاوي والزين زكريا والسوطي وغيرهم.

فائدة: قال ابن حجر في شرح النخبة (٦٦): اعلم أن تتبع الطرق من الجوامع والمسانيد والأجزاء لذلك الحديث الذي يظن أنه فرد ليعلم هل له متابع أم لا هو الاعتبار، وقول ابن الصلاح: معرفة

الاعتبار والمتابعات والشواهد قد يوهم أن الاعتبار قسيم لهما وليس كذلك، بل هو هيئة التوصل إليهما، انتهى».

[۔۔۔ **فائدہ:** ''شرح النخبہ'' میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لو کہ جوامع، مسانید اور اجزاء میں اس حدیث کی سندیں تلاش کرنا جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ یہ ''فرد'' ہے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کا متابع ہے یا نہیں؟ یہ فعل ''اعتبار'' ہے، اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ ''معرفۃ الاعتبار والمتابعات والشواہد'' یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اعتبار قسیم ہے متابعات وشواہد کا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اعتبار تو متابعات وشواہد تک پہنچنے کی صورت کو کہا جاتا ہے]

باقی مراتبِ اربعہ اخیرہ کی روایات کا کسی درجہ میں اعتبار نہیں ہے، نہ استدلال ہی کیا جاسکتا ہے اور نہ تائید وتقویت ہی حاصل کی جاسکتی ہے، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ مرتبۂ رابعہ وخامسہ وسادسہ کے متعلق لکھتے ہیں (۱۱/۲):

«كل من قيل فيه ذلك من هذه المراتب الثلاث لا يحتج بحديثه، ولا يستشهد به ولا يعتبر به اهـ». [ان تینوں مراتب میں سے جب کسی راوی کے متعلق کہا جائے تو اس کی احادیث سے استدلال درست نہیں ہے، نیز اس سے استشہاد اور اس کا ''اعتبار'' بھی نہیں کیا جائے گا]

یہی حکم مرتبہ سابعہ کا بھی ہوگا اس لئے کہ وہ سب سے اشد ہے، لہذا چاروں مرتبوں کا ایک ہی حکم ہوگا، «وقد صرح به العلامة السخاوي (١/٣٤٦) وشيخ الإسلام زكريا الأنصاري» (٣/١٢)

اقسام ناقدین

اسی طرح ناقدین رجال کی بھی مختلف اقسام ہیں: **بعض متشدد** اور **بعض نرم** اور **بعض معتدل** ہیں۔

[علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ یحیٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ متشددین میں شمار کئے جاتے ہیں، اور جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ اہل کوفہ کے بارے میں متشدد ہیں]

یحیی بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے تعنت و تشدد کی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقدمہ ٔفتح الباری'' میں تصریح کی ہے۔

اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے تشدد کو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

ابراہیم جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کا تشدد اہل کوفہ کے بارے میں مشہور ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں کئی جگہ اس پر تنبیہ کی ہے، ایک جگہ تو صاف لکھ دیا ہے: «أما الجُوزجاني فلا عبرة بحطه على الكوفيين، انتهى». [جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کا کوفیوں پر جرح میں کوئی اعتبار نہیں]

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہ متساہل شمار کئے جاتے ہیں، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ معتدل:

«قال السخاوي (۳/۳۲۵): قد قسم الذهبي من تكلم في الرجال أقساما:

فقسم تكلموا في سائر الرواة كابن مَعِيْن وأبي حاتم،

وقسم تكلموا في كثير من الرواة كمالك وشعبة،

وقسم تكلموا في الرجل بعد الرجل كابن عيينة والشافعي .

قال: والكل على ثلاثة أقسام أيضا:

قسم منهم متعنت في التجريح متثبت في التعديل، يَغْمِز الراوي بالغلطتين والثلاث، فهذا إذا وثق شخصا فعض على قوله بنواجذك وتمسك بتوثيقه، وإذا ضعف رجلا فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه؟ فإن وافقه ولم يوثق ذلك الرجل أحد من الحذاق فهو ضعيف، وإن وثقه أحد فهذا هو الذي قالوا لايقبل فيه الجرح إلا مفسرا، يعني لا يكفي فيه قول ابن معين مثلا هو ضعيف ولم يبين سبب ضعفه، ثم يجيء البخاري وغيره يوثقه، ومثل هذا يختلف في تصحيح حديثه وتضعيفه.

وقسم منهم متسامح كالترمذي والحاكم،

وقسم معتدل كأحمد والدَارَقُطْنِي وابن عدي، انتهى». [1]

[سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے رجال پر کلام کرنے والوں کو کئی اقسام پر تقسیم کیا ہے:

ایک قسم یہ ہے کہ جو تمام راویوں پر کلام کرتے ہیں، جیسے ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ ۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: مراتبِ جرح، ۲/ ۲۹۲، ۲۸۸۔

ایک قسم جو بہت سے راویوں پر کلام کرتے ہیں، جیسے مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ۔

ایک قسم جو خاص خاص راویوں پر کلام کرتے ہیں، جیسے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام مزید تین اقسام پر ہیں:

ایک قسم ان ائمہ کی ہے جو جرح کرنے میں جلدی کر جاتے ہیں، البتہ تعدیل میں پورا اطمینان کرتے ہیں حتیٰ کہ راوی کی ایک دو غلطیوں پر انھیں مجروح قرار دیتے ہیں، ایسا امام جب کسی شخص کو ثقہ قرار دے تو اس کے قول کو مضبوط تھام لو، اور اس کی اس توثیق کو کام میں لاؤ، اور اگر یہی امام کسی راوی کو ضعیف قرار دے تو دیکھو کہ ان کی اس تضعیف میں کسی اور نے موافقت کی ہے؟

پھر اگر کسی نے موافقت بھی کی ہے، نیز کسی دوسرے ماہر محدث نے بھی اس کی توثیق نہیں کی تو یہ متکلم فیہ راوی ضعیف کہلائے گا، اور اگر کسی دوسرے نے توثیق کی ہے تو یہ ہے راویوں کی وہ قسم جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں صرف جرح مفسر قبول کی جائے گی، یعنی ان کے بارے میں، مثلاً ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ یہ ضعیف ہے، اور سبب بیان نہ کریں - یہ کافی نہیں - پھر بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آکر ان کی توثیق کر دیں، اور اس قسم کے راویوں کی تصحیح وتضعیف میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

ایک قسم ائمہ کی وہ ہے جو تسامح سے کام لیتے ہیں، جیسے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہ۔

اور ایک قسم معتدل ائمہ کی ہے، جیسے احمد رحمۃ اللہ علیہ، دارَقُطنی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ، انتہیٰ]

* * * * *

فصل ثانی

روایت نمبر ①

روایت: ”جو جماعت یا طالب علم جس قبرستان کے قریب سے گزرتے ہیں اس قبرستان کے مردوں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہو جاتا ہے“۔

یہ روایت بے اصل ہے۔

”**سؤال:** بعض تبلیغی بھائیوں کی زبانی سنائی دیتا ہے کہ تبلیغی گشت اور سفر یا فضائل علم کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ جماعت یا طالب علم جس قبرستان کے قریب سے گزرتے ہیں اس قبرستان کے مردوں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہو جاتا ہے، کیا یہ حدیث میں ثابت ہے؟ اگر ہے تو بحوالۂ کتاب براہ کرم رقم فرما کر تشفی خاطر کریں۔

جواب: «قال التفتازاني في شرح العقائد النَسَفِيَّة (ص:١٢٣): قال عليه الصلاة والسلام: إن العالم والمتعلم إذا مرّا على قرية، فإن الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوما، انتهى.

قال علي القاري في الموضوعات الكبير (ص:٢٤): قال الحافظ جلال الدين السيوطي: لا أصل له».[1]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا قبرستان کے قبروں کا چالیس روز تک قبر کا عذاب معاف ہو جاتا ہے؟ ۱/۴۳، ۴۴۔

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے) تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح العقائد النَسَفِیَّۃ“ میں کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عالم اور طالب علم جب کسی بستی پر گذرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس بستی کے قبرستان سے عذاب اٹھالیتے ہیں۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ آگے لکھتے ہیں) علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعاتِ کبیر“ میں لکھا ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت ”بے اصل“ ہے]

* * * * *

علامہ محمد بن خلیل قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”اللؤلؤ المرصوع“ (ص:۵۳، رقم:۹۳) میں اس روایت کو ”بے اصل“ کہا ہے۔

روایت نمبر ②

روایت: ”ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ یا اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے“۔

اس کے الفاظ تو ثابت نہیں ہیں، لیکن معنیٰ ثابت ہے

”**سوال**: ایک حدیث جو لوگوں کے منہ سے سنائی دیتی ہے کہ «تفكر ساعة خير من عبادة ستين سنة أو ثمانين سنة أو كما قال عليه السلام». [ایک گھڑی کا غور وفکر ساٹھ یا اسّی سال کی عبادت سے افضل ہے] یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہاں فکر سے کونسی فکر مراد ہے اور کس قسم کی فکر مطلوب ہے؟

جواب: «حديث: تفكر ساعة خير من عبادة ستين سنة.

هذا الحديث أخرجه أبو الشيخ في كتاب العَظَمَة له من طريق عثمان بن عبد الله القرشي، عن إسحاق بن نَجِيْح المَلَطِي، عن عطاء الخراساني، عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا: فكرة ساعة خير من عبادة ستين سنة. وأورده ابن الجوزي في الموضوعات، وتعقبه السيوطي في اللآلي (ص: ٣٢٧) بأن العراقي اقتصر في تخريج الإحياء على تضعيفه.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: هذا عجيب من السيوطي، فإن العراقي لما ذكر قول الغزالي في الإحياء (ص:٤/٣٦١): حديث تفكر ساعة خير من عبادة سنة، قال: أخرجه ابن حِبَّان [أي: أبوالشيخ] في كتاب العَظَمَة من حديث أبي هريرة رضي الله عنه بلفظ: ستّين سنة، بإسناد

ضعيف، ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات. ورواه أبو منصور الديلمي في مسند الفردوس من حديث أنس رضي الله عنه بلفظ: ثمانين سنة، وإسناده ضعيف جدا. ورواه أبو الشيخ من قول ابن عباس رضي الله عنه بلفظ: خير من قيام ليلة. انتهى.

فهذا قد عقبه العراقي لكلام ابن الجوزي، والعراقي يتجنب الحكم بالوضع كما علمتُ باستقراء كلامه، فلذا حكم بالضعف، ثم عقبه بإيراد ابن الجوزي له فى الموضوعات ولم يتعقبه بالرد .

وذكر السيوطي فى اللآلي بعض شواهده، منها ما أخرجه الديلمي من طريق سعيد بن مَيْسَرَة البَكْرِي البصري عن أنس رضي الله عنه قال: تفكر ساعة في اختلاف الليل والنهار خير من عبادة ألف سنة.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: و سعيد بن مَيْسَرَة قال البخاري: عنده مناكير، وقال أيضا: منكر الحديث، وقال ابن حِبَّان: يروي الموضوعات. كذا ذكر الذهبي فى الميزان، وأورد في ترجمته أحاديث، وقال: روى له ابن عدي هذه الأحاديث، وقال: هو مظلم الأمر. قال الحافظ ابن حجر في اللسان: قال أبو حاتم: ليس يعجبني حديثه، وهو منكر الحديث، ضعيفه [كذا في الأصل، وفي نسختنا: ضعيف الحديث]، يروي عن أنس المناكير، وقال أبو أحمد الحاكم: منكر الحديث، وذكره ابن الجارود و الساجي في الضعفاء [انتهي كلام ابن حجر].

وأخرج أبو الشيخ في العَظَمَة من طريق عمرو بن قيس المُلائي قال: بلغني أن تفكر ساعة خير من عمل دهر من الدهر».

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ) - **حدیث:** ایک گھڑی کا غور و فکر ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے - ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "العَظَمہ" میں یہ اپنی سند سے انہی الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کی ہے، اور اسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعات" میں شامل کیا ہے، البتہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "لآلی" میں تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج "احیاء" میں اسے صرف "ضعیف" کہا ہے، یعنی من گھڑت نہیں کہا۔

(آگے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے) سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عجیب تعاقب ہے، کیونکہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء" میں موجود غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ حدیث - ایک ساعت کا غور و فکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے - کے تحت لکھا ہے: ابو الشیخ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث کتاب "العَظَمہ" میں بسندِ ضعیف، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے، اور روایت میں بجائے ایک سال کے "ساٹھ برس" لکھا ہے، اور اسی سند سے یہ روایت ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعات" میں لکھی ہے، یعنی اسے موضوع کہا ہے، نیز دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے "مسند فردوس" میں یہ روایت مرفوعاً، انس رضی اللہ عنہ سے "شدید ضعیف" سند کے ساتھ تخریج کی ہے، اور روایت میں بجائے ایک سال کے "اسی برس" کے الفاظ ہیں، اور ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ موقوف قول بھی تخریج کیا ہے: ایک گھڑی کا غور و فکر، رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہ تھا عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ پر تعاقب، میری معلومات کے مطابق، عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں نظر آتا ہے کہ وہ روایت پر "من گھڑت" ہونے کا حکم لگانے سے پرہیز کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی انھوں نے ضعف کا حکم لگا کر، ساتھ ساتھ اس بات کا ذکر کر دیا ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "موضوعات" میں ذکر کیا ہے، اور خود عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی رد نہیں کیا۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لآلی“ میں روایت کے بعض شواہد بھی لکھے ہیں، ایک شاہد انس رضی اللہ عنہ کا موقوف قول ہے، جسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مَیْسَرہ کی سند سے تخریج کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: شب و روز کے بدلنے میں ایک گھڑی کا غور و فکر ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے۔

(اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سند میں موجود راوی سعید بن مَیْسَرہ کے بارے میں ائمہ حدیث کے جرح کے اقوال نقل کیے ہیں، جن میں بعض شدید جرحیں بھی ہیں، متن میں ملاحظہ فرمالیں)

(آگے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) دوسرا شاہد عمرو بن قیس مُلائی رحمۃ اللہ علیہ کی ”بلاغات“ میں موجود یہ قول ہے کہ ایک گھڑی کا غور و فکر زمانہ دراز کے عمل سے بہتر ہے]

ان ساری عبارات سے حدیث کا مقام خود متعین ہوجاتا ہے، بظاہر مرفوعاً ثابت ہونا مشکل ہے، اس لیے کہ کوئی طریق علّتِ قادحہ سے خالی نہیں ہے، اور اگر ثابت ہوجائے تو پھر اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جس قدر تدبر و تفکر ہوگا اسی قدر اپنی ذلت اور بے مائیگی اور حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پیش نظر ہوگی، جس کا ثمرہ خشیت باری تعالیٰ مرتب ہوگا، نیز تفکر اگر آلاء اللہ [اللہ کی نعمتوں] میں ہو تو شکر و شوق پیدا ہوگا اور پھر بڑھتے بڑھتے یہی راسخ ہو کر نسبتِ یاد داشت بن جائے گا، جو عین مقصود سالکین ہے۔

بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ تو ثابت نہیں ہیں، لیکن تقریر بالا کے پیش نظر معنی ثابت ہیں، اور اس کا شاہد آیت شریفہ

﴿إن فی ذلك لآيت لأولی الألباب الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلی جنوبهم ويتفكرون فی خلق السموات والأرض﴾ اور آیت ﴿إن فی خلق السموات والأرض واختلاف الليل والنهار لآيت لأولی الألباب﴾ اور آیت ﴿إن فی ذلك لعبرة لأولی الأبصار﴾ وغیرہ ہیں۔

فکر ونظر سے مراد وہی فکر ونظر ہے جو معرفتِ حق کا سبب ہو، ورنہ ایسا فکر ونظر جو ملحدوں کو ہوتا ہے وہ تو عین بُعد وسببِ عذاب ہے:

«قال أبو علی الرُوذْبَاري: التفكر علی أربعة أوجه: فكرة الله [كذا في الأصل وفي نسختنا: فكرة فقط] في آيات الله، وعلامتها تولّد المحبة، وفكرة في وعد الله بثواب، وعلامتها تولّد الرغبة، وفكرة في وعيده تعالی، وعلامتها تولد الرهبة، وفكرة في جفاء النفس مع إحسان الله، وعلامتها تولّد الحياء من الله تعالی . طبقات شافعية» (ص:۱۰۱/۲) **واللہ اعلم**[۱]»۔

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ ستین سنۃ، ۱/۴۳، ۴۶۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ ”التیسیر“ (۲/ ۳۳۶) میں فرماتے ہیں کہ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے العَظَمۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”واہی“ سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے، بلکہ اسے من گھڑت بھی کہا گیا ہے۔ حافظ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ ”الفوائد المجموعہ“ (ص: ۲۴۲، رقم:۷۵) میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا، اور اس کی سند میں عثمان بن عبد اللہ اور اسحاق بن نجیح کذاب ہیں، ان دونوں میں سے ایک (اس روایت کے گھڑنے میں) متہم ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ”المصنوع“ (ص: ۸۲، رقم: ۹۴) میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے، بلکہ سَرِی سَقَطِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔ حافظ محمد بن درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ ”اسنی المطالب“ (ص:۱۱۳، رقم:۵۰۰) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرفوعاً ثابت نہیں ہے بلکہ منسوب ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور سَرِی سَقَطِی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب۔ علامہ

[ابو علی رُوذْبَاری فرماتے ہیں: غور و فکر کی چار قسمیں ہیں: اللہ کی نشانیوں میں غور کرنا، جس کی علامت حبِ الٰہی کا پیدا ہونا ہے۔ اللہ کے وعدۂ ثواب میں غور کرنا، جس کی علامت رغبت کا بڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دھمکی پر غور کرنا، جس کی علامت خوفِ الٰہی کا پیدا ہونا ہے۔ اس پر غور کرنا کہ نفس کی جفاء کے باوجود ہم پر اللہ کے احسانات ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ سے حیاء پیدا ہوتی ہے]

* * * * *

عجلونی رحمۃ اللہ علیہ ”کشف الخفاء“ (۱/ ۳۵۷، رقم: ۱۰۰۴) میں علامہ فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ سَری سَقَطِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔ اس روایت کی تفصیلی تحقیق جاننے کے لئے کتاب ”غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ“ (حصہ اول، ص: ۱۱۲) ملاحظہ فرمائیں۔

روایت نمبر③

روایت: ”ہر چیز کا کوئی دفینہ ہوتا ہے، اور تقویٰ کا دفینہ عارفین کے دل ہیں“، یہ متن صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ اہل تصوف کا کلام ہے

”**سوال**: «لكل شيء معدن، ومعدن التقوى قلوب العارفين». [ہر چیز کا کوئی دفینہ ہوتا ہے، اور تقوی کا دفینہ عارفین کے دل ہیں]۔

جواب: امر اول [یعنی زیرِ بحث روایت] صوفیہ کا کلام ہے، مرفوعاً اس کا ثبوت نہیں ہے، نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ص :۳۶۸/ ۱۰):

«عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل شيء معدن، ومعدن التقوى قلوب العارفين. وفيه محمدبن رجاء وهو ضعيف. انتهى.

ولم يذكر [أي الهيثمي] من خرّجه، وفيه سقوط، والصواب: رواه الطَبَراني، وفيه محمد بن رجاء وهو ضعيف. ورواه البيهقي عن عمر. وهذا الحديث لايثبت، وقد حكم ابن الجوزي وغيره بوضعه، كما بسطه المُنَاوِي في فيض القدير(ص :۲۸٦/٥)[1]».“

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ) حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بحوالہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کیا ہے، اور

---

[1] اليواقيت الغالية: لكل شيء معدن ومعدن التقوى قلوب العارفين، ۵۲/۱، ۵۳۔

کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن رجاء ضعیف راوی ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے۔

اور یہ حدیث ''ثابت'' نہیں ہے، حتیٰ کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس پر من گھڑت ہونے کا حکم لگایا ہے، مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تفصیل ''فیض القدیر'' میں لکھی ہے]

ایک دوسرے انداز سے

''**سوال**: «لكل شيء معدن، ومعدن التقوى قلوب العارفين». والی روایت کے بارے میں حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''کنز العمال'' کا حوالہ دیا تھا، اگر تکلیف نہ ہو تو اس کا حوالہ بھی تحریر فرمائیں، نیز یہ کہ کسی نے اس کی تحسین یا تصحیح بھی کی ہے یا نہیں؟ ہمارے اکابر اس کو بڑی قوّت سے بیان کرتے ہیں۔

جواب: ''۔۔۔جہاں تک بندہ کا خیال ہے یہ متن صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، علامہ عبد الرؤف مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ جو خود کبار صوفیہ میں ہیں، اخیر میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے کلام پر شرحِ حدیث ختم فرماتے ہیں، تصحیح و تحسین تو بہت دور ہے۔

باقی بظاہر معنی صحیح ہیں، اس لیے کہ عارفین کے قلوب انوارِ معرفت سے منور ہوتے ہیں جس سے وہ حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات عظمت و جلال کا ہر وقت عکس پڑتا ہے، اس لیے تقویٰ ہمہ وقت ان کے دلوں کا مونس و مکین بنا رہتا ہے، واللہ اعلم''۔[1]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: لكل شيء معدن الخ یہ کنز العمال میں ہے یا نہیں؟ ۱/۵۸، ۶۰۔

بقیہ اگلے صفحہ پر =

روایت نمبر ④

روایت: ”حق دار بدلہ میں ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) کے عوض سات سو باجماعت نمازوں کا ثواب لے گا“، یہ روایت کسی آسمانی کتاب میں ہے، یا بعض علماء نے اسے اپنی کتب میں نقل کیا ہے

”سؤال: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ [یعنی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہ] نے فرمایا کہ دو پیسے کے بدلے میں سات سو نمازیں قبول نہیں ہوتیں، اس کا حوالہ لکھیں۔

جواب: «قال صاحب الدر المختار: الصلاة لإرضاء الخصوم لا تفيد، بل يصلي لله تعالى، فإن لم يعف خصمه أخذ من حسناته، جاء أنه يوخذ لدانق ثواب سبع مائة صلاة بالجماعة، اھ. قال ابن عابدين (ص:۱/۲۹٤): قوله: جاء. أي: في بعض الكتب، أشباه عن البزازية.

ولعل المراد بها الكتب السماوية، أو يكون ذالک حديثا نقله العلماء في كتبهم.

والدانق بفتح النون وكسرها، سدس الدرهم.

وقوله: ثواب سبع مائة صلاة بالجماعة. أي: من الفرائض، لأن

= حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ (۴/ ۳۳۱، رقم: ۹۳۳۶) میں، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”المنار المنیف“ (ص: ٦٦) میں اس روایت کو من گھڑت قرار دیا ہے، نیر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”شعب الایمان“ (٦/ ٣٦٢، رقم: ۴۳۳۰) میں اسے منکر کہا ہے۔

الجماعة فيها، والذي في المواهب عن القُشَيْرِي: سبع مائة صلاة مقبولة، ولم يقيد بالجماعة، قال شارح المواهب ماحاصله: هذا لاينافي أن الله تعالى يعفو عن الظالم ويدخله الجنة برحمة ملخّصا[1]."

[صاحب "در مختار" فرماتے ہیں کہ مد مقابل کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھنا تو سود مند نہیں ہے، بلکہ نماز تو اللہ ہی کے لئے پڑھنی چاہیے، البتہ اگر مد مقابل نے معاف نہ کیا تو اس کی نیکیاں لی جائیں گی، آیا ہے کہ ایک دانق کے بدلے سات سو باجماعت نمازیں لے لی جائیں گی، اھ۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب "در مختار" کے قول: "آیا ہے" سے مراد یہ ہے کہ بعض کتب میں آیا ہے، اشباہ عن بزازیہ۔ (علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) شاید "کتب" سے مراد "کتب سماوی" ہیں، یا یہ کوئی حدیث ہے جسے علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، اور دانق - نون کے زبر اور زیر کے ساتھ - درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔

(علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) صاحب "در مختار" کے قول: "سات سو باجماعت نمازیں" سے مراد فرض نمازیں ہیں، کیونکہ جماعت تو فرض نماز کی ہوتی ہے، اور "مواہب" میں قُشَیرِی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سات سو مقبول نمازیں لی جائیں گی، قُشَیرِی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کی قید ذکر نہیں کی، (نیز) شارح "مواہب" کے قول کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو معاف کر کے اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دیں، ملخصًا]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: دو پیسہ کے بدلے سات سو نمازیں قبول نہیں ہوتیں، ۵۸/۱، ۶۰۔
واضح رہے کہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "شرح أسماء اللہ الحسنیٰ" (ص:۲۴۶) میں بلاسند "قیل" کے ساتھ نقل کی ہے، اور بظاہر یہی اس روایت کا اقدم مصدر ہے جس میں سند موجود نہیں ہے۔

روایت نمبر ⑤

روایت: «كان النبي ﷺ إذا تغدّى تمدّى، وإذا تعشّى تمشّى»؟ (آپ ﷺ دوپہر کو کھانا کھا کر لیٹ جاتے تھے، اور شام کا کھانا کھا کر چلتے تھے) اس کی اصل نبی ﷺ کے زمانے میں موجود عرب کے طبیب حارث بن کَلَدہ کے کلام میں ملی۔

"**سؤال:** کیا یہ حدیث میں وارد ہوا ہے: «كان النبي ﷺ إذا تغدّى تمدّى، وإذا تعشّى تمشّى»؟ [آپ ﷺ دوپہر کو کھانا کھا کر لیٹ جاتے تھے، اور شام کا کھانا کھا کر چلتے تھے]

جواب: «لا أعلم له أصلا، لا في المرفوع ولا في الموقوف، ثم وجدت أصله عن الحارث بن كَلَدَة الثَقَفِي طبيب العرب في زمان النبي ﷺ، قال الحافظ ابن حجر في الإصابة (ص:۱/۳۰۲): روى داود بن سعيد عن عمرو بن معروف قال: لما احتضر الحارث اجتمع الناس إليه، فقالوا: أوصنا، فقال: لا تتزوجوا إلا شابّة، ولا تأكلوا الفاكهة إلا نضجة، ولا يتعالجن أحدكم ما احتمل بدنه الداء، وعليكم بالنُورَة في كل شهر فإنها مذهبة البلغم، ومن تغدّى فلْيَنَم بعده، ومن تعشّى فليمش أربعين خطوة.

واختلف في إسلامه، فقال ابن أبي حاتم: لا يصح إسلامه، وذكره الحافظ في القسم الأول من الإصابة، فإن ثبت إسلامه فهذا قول صحابي، والله أعلم[1]»."

---

[1] اليواقيت الغالية: اذا تغدی تمدی الخ، کیا یہ حدیث ہے؟ ۱/۱۶۳، ۱۶۴۔

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ) مجھے اس روایت کی مرفوع، موقوف، کوئی اصل معلوم نہیں ہے، پھر بعد میں اس کی اصل نبی ﷺ کے زمانے میں موجود عرب کے طبیب حارث بن کَلَدَہ کے کلام میں ملی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "اصابہ" میں فرماتے ہیں: داؤد بن سعید، عمرو بن معروف سے نقل کرتے ہیں کہ جب حارث کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو لوگ اس کے پاس جمع ہوگئے اور کہا کہ آپ ہمیں وصیت کیجئے، حارث نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ نکاح صرف جوان عورت سے کرو، پھل ہمیشہ پکا ہوا کھاؤ، اور جب تک بدن مرض برداشت کرے اس وقت تک علاج (دوا) ہر گز نہ کرواؤ، اور ہر ماہ داغ لگوایا کرو، کیونکہ یہ بلغم کو ختم کرتا ہے، اور جو دوپہر کا کھانا کھائے وہ اس کے بعد سو جایا کرے، اور جو شام کا کھانا کھائے وہ چالیس قدم چل لیا کرے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حارث کے اسلام میں علماء کا اختلاف ہے، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا اسلام لانا صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، البتہ حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) نے انہیں "اصابہ" میں قسم اول میں شمار کیا ہے، اگر ان کا اسلام ثابت ہے تو یہ (زیرِ بحث قول) صحابی کا قول ہے، واللہ اعلم]۔

* * * * *

روایت نمبر ⑥

”تختم بالعقیق“ (عقیق کی انگوٹھی پہننے) کے بارے میں منقول روایات سب واہی ہیں، اور محققین ناقدین ان روایات کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

”**سوال**: قیمتی پتھروں کے سلسلے میں عقیق کا ذکر دو حدیثوں میں ”جامع صغیر“ میں ہے:

❶ - «تختّموا بالعقيق فإنه مبارك». [عقیق کی انگوٹھی پہنو، کیونکہ یہ بابرکت ہے]

❷ - «تختّموا بالعقيق فإنه ينفي الفقر». [عقیق کی انگوٹھی پہنو، کیونکہ یہ فقر کو دور کرتی ہے]

اور ایک حبشی نگینہ کے بارے میں بعض شراح، عقیق ہونا ہی لکھتے ہیں، اس کے علاوہ کسی اور پتھر کے متعلق یا اسی عقیق کے بارے میں کوئی روایت نظر سے گذری ہو تو لکھئے گا؟

جواب: ”تختم بالعقیق“ [عقیق کی انگوٹھی پہننے] کے بارے میں بہت سی روایات وارد ہیں مگر سب واہی ہیں، اور محققین ناقدین، مثلاً ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ وابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ وذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بے اصل بتاتے ہیں، اور موضوع ٹھہراتے ہیں:

«قال العُقَيْلِي: لا يثبت في هذا عن النبي ﷺ شيء، وقال ابن

رجب: كل أحاديث التختم بالعقيق لا يثبت منها شيء، وأورده ابن الجوزي في الموضوعات، وكذا صرح الذهبي بكونه موضوعا، ومال إليه السخاوي في المقاصد، وقبله شيخه الحافظ ابن حجر، وبسط القول في ذلك السخاوي والمُنَاوِي في فيض القدير».

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے، ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عقیق کی انگوٹھی پہننے والی جملہ احادیث میں سے ایک بھی ثابت نہیں ہے، اور اس روایت کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات“ میں ذکر کیا ہے، اور اسی طرح ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے، اور اس بات کی جانب سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ”المقاصد“ میں مائل ہوئے ہیں، اور ان سے پہلے ان کے شیخ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف مائل ہیں، اور اس بارے میں سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیز مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنی کتاب) ”فیض القدیر“ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے]

اور بھی بعض احجار کے بارے بعض فضائل نقل کیے جاتے ہیں، مثلاً حدیث نقل کرتے ہیں:

«تختّموا بالزمرد فإنه ينفي الفقر، أخرجه الديلمي عن ابن عباس، وقال السخاوي: لا يصح». [زُمُرّد کی انگوٹھی پہنو کہ یہ فقر کو دور کرتی ہے، دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تخریج کی ہے، سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ”صحیح“ نہیں ہے]

ایک دوسری روایت ذکر کرتے ہیں:

«تختّموا بالزَبَرْجَد فإنه يسر لا عسر فيه. قال الحافظ ابن حجر:

موضوع، وذكر المُنَاوِي في فيض القدير (ص :٣/٢٣٦): روى ابن زنجويه بسند ضعيف عن علي كرم الله وجهه مرفوعا: من تختم بالياقوت الأصفر منع من الطاعون، انتهى».

[زَبَرْجد کی انگوٹھی پہنو، کیونکہ یہ آسان ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ من گھڑت ہے، اور مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیض القدیر“ میں لکھا ہے: ابن زنجویہ رحمۃ اللہ علیہ نے بسند ضعیف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: جس نے زرد یاقوت کی انگوٹھی پہنی وہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔ انتہیٰ]

لیکن اس کے مرفوعاً ثبوت میں تو اشکال ہے، واللہ اعلم!۔[1]

ایک دوسرے انداز سے

”**سوال:** عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟

جواب: عقیق کی انگشتری کے متعلق ایک روایت میں ہے:

«عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : تختَّموا بالعقيق فإنه ينفي الفقر، واليمين أحق بالزينة. رواه ابن الجوزي في العِلَل المتناهية (ص :٢/٦٩٣)، و قال ابن عدي: هذا حديث باطل، والحسين بن إبراهيم يعني البابي مجهول. وقال الذهبي: لعله من وضعه. وأقره الحافظ في اللسان، فقط[2]».“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: چند علمی باتوں کی تحقیق، ۱/۱۹۹، ۲۰۰۔

[2] الیواقیت الغالیۃ: عقیق کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ ۲/ ۴۰۱۔

علامہ محمد بن محمد درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ ”اسنی المطالب“ (رقم: ۴۷۹) میں فرماتے ہیں کہ ”تختم بالعقیق“

متعدد طرق سے مروی ہے جو تمام کے تمام واہی ہیں، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ "النخبۃ البہیۃ" (رقم:٨١) میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت شدید ضعیف ہے، اس کے تمام طریق شدید واہی ہیں، علامہ ابن دَیْبَع رحمۃ اللہ علیہ "تمییز الطیب من الخبیث" (ص: ٦٥) میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کے تمام طرق واہی ہیں، حافظ جوْزَقانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاباطیل والمناکیر" (رقم:٦٣٦) میں حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفاء کیا ہے، نیز علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (١/ ٣٤٣، رقم:٩٥٨) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (١/ ٢٤٢، رقم:٥٥٨) میں، حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ حافظ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کیا ہے۔

واضح رہے کہ اس روایت کے بارے میں علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ "اللآلی المنثورۃ" (ص: ١٠٥) میں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "الدرر المنتثرۃ (رقم:١٦٣) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ "تنزیہ الشریعۃ (٢/ ٢٧٥) میں، علامہ محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ "تذکرۃ الموضوعات (ص:١٥٨) میں، ثبوت کی جانب مائل ہیں، لیکن حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے تمام طرق اور ممکنہ اشکالات کے جوابات دے کر عدمِ ثبوت کے قائل رہے ہیں، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ملاحظہ ہو:

"حديث: تَخَتَّمُوا بِالْعَقِيقِ، له طرق كلها واهية، فمنها لابن عدي في كامله من جهة يعقوب بن الوليد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة مرفوعا به، ويعقوب كذبه أحمد وأبو حاتم وغيرهما، وقد تحرف اسم أبيه على بعض رواته فسماه إبراهيم، كذلك أخرجه ابن عدي أيضا، ومن طريقه البيهقي في الشعب، وله عن عائشة طرق بألفاظ منها: اشتر له خاتما وليكن فصه عقيقا، فإنه من تختم بالعقيق لم يقض له إلا الذي هو أسعد، ومنها: أكثر خَرَز أهل الجنة العقيق، ومنها: لابن عدي أيضا من طريق الحسين بن إبراهيم البابي، عن حميد، عن أنس مرفوعا، بلفظ: فإنه ينفي الفقر بدل فإنه مبارك، زاد: واليمين أحق بالزينة، والبابي تالِف، وجزم الذهبي في الميزان بأنه موضوع.

ومنها: للديلمي من رواية ميمون بن سليمان عن منصور بن بشر الساعدي، عن مالك، عن نافع، عن ابن عمر، عن عمر، رفعه بلفظ: تختموا بالعقيق، فإن جبريل أتاني به من الجنة، وقال لي: يا محمد! تختم بالعقيق، وأمر أمتك أن تختم به، وهو موضوع على عمر فمن دونه إلى مالك، ومنها: له أيضا من طريق علي بن مهرويه القزوِيني عن داود بن سليمان، عن علي بن موسى بن جعفر بن محمد بن علي بن الحسين بن علي، عن

أبيه، عن أبيه، عن أبيه، عن أبيه، عن أبيه، عن أبيه، بلفظ: تختموا بالخواتم العقيق، فإنه لا يصيب أحدكم غم ما دام عليه، وعلي بن مهرويه صدوق، وداود بن سليمان يقال له الغازي، وهو جرجاني، كذبه ابن معين، وله نسخة موضوعة بالسند المذكور، من جملتها: إن الأرض تنجس من بول الأقلف أربعين يوما، وهو في أمالي الحسين بن هارون الضبي من وجه آخر عن أبي بكر الأزرق، عن جعفر به، ولفظه: من تختم بالعقيق ونقش فيه: وما توفيقي إلا بالله، وفقه الله لكل خير، وأحبه الملكان الموكلان به، وفي سنده أبو سعيد الحسن بن علي وهو كذاب، وهذا عمله.

ومنها: لابن حبان في الضعفاء من طريق أبي بكر بن شعيب عن مالك، عن الزهري، عن عمرو بن الشَرِيْد، عن فاطمة مرفوعا: من تختم بالعقيق لم يزل يرى خيرا، قال: وابن شعيب يروي عن مالك ما ليس من حديثه، لا يحل الاحتجاج به، وهو عند الطبراني في معجمه الأوسط، والدَارَقُطْنِي في الأفراد، بل وعند الطبراني، وأبي نُعيم في الحلية، وغيرهما، من طرق سواه، ومع ذلك فهو باطل.

وقد قال العُقَيْلِي: إنه لا يثبت في هذا عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء، وذكره ابن الجوزي في الموضوعات، وقال: قد ذكر حمزة بن الحسن الأصبهاني في كتاب ''التنبيه على حروف من التصحيف'' قال: كثير من رواة الحديث يروون أن النبي □ قال: تختموا بالعقيق، وإنما قال: تخيموا بالعقيق، وهو اسم واد بظاهر المدينة، قال ابن الجوزي: وهذا بعيد، وتأويله أحق أن ينسب إليه التصحيف لما ذكرنا من طرق الحديث، بل قال شيخنا: حمزة معذور، فإن أقرب طرق هذا الحديث كما يقتضيه كلام ابن عدي في رواية يعقوب، ولفظه: تخيموا بالعقيق فإنه مبارك، وهذا الوصف بعينه قد ثبت لوادي العقيق في حديث عمر الذي أخرجه البخاري في أوائل الحج من رواية عكرمة عن ابن عباس: سمعت النبي □ بوادي العقيق يقول: أتاني الليلة آت من ربي، فقال: صل في هذا الوادي المبارك، انتهى.

وما رواه المُطَرِّز في اليواقيت عن أبي القاسم الصايغ عن إبراهيم الحربي أنه سئل عنه فقال: إنه صحيح، قال: ويروى أيضا بالياء المثناة من تحت، أي: اسكنوا العقيق وأقيموا به، فغير معتمد، بل المعتمد بطلانه، ثم إن قوله في بعض ألفاظه: فإنه ينفي الفقر، يروى

[انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عقیق کی انگوٹھی پہنو کہ یہ فقر کو دور کرتی ہے، اور داہنا ہاتھ زینت کا زیادہ حق دار ہے، اسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”علل متناہیہ“ میں تخریج کیا ہے، اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، اور (سند میں موجود) حسین ابن ابراہیم یعنی بابی مجہول راوی ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: شاید کہ اسی نے اسے گھڑا ہے، ”لسان“ میں حافظ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) نے (حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو) بر قرار رکھا ہے، فقط]

* * * * *

في اتخاذ الخاتم الذي فصه من ياقوت، ولا يصح أيضا، قال ابن الأثير: يريد أنه إذا ذهب ماله باع خاتمه فوجد به غنى، وقال غيره: بل الأشبه إن صح الحديث أن يكون لخاصية فيه، كما أن النار لا تؤثر فيه ولا تغيره، وإن من تختم به أمن من الطاعون، وتيسرت له أمور المعاش، ويقوى قلبه، ويهابه الناس، ويسهل عليه قضاء الحوائج، انتهى. وكل هذا يمكن قوله في العقيق إن ثبت“. (المقاصد الحسنة: ص: ١٨١، رقم: ٣٢٠)

روایت نمبر ⑦

روایت: ”جو شخص کسی مالدار کے پاس آکر اس کے سامنے خاکساری کرے تو اس کا دو تہائی دین چلا گیا“، یہ واہی (شدید ضعیف) ہے

”**سؤال**: ایک حدیث کی ضرورت پیش آئی اس لئے پرچہ لکھوا رہا ہوں، اس میں اس قسم کا مضمون ہے کہ جو کسی مالدار کی طرف اس کے مال کی وجہ سے جھکے فھو کذا وکذا، یاد تو یہ ہے کہ اس نے اپنے دین کو نقصان پہنچایا، حوالہ مطلوب ہے۔

جواب: مخدومی وسیدی مد ظلہم العالی [یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ]

حدیث مذکور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنہ“ میں بحوالہ ”شعبِ بیہقی“ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بایں لفظ نقل کی ہے:

«من خضع لغني أو [كذا في الأصل، وفي نسختنا: و] وضع له نفسه إعظاما له وطمعا فيما قِبَلَه، ذهب ثلثا مُرُوْءَتِه وشطر دينه [عن ابن مسعود من قوله]. وفي لفظ: من دخل على غني فتضعضع له ذهب ثلثا دينه [عن ابن مسعود مرفوعا].

وللطَبَرَاني في الصغير من حديث أنس مرفوعا: من تضعضع لغني لينال مما في يديه أسخط الله عز وجل. وفي لفظ: من تضعضع لغني لينال فضل ما عنده أحبط الله تعالى عمله.

وهما واهيان جدا، حتى أن ابن الجوزي ذكرهما في الموضوعات

مختصرا»[1]۔“

[(خلاصہ یہ کہ) یہ روایت مختلف صحابہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے منقول مرفوع روایت میں ہے: جو شخص کسی مالدار کے پاس آکر اس کے سامنے خاکساری کرے تو اس کا دو تہائی دین چلا گیا۔

حضرت انس بن مالک ؓ کی حدیث میں ہے: جس نے کسی مالدار کے سامنے اس لئے خاکساری اختیار کی تاکہ وہ اس کے ہاتھوں کچھ حاصل کر لے تو اس شخص نے اللہ عز وجل کو ناراض کر دیا۔ نیز حضرت انس بن مالک ؓ ہی سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے عمل کو غارت کر دیں گے“۔

حافظ سخاوی ؒ یہ دونوں روایتیں نقل کر کے لکھتے ہیں: یہ دونوں ”شدید واہی“ روایتیں ہیں، حتیٰ کہ ابن جوزی ؒ نے انھیں ”موضوعات“ میں ذکر کیا ہے]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: جو شخص کسی مالدار کی طرف جھکے، کہاں ہے؟ ۱/ ۲۰۲۔

یہ روایت حضرت ابوذر ؓ سے بھی منقول ہے، جسے امام شوکانی ؒ نے ”الفوائد المجموعۃ“ (۱/ ۳۰۰، رقم:۷۱۵) میں موضوع کہا ہے، الفاظ یہ ہیں: جو فقیر مال کی بناء پر کسی غنی کے سامنے تواضع اختیار کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اسی طرح اس مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بھی منقول ہے، جسے حافظ سخاوی ؒ ہی نے ”المقاصد الحسنۃ“ (ص:۴۶۷، رقم:۱۱۰۰) میں ”واہی“ کہا ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: جس نے دنیاوی غرض سے کسی بادشاہ کے سامنے خاکساری کی اللہ تعالیٰ اس سے اعراض فرما لیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ اس روایت کی مرفوع سندیں واہی ہیں، حافظ سخاوی ؒ مرفوعاً روایت کو واہی قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں: ”نعم عند البيهقي من حديث وهب بن منبه قال: قرأت في التوراة، وذكر نحوه“. البتہ امام بیہقی ؒ نے وہب بن منبہ ؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے، اس کے بعد وہب ؒ نے زیر بحث جیسی روایت ذکر کی۔

روایت نمبر ⑧

روایت: ”قیامت میں لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا“، یہ سنداً شدید ضعیف ہے، نیز صحیح روایت سے بھی معارض ہے

”**سؤال**: کیا قیامت میں لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام کیساتھ پکارا جائے گا؟ اس کے حوالہ کی ضرورت ہے۔

جواب: «قال الطَبَرَانِي في الكبير: حدثنا الحسن بن علويه، حدثنا إسمعيل بن عيسى القَطَّان، حدثنا ابن بِشْر أبو حذيفة، حدثنا ابن جريج، عن ابن أبي مُلَيْكَة، عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ : إن الله يدعو الناس يوم القيامة بأمهاتهم سترا منه على عباده.

قلت: ولكن إسحاق بن بِشْر أبو حذيفة كذاب وضّاع، قال ابن الجوزي في الموضوعات: أجمعوا على أنه كذاب. قلت : كذّبه ابن المَدِيْنِي وابن أبى شيبة و الدَارَقُطْنِي.

وفي الباب عن أنس مرفوعا، أخرجه ابن عدي: حدثنا محمد بن محمد الجُهَنِي، حدثنا علي بن بِشْر بن هلال، حدثنا إسحاق بن إبراهيم الطَبَرِي، حدثنا مروان الفزاري، عن حُمَيْد الطويل، عن انس قال: قال رسول الله ﷺ : يدعى الناس يوم القيامة بأمهاتهم سترا من الله عليهم. قال ابن عدي : إسحاق بن إبراهيم منكر الحديث، و هذا حديث منكر.

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات، وأعله بهذا الرجل.

قلت : وهكذا قال الدَارَقُطْنِي: إنه منكر الحديث.

قال ابن حِبَّان: منكر الحديث جدا يأتي عن الثقات بالموضوعات، ولا يحل كتب حديثه إلا على جهة التعجب. ثم ذكر له أحاديث واهية.

قلت: وقد ثبت مايعارضه: وهو مارواه أبو داود(ص :٦٦٧/٥) وأحمد و الدَارَقُطْنِي (ص :٦١٦) بسند جيد كما قال النَوَوِي في الأذكار عن أبي الدرداء رضي الله عنه رفعه: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم فحسّنوا أسمائكم. وفي صحيح البخاري (ص: ٩١٢) : إن الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال: هذه غدرة فلان بن فلان، والله أعلم[1]."

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ) طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کبیر" میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بندوں کی ستر پوشی کی وجہ سے روز قیامت لوگوں کو ان کی ماؤں (کے نام) سے پکاریں گے۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ (سند میں موجود) اسحاق بن بِشر

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیالوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں [کے نام] کے ساتھ پکارا جائیگا؟ ۱/۲۰۸۔
علامہ اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ علیہ "کشف الخفاء" (۲/ ۴۸۵، رقم:۳۲۳۸) میں روایت "قیامت میں لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا" کے تحت لکھتے ہیں: حافظ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ روایت ان لوگوں پر رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ قیامت میں لوگوں کی ستر پوشی کرتے ہوئے ان کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔
حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان الاعتدال" (۱/ ۱۷۷، رقم:۷۱۹) میں اسے "منکر" کہا ہے۔
حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المنار المنیف" (ص:۱۳۹، رقم:۳۱۷) میں اسے باطل اور صحیح روایت کے معارض قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے کتاب "غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ" حصہ سوم ص:۳۷، ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حذیفہ کذاب، حدیث گھڑنے والا ہے، ابن جوزی ؒ "موضوعات" میں فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ یہ شخص کذاب ہے۔ میں (حضرت جونپوری ؒ) کہتا ہوں کہ ابن مدینی ؒ ابن ابی شیبہ ؒ دَارَ قُطنِی ؒ نے اسحاق کو "کذاب" کہا ہے۔

اور اس باب میں حضرت انس ؓ سے مرفوع روایت مروی ہے، جسے ابن عدی ؒ نے تخریج کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بندوں پر ستر پوشی کی وجہ سے لوگوں کو روز قیامت ان کی ماؤں (کے نام) سے پکارا جائے گا، ابن عدی ؒ فرماتے ہیں کہ (سند میں موجود راوی) اسحاق بن ابراہیم منکر الحدیث ہے، اور یہ حدیث منکر ہے۔

نیز ابن جوزی ؒ نے اسے (حدیث انس ؓ کو) "موضوعات" میں ذکر کیا ہے، اور اسی شخص (اسحاق بن ابراہیم) کو علت حدیث قرار دیا ہے۔

میں (حضرت جونپوری ؒ) کہتا ہوں کہ دَارَ قُطنِی ؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم منکر الحدیث ہے، ابن حبان ؒ کہتے ہیں کہ شدید منکر الحدیث ہے، ثقہ راویوں کے انتساب سے من گھڑت روایات نقل کرتا ہے، اس کی روایات صرف تعجب کے طور پر ہی لکھی جا سکتی ہیں۔ (حضرت جونپوری ؒ فرماتے ہیں) پھر ابن حبان ؒ نے اسحاق کی دیگر واہی احادیث نقل کیں۔

میں (حضرت جونپوری ؒ) کہتا ہوں کہ اس روایت سے معارض دوسری احادیث بھی ہیں: (ایک حدیث تو) ابو الدرداء ؓ سے مرفوعاً مروی ہے، جسے ابو داؤد ؒ احمد ؒ دَارَ قُطنِی ؒ نے بسند "جید" تخریج کیا ہے، جیسا کہ امام نَوَوِی ؒ نے بھی "اذکار" میں لکھا ہے (روایت یہ ہے): تمہیں روز قیامت تمہارے اور تمہارے آباء کے نام سے پکارا جائے گا لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔ اور (دوسری معارض روایت) "صحیح بخاری" میں ہے: دھوکہ دینے والے کے لئے روز قیامت ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، پھر کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کا دھوکہ ہے، واللہ اعلم]۔

روایت نمبر ⑨

روایت: ”جب آنحضرت ﷺ داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو پہلے دونوں آنکھوں پر لگاتے تھے“، یہ روایت نہیں ملی، البتہ یہ روایت کہ: ”آپ ﷺ جب داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو داڑھی بچہ سے شروع فرماتے“، شدید ضعیف ہے

”**سوال**: البتہ تیسرے سوال کے متعلق عرض ہے کہ میں نے جس حدیث کے متعلق دریافت کیا تھا آپ نے اس کے قریب ایک دوسری حدیث کا ذکر فرمایا، میرا سوال ایک دوسری حدیث کے متعلق ہے، ”السراج المنیر“ میں مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو پہلے دونوں آنکھوں پر لگاتے تھے، یعنی پھر داڑھی پر لگاتے تھے، یہ روایت کہاں ہے؟

جواب: حدیث «إذا ادهن» آپ نے خود سوال میں ناقص نقل کی تھی، جیسا کہ آپ کے سوالِ سابق کے الفاظ سے ظاہر ہے، اب اس وقت جو روایت آپ نے دریافت فرمائی ہے سرِدست وہ مجھے نہیں ملی[1]، ہاں ایک روایت داڑھی میں تیل لگانے کی اور وارد ہے:

---

[1] سوال میں مذکور حدیث حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”المجروحین“ (۱/ ۲۴۴) میں ذکر کی ہے، آپ حسین حسین بن علوان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

«حسين بن عُلْوان من أهل الكوفة، كان يضع الحديث على هشام بن عروة وغيره من الثقات وضعا لا تحل كتابة حديثه إلا على جهة التعجب، كذبه أحمد بن حنبل رحمه الله...». حسین عُلوان اہل کوفہ میں سے تھا، ہشام بن عروہ اور ان کے علاوہ ثقہ راویوں پر احادیث گھڑتا

«فأخرج الطَبَرَاني في الأوسط عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ كان إذا ادهن لحيته بدأ بالعنقفة [كذا في الأصل والصحيح: العَنْفَقَة]. وفيه الحَكَم بن عبد الله بن سعد الأيلي ضعيف جدا، قال أحمد أحاديثه كلها موضوعة، كذا ذكره الهيثمي (ص: ٥/١٧)»[1]۔"

[طَبَرَانی رحمۃ اللہ علیہ نے "اوسط" میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے تخریج کیا ہے: آپ ﷺ جب داڑھی میں تیل لگاتے تھے تو داڑھی بچہ سے شروع فرماتے۔ (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس (کی سند) میں حَکَم بن عبد اللہ بن سعد ایلی شدید ضعیف راوی ہے، احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تمام احادیث من گھڑت ہیں، ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے]

* * * * *

تھا، اس سے مروی روایات کو بطور تعجب ہی لکھا جائے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔۔۔"۔

اس کے بعد حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے هشام عن ابيه، عن عائشه، عن النبي □ کی سند سے حسین بن علوان کی من گھڑت روایات ذکر کی ہیں، ان میں یہ روایت بھی ہے: "كان رسول الله □ إذا ادهن بدهن جعل في راحته اليسرى وبدأ بحاجبيه شاربه[كذا في الأصل] ثم لحيته ثم رأسه"۔ نبی اکرم ﷺ جب تیل لگاتے تو اسے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں لیتے، اور اَبروؤں سے تیل لگانا شروع کرتے، پھر مونچھوں پر، پھر داڑھی پر، اس کے بعد سر میں تیل لگاتے تھے۔

حافظ ابو الفضل مقدسی ابن قَیسَرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الحفاظ" (ص:۲۴۷، رقم:۵۸۶) میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "وحسين هذا من أهل الكوفة، يضع الحديث"۔ یہ حسین اہل کوفہ میں سے ہے اور احادیث گھڑتا ہے۔

[1] الیواقیت الغالیۃ: داڑھی پر تیل لگانے سے پہلے آنکھوں پر لگانا۔۔۔، ۲۲۸/۱۔

روایت نمبر ⑩

روایت: ”بتکلف مریض مت بنو، ورنہ مریض ہو جاؤ گے۔۔۔“، یہ منکر روایت ہے۔

”**سؤال:** آپ بیتی نمبر ۵ (ص: ۴۵) پر حدیث: «لا تتمارضوا فتمرضوا». [بتکلف مریض مت بنو، ورنہ مریض ہو جاؤ گے] منقول ہے، یہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟

جواب: «حديث: لا تتمارضوا فتمرضوا، ولا تحقروا [كذا في الأصل وفي نسختنا: لا تحفِرُوْا، وهو الصحيح] قبوركم فتموتوا. ذكره ابن أبي حاتم في العلل عن ابن عباس رضي الله عنه، وقال عن أبيه: إنه منكر. وأسنده الديلمي من جهة أبي حاتم الرازي: حدثنا عاصم بن إبراهيم، عن المنذر بن النعمان، عن وهب بن قيس به، وعلى كل حال فلايصح، كذا في المقاصد الحسنة (ص :٤٥٩)[1]».

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: لا تتمارضوا فتمرضوا الخ کہاں ہے؟ ۱/ ۲۶۲، ۲۶۰۔

حافظ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاسرار المرفوعۃ“ (ص: ۳۶۶، رقم: ۵۹۰) میں، اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوائد المجموعۃ“ (۱/ ۳۳۲، رقم: ۸۰۶) میں اکتفاء کیا ہے، حافظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

”سألت أبي عن حديث رواه عاصم بن إبراهيم الداري، عن محمد بن سليمان الصنعاني، عن منذر بن النعمان الأفطس، عن وهب بن منبه، عن عبد الله بن عباس قال النبي □ : لا تتمارضوا فتمرضوا، ولا تحفروا قبوركم فتموتوا“. (العلل لابن أبي حاتم: ٦/ ٢٣٣، رقم: ٢٤٨١) آپ جان چکے ہوں گے کہ حافظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے والد سے

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث: "بتکلف مریض مت بنو، ورنہ مریض ہو جاؤ گے، اور اپنی قبروں کو مت کھودو ورنہ مر جاؤ گے"۔ اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے "علل" میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور اپنے والد (ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کیا کہ یہ روایت منکر ہے۔ اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اسے تخریج کیا ہے، بہر حال یہ روایت "صحیح" نہیں ہے، اسی طرح "مقاصد الحسنہ" میں ہے]۔

* * * * *

منقول سند اور امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کی سند بطریق ابو حاتم میں واضح فرق ہے، واللہ اعلم۔
نیز حافظ ابن دیبع رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو "لا اصل" (دیکھئے: اللؤلؤ المرصوع، ص: ۲۲۰، رقم: ۶۹۹)، اور علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے "النخبۃ البہیۃ" (رقم: ۴۱۲) میں اسے "لا یصح" کہا ہے۔

روایت نمبر ⑪

روایت: ”دنیا کے واسطے عمل اس طرح کر، گویا کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور آخرت کے واسطے عمل اس طرح کر گویا کہ تو کل مرنے والا ہے“، یہ روایت ان لفظوں سے حدیث نہیں ہے، بلکہ اقوالِ سلف میں سے ہے

”سؤال“: «اعمل لدنياك كأنك تعيش أبدا، واعمل لآخرتك كأنك تموت غدا»؟ [دنیا کے واسطے عمل اس طرح کر، گویا کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، اور آخرت کے واسطے عمل اس طرح کر گویا کہ تو کل مرنے والا ہے]

جواب: حدیثِ اول [یعنی زیرِ بحث روایت] تو بلفظہ نہیں ملی، لیکن اس کے معنی ایک حدیث کے ذیل میں ”کنز العمال“ اور ”منتخب کنز العمال“ (ص: ۶/۱۴۰) وغیرہ میں موجود ہے، پوری حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حسب ذیل الفاظ سے مروی ہے:

«إن هذا الدين متين، فأوغِل فيه برفق، ولا تُبَغِّضْ إلى نفسك عبادة ربك، فان المُنبَتَّ لا سفرا قَطَعَ ولا ظَهْرا ألقى [كذافي الأصل و في كنزالعمال: أبقى]، فاعمل عمل امرئ يظن أن لن يموت أبدا، واحذر حذر من يخشى أن يموت غدا. رواه البيهقي في شعب الإيمان والسنن الكبير (ص :۳/۱۹) والعسكري في الأمثال وسنده ضعيف، وفي لفظ: يظن أنه يموت هَرَما».“

[بلاشبہ یہ دین قوی ہے، لہٰذا اس میں نرمی سے مشغول ہونا، اور اپنے رب کی بندگی سے اپنے آپ کو متنفر مت بناؤ، کیونکہ سواری کو تھکا کر ساتھیوں سے پیچھے رہ

جانے والا نہ کسی زمین کی مسافت طے کر پاتا ہے، نہ ہی کسی کمر کو سلامت چھوڑتا ہے، اور عمل اس آدمی کے عمل کی طرح کرو جس کو یہ گمان ہو کہ وہ کبھی نہیں مرے گا، اور خوف اس آدمی کے خوف کی مانند رکھو جسے کل اپنے مرجانے کا اندیشہ ہو۔ اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الایمان“ و ”سنن کبیر“ میں تخریج کیا ہے، نیز عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے ”امثال“ میں ذکر کیا ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے، اور (بعض جگہ) یہ الفاظ بھی ہیں: جسے یہ گمان ہو کہ وہ بوڑھا ہو کر مرے گا]

اور امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الزہد“ (ص: ۴۶۹) میں موقوفاً روایت کیا ہے۔

اس کے بعد مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کی ”فیض القدیر“ کی مراجعت کی تو اس سے معلوم ہوا کہ حدیث مسئول حدیث نہیں ہے، بلکہ بعض لوگوں نے حدیثِ مذکور [جو ذیل میں آرہی ہے] کی شرح میں فرمایا ہے (ص: ۱۲/ ج۲):

«اعمل عمل من وفي نسخة: امرئ يظن أن لا يموت أبدا، واحذر حذر امرئ يخشى أن يموت غدا [انتهى الحديث]. أي: قريبا جدا، ولم يرد به حقيقة الغد، والمراد تقديم أمر الآخرة وأعمالها حَذَرَ الفوت بالموت على عمل الدنيا، وتاخير أمر الدنيا كراهة الاشتغال بها على عمل الآخرة.

وأما ما فهمه البعض أن المراد: اعمل لدنياك كأنك تعيش أبدا، واعمل لآخرتك كأنك تموت غدا، ويكون المراد الحث على عمارة الدنيا لينتفع من يجيء بعد، والحث على عمل الآخرة، فغير مرضي، لأن الغالب على أوامر الشارع ونواهيه الندب إلى الزهد في

الدنيا، والتقلل من متعلقاتها، والوعيد على البناء وغيره، وإنما مراده أن الإنسان إذا عمل [كذافي الأصل والظاهر أنه: علم] أنه يعيش أبدا، قل حرصه وعمله، أن [كذافي الأصل والظاهر أنه: وأن] ما يريده لن يفوته تحصيله بترك الحرص عليه والمبادرة إليه، فإنه يقول: إن فاتني اليوم أدركته غدا، فإني أعيش أبدا، ويكون أمره بعمل الآخرة على ظاهره اهـ».

[اس شخص کی طرح اعمال کرو جسے یہ خیال ہو کہ وہ کبھی نہیں مرے گا، اور اس شخص کے خوف کی طرح خوف اختیار کرو جسے کل مرنے کا خوف ہو یعنی بہت جلد مرنے کا خوف ہو (حدیث مکمل ہوئی)۔ یہاں "حقیقی "کل" مراد نہیں ہے، مراد یہ ہے کہ آخرت کے امور واعمال کو دنیا کے کاموں پر مقدم رکھو، اس اندیشہ پر کہ کہیں موت سے یہ (امورِ آخرت) فوت نہ ہوجائیں، اور دنیاوی کاموں کو اخروی کاموں سے مؤخر رکھو، ان میں مشغول ہونے کو ناپسند سمجھتے ہوئے۔

اور بعض کا (اس قول سے) یہ سمجھنا کہ دنیاوی کام اس طرح کرو کہ تم ہمیشہ جیتے رہو گے، اور اخروی کام اس طرح کرو کہ گویا کہ تم کل مر جاؤ گے، اور یہ کہ (اس سے مقصود) لوگوں کو تعمیرِ دنیا پر ابھارنا ہے، تاکہ بعد میں آنے والے انسان اس سے نفع اٹھائیں، اور آخرت پر بھی ابھارنا (اس سے مقصود) ہے۔ یہ (اس قول سے مراد لینا) پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ اکثر شریعت کے اوامر ونواہی کا مقصود دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے، اور دنیا سے متعلق چیزوں میں کم مشغول ہونا (مقصود) ہے، نیز دنیا کو آباد کرنا وغیرہ پر وعیدیں بھی ہیں، (جب یہ بات ثابت ہے تو) اس قول سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ اسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے تو اس کی حرص وعمل کم ہوجائے گا، کیونکہ وہ سمجھے گا کہ چاہتوں میں حرص نہ کرنے سے اور ان کے حصول میں جلدی نہ

کرنے سے، وہ فوت نہیں ہو نگیں، بایں وجہ کہ اگر آج نہ ملیں تو کل مل جائیں گی، کیونکہ ہمیشہ ہی زندہ رہنا ہے، البتہ آخرت کے اعمال پر وہ ظاہر کے مطابق عمل کرے]

اور یہ حدیث [یعنی: اس شخص کی طرح اعمال کرو۔۔۔] ضعیف ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جامع صغیر“ میں اس کے ضعف کی علامت لگائی، مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «لأن فيه ضعيفا ومجهولا. انتهى». [اس لیے کہ اس میں ضعیف ومجہول راوی ہیں، انتہیٰ]

اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے معاملہ میں بہت زیادہ کوشش نہ کرے، جیسے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے ہمیشہ رہنا ہے تو وہ آج کا کام کل پر ڈالتا رہے گا، بخلاف آخرت کے کہ اس میں خوب فکر کرنی چاہیے، جیسے کسی کو آج ہی کا دن عمل کے واسطے ہے اور کل تو اسے حاضری دینی ہے تو وہ پوری کوشش کرے گا۔

پھر بہت دنوں کے بعد جب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ”المطالب العالیہ“ چھپ کر آئی تو اس میں (ص: ۱۷۲، ج ۳) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا قول بروایت حارث بن ابی اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں ملا:

«أحْرِزْ لدنياك كأنك تعيش أبدا، واعمل لآخرتك كأنك تموت غدا [انتهى كلام ابن حجر]. وقال بعض الفضلاء فى حاشية المقاصد الحسنة (ص: ١٩٢): رواه ابن أبي الدنيا بلفظ: احرث. وإسناده مجهول، ولا أصل له في المرفوع، وقول عبد الله بن عمرو رواه ابن قتيبة في غريب الحديث (ص: ٨١/ج ١) بلفظ: احرث، انتهى[1]».

[دنیا اس طرح جمع کر گویا تو ہمیشہ جئے گا، اور آخرت کے لئے عمل کر گویا کہ تو

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: اعمل لدنیاک کانک تعیش ۔۔۔ ۱/۲۸۵، ۲۸۷۔

کل مر جائے گا (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مکمل ہوئی)، اور "المقاصد الحسنہ" کے حاشیہ میں بعض فضلاء نے لکھا ہے: ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ان لفظوں سے لکھی ہے: کھیتی کر، اس روایت کی سند مجہول ہے، مرفوع میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ابن قُتَیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "غریب الحدیث" میں "کھیتی کر" کے الفاظ سے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے قول کے طور پر اسے ذکر کیا ہے، انتہیٰ]

* * * * *

روایت نمبر ⑫

روایت: «الدنيا جيفة وطالبها كِلاب»؟ (دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں) حدیث بلفظہ تو موجود نہیں ہے، ہاں بمعناہ ملتی ہے

”**سؤال**: «الدنيا جيفة وطالبها كِلاب»؟ [دنیا مردار ہے اور اس کے طلب گار کتے ہیں]

جواب: اور حدیث ثالث [یعنی مذکورہ روایت] بھی بلفظہ باوجود کثیر تتبع کے نہیں ملی، لیکن اس کے معنی احادیث میں ملتے ہیں جو ”کنز العمال“ اور ”منتخب کنز العمال“ وغیرہ میں مذکور ہیں:

«عن علي رضي الله عنه قال: الدنيا جيفة، فمن أرادها فليصبر على مخالطة الكِلاب. أبو شيخ منتخب (ص :۱۹۲/ ۱) أوحى الله إلى داود: يا داود! مثل الدنيا كمثل جيفة، اجتمعت عليها الكِلاب يجرونها، أفتحب أن تكون كلبا مثلهم فتجر معهم؟ يا داود! طِيبُ الطعام ولِينُ اللباس والصِيْتُ في الناس، وفي الآخرة الجنة، لا تجتمع أبدا. الديلمي عن علي رضي الله عنه، منتخب (ص :۱۸۲/ ۱)».“

[علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: دنیا مردار ہے، جس کا ارادہ دنیا حاصل کرنے کا ہو تو وہ کتوں سے جھگڑنے کو برداشت کرے۔ ابو الشیخ رحمۃ اللہ علیہ ”منتخب“۔ اللہ نے داود علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی: اے داؤد! دنیا کی مثال مردار کی سی ہے، جسے کتے جمع ہو کر گھسیٹ رہے ہوں، کیا آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کی مانند کتا بن کر ان کے ساتھ مل کر آپ

بھی اسے گھسیٹیں؟ اے داؤد! عمدہ روزی، نرم لباس، اور لوگوں میں شہرت (دنیا میں)، اور آخرت میں جنت، کبھی جمع نہیں ہوسکتے، ’’منتخب‘‘]

اس کے بعد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’الدررالمنثورۃ‘‘ میں حدیث مسئول پر کلام ملا، فرماتے ہیں (ص :۸٦):

«الدنيا جيفة و الناس كلابها. أبو شيخ في تفسيره عن علي موقوفا: الدنيا جيفة، فمن أرادها فليصبر على مخالطة الكِلاب. وأخرج الديلمي عن علي موقوعا: أوحى الله إلى داود إلخ».

[دنیا مردار ہے، اور لوگ اس کے کتے ہیں۔ ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا: دنیا مردار ہے، جس کا ارادہ دنیا حاصل کرنے کا ہو وہ کتوں سے جھگڑنے کو برداشت کرے۔ اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا ہے: اللہ نے داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی الخ]

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وہی دونوں حدیثیں ذکر فرمائی ہیں جو بندہ نے ذکر کی ہیں اور حاصل یہ ہے کہ حدیث بلفظہ تو موجود نہیں ہے، ہاں بمعناہ ملتی ہے، واللہ اعلم۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’طبقات‘‘ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ حضرت شیخ مدظلہ نے ’’تاریخ مشائخ چشت‘‘ (ص: ۱۲۰) میں نقل کیا ہے، وھوھذا:

’’فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مردار ہے اوراس کے چاہنے والے کتے ہیں، لہٰذا جو اس دنیا سے لینا چاہے وہ کتوں کے ساتھ ملا جلا کرے۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقولہ کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس

سے مراد وہ چیزیں ہیں جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں، اور جو چیزیں حاجت اور ضرورت کی ہیں وہ اس میں داخل نہیں، انتہیٰ"۔ [1]

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الدنیا جیفۃ وطالبہ اکلاب ---، ۱/۲۸۵، ۲۸۸۔
حافظ صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الموضوعات" (ص: ۳۸، رقم: ۳۶) میں اسے موضوع کہا ہے، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ "کشف الخفاء" (۱/ ۴۶۸، رقم: ۱۳۱۳) میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے، اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے، علامہ نجم الدین غَزی رحمۃ اللہ علیہ "اِتقان مایحسن" (ص: ۲۰۸، رقم: ۷۸۹) میں اور علامہ احمد بن عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ "الجد الحثیث" (ص: ۱۰۰، رقم: ۱۶۵) میں فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ مرفوعاً ثابت نہیں ہیں۔
واضح رہے کہ روایت ہذا کے مضمون پر مشتمل ایک دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قابلِ بیان سند سے ثابت ہے، جسے حافظ ابو بکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" (۱۳/ ۸۹، رقم: ۶۴۴۴) میں ذکر فرمایا ہے، الفاظ یہ ہیں: "حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ایک منادی کہتا ہے: دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دو، دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دو، دنیا کو دنیاداروں کے لئے چھوڑ دو - یعنی تین دفعہ یہ ارشاد فرمایا- جو شخص کفایت سے زیادہ دنیا لے تو وہ مردار کو لینے والا ہے اور اس کو اس کا شعور نہیں ہوتا"۔

روایت نمبر ⑬

روایت: ”زمین سے اگنے والی ہر سبز گھاس میں ایک حکمت موجود ہے“، یہ حدیث نہیں ہے

”**سؤال:** «كل عُشْبَة نابتة في الأرض فيها حكمة ثابتة». [زمین سے اگنے والی ہر سبز گھاس میں ایک حکمت موجود ہے] کیا یہ حدیث ہے؟ ذوق تو اس کو حدیث تسلیم نہیں کرتا، مگر فیصلہ بغیر مراجعت و تحقیق کے کیسے کیا جاسکتا ہے۔

جواب: «كل عُشْبَة نابتة» حدیث نہیں ہے، صحاح ومسانید تو بڑی چیزیں ہیں اس کا ذکر تو موضوعات میں بھی نہیں ہے، یہ کسی حکیم کا قول ہے، اپنے پاس موجودہ کتابوں میں اس کے متعلق کچھ نظر سے نہیں گذرا، مگر معنی صحیح ہے، تمام مخلوقات خداوندی میں حکیم مطلق کی حکمت پوشیدہ ہے، ورنہ نعوذ باللہ لازم آئے گا کہ فعل الباری لغو بے حکمت ہو، حالانکہ مشہور ہے: «فعل الحكيم لا يخلو عن الحكمة، انتهى، فكيف بالحكيم المطلق»؟“ [حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا انتہیٰ، تو پھر حکیم مطلق کے کاموں کا کیا کہنا؟][1] .

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: كل عشبة نابتة في الأرض الخ، حدیث ہے؟ ١/٢٩٦، ٢٩٥۔

روایت نمبر ⑭

روایت: ”روزِ قیامت ایک منادی آواز لگائے گا: اے محمد! کھڑے ہو کر بلاحساب جنت میں داخل ہو جاؤ، اس آواز کو سن کر محمد نامی ہر شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے پکارا گیا ہے، کھڑا ہو جائے گا، انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کی وجہ سے نہیں روکا جائے گا (یعنی یہ سب جنت میں داخل ہو جائیں گے)“،

یہ من گھڑت روایت ہے

سوال: دوسری حدیث یہ تھی: «إذا كان يوم القيامة نادى مناد، يا محمد! قم فادخل الجنة بغير حساب، فيقوم كل من اسمه محمد يتوهم أن النداء له، فكرامة [كذا في الأصل] محمد ﷺ لا يمنعون. سيرة الحلبي (ص :۹۹/ ج۱)» [روز قیامت ایک منادی آواز لگائے گا: اے محمد! کھڑے ہو کر بلاحساب جنت میں داخل ہو جاؤ، تو محمد نامی ہر شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے پکارا گیا ہے، کھڑا ہو جائے گا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت کی وجہ سے انہیں نہیں روکا جائے گا، (یعنی یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے) سیرۃ حلبی]۔

آیا اس حدیث کو بیان کرنا کیسا ہے؟ کس درجہ کی حدیث پاک ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

جواب: ابو المحاسن عبد الرزاق بن محمد الطَّبَسی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے:

«قال السيوطي في اللآلي (ص :۱۰۵/ ۱): قال أبو المحاسن عبد الرزاق بن محمد الطَبَسِي في الأربعين: أنبأنا أبو عبد الله محمد بن

الفضل الفُرَاوِي، أنبأنا أبو سعيد محمد بن علي بن الخَشَّاب الصوفي، أنبأنا أبو عمرو أحمد بن أبي القراني: سمعت أبا الحسن محمد بن يحيي بن محمد الخطيب يقول: سمعت جدي محمد بن سهل بن إسحاق الزيفي [وفي نسختنا: الفَرَايِضِي] يقول: أخبرنا أبي يرفع الحديث إلى النبي ﷺ أنه قال: إذا كان يوم القيامة نادى مناد: يا محمد! قم فادخل الجنة بغير حساب، فيقوم كل من اسمه محمد، فيتوهم أن النداء له فلكرامة محمد ﷺ لا يمنعون. قال السيوطي: هذا معضل سقط عنه عدة رجال، انتهى.“ [ترجمہ گذر چکا ہے]

حدیث مذکور مجھے اور کہیں نہیں ملی، میرا خیال ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس کے بعد ”تنزیہ الشریعہ“ (ص:۲۲۶) پر نظر پڑی، اس کے مصنف نے نقل کر کے لکھا ہے: «قال بعض أشياخي: هذا حديث موضوع بلاشك». [مجھے میرے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بلا شبہ موضوع ہے] واللہ اعلم[1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: یامحمد قم فادخل الجنۃ الخ کی تحقیق، ۱/۳۰۰، ۲۹۹۔
حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسم محمد کے فضائل سے متعلق روایات کے بارے میں ”المنار المنیف“ (ص:۶۱) میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں ایک جزء تصنیف کیا گیا ہے جو تمام کا تمام جھوٹا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاسرار المرفوعۃ“ (ص:۴۱۵) میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

روایت نمبر ⑮

روایت: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پانچ مشہور وصیتیں کرنا“، انتہائی تلاش کے باوجود یہ روایت نہیں ملتی

”**سوال**: آج کل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوتے وقت کی ایک ہدایت شائع کی جارہی ہے اور دن بدن اس کی اشاعت میں ترقی ہورہی ہے اور اچھے سے اچھے طرز پر شائع کیا جارہا ہے، آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یا نہیں؟ یہ روایت کس حد تک صحیح ہے؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت ① چار ہزار صدقہ کرکے ② ایک قرآن پڑھ کے ③ جنت کی قیمت ادا کرکے ④ دو لڑنے والوں میں صلح کراکے ⑤ ایک حج کرکے، سویا کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم میں یہ کام کون کر سکتا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

❶ چار مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھنا۔۔۔ چار ہزار صدقہ کرنے کے برابر ثواب ہے۔

❷ تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنا۔۔۔ ایک قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ہے۔

❸ تین مرتبہ درود شریف پڑھنا۔۔۔ جنت کی قیمت ادا کرنے کے برابر ثواب ہے۔

④ دس مرتبہ استغفار پڑھنا۔۔دو لڑنے والوں میں صلح کرنے کے برابر ثواب ہے۔

⑤ چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھنا۔۔۔ ایک حج کرنے کے برابر ثواب ہے۔

جواب: مجھے معلوم نہیں، یہاں بھی گذشتہ سال اس پرچہ کی بہت اشاعت ہوئی، مختصر طور پر تلاش بھی کی اور دوسرے اربابِ علم سے استفسار بھی کیا لیکن کہیں پتہ نہ چلا، اب اگر آپ تحقیق و جستجو فرما کر مُعلِن (یعنی اعلان کرنے والے) کا پتہ لگا لیں اور پھر ان سے تحقیق کر لیں تو ہمیں بھی فائدہ ہو جائے[1]۔

ایک دوسرے انداز سے

"**سوال:** یہاں حج کے زمانے میں جیسا کہ مفتی محمود صاحب اور مولوی عاقل وغیرہ کو خوب معلوم ہے علوم کی اشاعت خوب ہوتی ہے، اشتہارات ورسائل وغیرہ خوب تقسیم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے منجملہ دوسری وجوہ کے حکومت کو تنگیاں بھی کرنی پڑتی ہیں، آج کل ایک اشتہار کی بہت زیادہ تشہیر ہو رہی ہے جو اس خط کی پشت پر ہے، نہ تو یہ معلوم کہ کس نے چھاپا، مگر ہر دوکان ہر دفتر میں مختلف لوگ تقسیم کرتے رہتے ہیں اور مقامی لوگ چونکہ اردو سے واقف نہیں اس لئے وہ یا تو پھاڑ دیتے ہیں یا کسی کے پاس تحقیق کیلئے بھیجتے ہیں، مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ میں نے کہہ دیا کہ حدیث مجھے معلوم نہیں، البتہ میں اپنے دوستوں کو سہارنپور بھیج دوں گا وہ اس کے

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: درود شریف کی فضیلت اور سوتے وقت ایک ہدایت، ۱/۳۳۵۔

متعلق تحقیق کر کے لکھیں گے، اصل اشتہار تو بہت لمبا چوڑا تھا اس کیلئے تو پورا لفافہ چاہئے تھا، اس لئے میں نے صرف حدیث کو نقل کرالیا، فقط والسلام!

حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت فیوضہم

بقلم حبیب ١٦ دسمبر ٧٤ء

وہ حدیث یہ ہے :

بسم الله الرحمن الرحيم: «قال رسول الله ﷺ: يا علي! لا تنم قبل أن تاتي بخمسة أشياء: وهي قراءة القران كله، والتصدق بأربعة آلاف درهم، وزيارة الكعبة، وحفظ مكانك في الجنة، وإرضاء الخصوم، فقال علي كرم الله وجهه: كيف ذلك يا رسول الله؟! فقال رسول الله ﷺ: أما تعلم أنك إذا قرأت: قل هو الله أحد ثلث مرات فقد قرأت القرآن كله، وإذا قرأت : لاإله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير عشر مرات فقد حفظت مكانك في الجنة، وإذا قلت: أستغفر الله العظيم الذي لا إله إلا هو الحي القيوم وأتوب إليه، فقد أرضيت الخصوم، وكل من يكتب هذا الحديث الشريف بخط يده ونقله من بلد إلى بلد بنى الله له قصرا فى الجنة، ومن كان فقيرا أغناه الله، ومن كان مديونا وكتبها قضى الله دينه».

جواب: گرامی نامہ باعث راحت دل وسکون قلب ہوا، حضرت والا کا ان دور اُفتادہ ناکارہ غلاموں کا یاد فرمانا بڑی عنایت کی بات ہے، أبقاكم الله تعالى

بِرَغَدِ عيش.

حدیث مذکور نہ تو پہلے دیکھنا یاد ہے اور نہ بعد میں تلاش کرنے سے ملی، حضرت اقدس مفتی محمود صاحب مدظلہ سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے پاس بھی یہ سوال کہیں سے آیا تھا اس حدیث کے متعلق، اور باوجود تتبع بالغ کے نہیں ملی۔

دعاؤں کی درخواست ہے اور روضۂ اطہر «على ساكنها أزكى الصلوات وأعطر التسليمات ونَوَامِي البركات ألف آلاف مرات» پر صلوۃ وسلام خادمانہ پیش فرما کر دعاء وتوجہ کی درخواست فرمادیں، والسلام[1]۔"

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: يا علي ! لا تنم قبل أن تاتي بخمسة أشياء الخ کی تخریج، ۱/۳۰۲، ۳۰۳۔

روایت نمبر ⑯

روایت: ”اللہ تعالیٰ زمین والوں پر عذاب بھیجنے کا ارادہ فرماتے ہیں، پھر جب بچوں کی قرآنی تعلیم کو سنتے ہیں تو عذاب کو ہٹالیتے ہیں“،

یہ روایت کہیں نہیں ملی

”**سؤال:** «إن الله يريد العذاب بأهل الأرض، فإذا سمع تعليم الصبيان (القران) صرف عنهم العذاب». الحديث [اللہ تعالیٰ زمین والوں پر عذاب بھیجنے کا ارادہ فرماتے ہیں، پھر جب بچوں کی قرآنی تعلیم کو سنتے ہیں تو عذاب کو ہٹالیتے ہیں، الحدیث]

جواب: حديث: «إن الله يريد العذاب الخ». مجھے کہیں نہیں ملی[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: فاذاسمع الصبیان الخ کی تخریج، ۱/۳۱۷۔

روایت ہذا کو امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند الدارمی“ (ص:۲۱۰۷، رقم:۳۳۸۸) میں ثابت بن عجلان انصاری سے نقل کیا ہے، ثابت بن عجلان انصاری صغار تابعین میں سے ہیں، اور موصوف نے اسے ”کان یقال“ (کہا جاتا ہے) کے لفظوں سے ذکر کیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو: ”حدثنا مروان بن محمد، حدثنا رِفْدَة الغَسَّاني، حدثنا ثابت بن عَجْلَان الأنصاري، قال: كان يقال: إن الله لَيريد العذاب بأَهل الأرض، فإذا سمع تعليم الصبيان الحكمة، صرف ذلك عنهم. قال مروان: يعني بالحكمة: القرآن“.

روایت نمبر ⑰

روایت: ”«طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة». (علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے)“، اس میں لفظِ «مسلمة» (مسلمان عورت) کا اضافہ ثابت نہیں ہے، لیکن معنی درست ہیں

”**سؤال:** «طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة». [علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے] اس حدیث میں «مسلمة» کا لفظ ثابت ہے؟ اگر ہے تو کتاب کا نام ازراہ کرم تحریر فرمائیں۔۔۔“۔

جواب: حدیث: «طلب العلم فريضة على كل مسلم». [علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے] ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تخریج کی ہے، اس میں ”مسلمة“ کی زیادتی ثابت نہیں ہے، جیسا کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے، لیکن معنی درست ہیں، فرائض وواجبات کا علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، مرد ہو یا عورت[1]۔“

مفصل انداز سے

”**سؤال:** حدیث: «طلب العلم فريضة» [طلب علم فرض ہے] میں «مسلمة» [مسلمان عورت] کی زیادتی اگرچہ معنیً ثابت ہے، مگر روایۃً ثابت نہیں ہے

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: طلب العلم فريضة الخ میں مسلمة کہاں ہے ؟ ۱/۳۱۷، ۳۱۸۔

جیسا کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”مرقاۃ“ میں جو لکھا ہے کہ بعض روایات میں یہ زیادتی ثابت ہے، کیا کسی اور نے بھی اس کو روایت قرار دیا ہے؟ بظاہر تو علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال درست نہیں ہے، مولانا سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کی ”شرح مسند امام اعظم“ دستیاب نہ ہو سکی، خیال پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔

جواب: «حديث: طلب العلم فريضة على كل مسلم». [حدیث: طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے] اگر چہ متعدد صحابہ سے مروی ہے، مگر کسی کی روایت میں «ومسلمة» [مسلمان عورت] کا لفظ نہیں ہے، اگر چہ آج کل زباں زد ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے (بستان، ص: ۳) میں اور امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اربعین کی شرح میں بطور روایت کے نقل کیا ہے، لیکن اس کا کوئی ثبوت روایۃً نہیں ہے:

«كما صرح به السخاوي في المقاصد الحسنة، وتبعه من جاء بعده كالعلامة الجَرَّاحِي في كشف الخَفاء (ص:٢/٤٥) والزَبِيدِي في الإتحاف (ص:١/٩٨)». [جیسا کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مقاصد الحسنہ“ میں اس کی وضاحت کی ہے، اور ان کے بعد آنے والوں میں جیسے علامہ جرّاحی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ میں اور زَبِیدِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اتحاف“ میں سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کی ہے]

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مختلف ہے، ”مرقاۃ“ میں (ص: ۱/۲۲۳) اولاً تو لفظ «حديث: طلب العلم فريضة على كل مسلم». [حدیث: طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے] کے بعد «مسلمة، كما في رواية» [مسلمان عورت، جیسا کہ ایک روایت میں ہے] لکھا ہے، لیکن آگے چل کر خود ہی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، فرماتے ہیں:

«وقد ألحق بعض المصنفين بآخر الحديث: ومسلمة، وليس لها ذكر في شيء من طرقه». [بعض مصنفین نے حدیث کے آخر میں «ومسلمة» ملا دیا ہے، حالانکہ اس کا ذکر کسی بھی سند میں نہیں ہے] یہ بعینہٖ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا نسبت کے ذکر کر دی ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "لمعات التنقیح" (ص:۲۷۴/۱) میں یہ زیادتی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی طرف منسوب کی ہے، اسی حدیث کی شرح میں آخر میں لکھتے ہیں:

«و هذاحديث مما رواه الإمام أبو حنيفة قال: سمعت أنس بن مالك يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة». [یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ حدیث ہے، آپ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: طلب علم ہر مسلمان مرد و ہر مسلمان عورت پر فرض ہے]

"لمعات" کے مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح یہ زیادتی یعنی «ومسلمة» [مسلمان عورت] اس روایت میں ہے، مگر شیخ موصوف نے یہی روایت "سفر السعادة" کی شرح میں (ص:۵۱۴) پر امام صاحب کے حوالہ سے اس زیادتی کے بغیر نقل کی ہے، اور یہی صواب ہے، اسی طرح "مسند الامام ابی حنیفہ" میں (ص:۲۰) جس پر علامہ سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح چڑھی ہوئی ہے اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث موجود ہے، ظن غالب یہ ہے کہ "لمعات" کے نسخہ میں «مسلمة» [مسلمان عورت] کی زیادتی کاتب کی غلطی ہے، والعلم عند الله سبحانه.

مولانا سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متعدد طرق کی طرف اشارہ تو کیا ہے، مگر اس زیادتی سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہیں کیا[1]۔ “

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: طلب العلم فریضۃ الخ میں ”مسلمۃ“ کی زیادتی، ۲۱۹/۲، ۲۱۸۔

روایت نمبر ⑱

بھنگ، سگرٹ نوشی، اور تارکِ نماز کی مذمت پر مشتمل یہ حدیثیں کہیں نہیں ملتیں، حتیٰ کہ من گھڑت روایتوں پر لکھی گئی کتابوں میں بھی نہیں ہیں

”سؤال: حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سوال آیا جس کا جواب لکھنے کو حضرت موصوف نے بندہ کو ارشاد فرمایا۔

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ ”محمد شاہ پناہ“ تقریباً دو سو سال قبل لاہور سے آکر بسلسلۂ تبلیغ کچھ (گجرات) میں مقیم ہوئے، نہایت باشرع تھے، ان کے کتب خانہ کی باقی ماندہ کتابوں میں ایک کتاب میں تارکِ نماز اور شاربِ دخان[سگرٹ پینے والا] کے بارے میں کچھ احادیث نقل کی گئی ہیں جو غیر معروف ہونے کے ساتھ مضمون کے اعتبار سے بھی غریب ہیں، اگر یہ احادیث کتبِ حدیث میں آپ نے دیکھی ہوں تو تحریر فرمائیں، وہ احادیث یہ ہیں :

❶ «قال النبي ﷺ: من سمع الأذان والإقامة ولم يحضر الجماعة، فكأنما زنى مع أمه ألف مرات».[آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اذان واقامت سنی اور جماعت میں حاضر نہ ہوا گویا کہ اس نے ہزار مرتبہ اپنی ماں سے زنا کیا]

❷ «قال النبي ﷺ: من أعان تارك الصلوة متعمدا بِذرّة، فكأنما زنى مع أمه ألف مرات». [آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اگر کسی نے جان

بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کی ذرّہ بھر مدد کی تو گویا کہ اس نے اپنی ماں سے ہزار مرتبہ زنا کیا]

③ «قال النبي ﷺ: سيأتي زمان على أمتي يأكل الدخان في فم، وليس من أمتي، وليس شفاعة له يوم القيمة». [آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ دھواں اپنے منہ میں داخل کریں گے، اور یہ لوگ نہ میری امت میں سے ہیں، اور نہ روز قیامت ان کی شفاعت ہوگی]

④ «قال النبي ﷺ: من أكل البَنْج مرة، فكأنما زنى مع أمه سبعين مرة». [آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک مرتبہ بھی بھنگ نوشی کی، اس نے اپنی ماں سے ستر مرتبہ زنا کیا]

جواب: یہ احادیث باوجود کثرتِ تتبع و تلاش کے کہیں نظر سے نہیں گذریں، حتیٰ کہ کتب موضوعہ للاحادیث الموضوعۃ [من گھڑت روایتوں پر لکھی گئی کتابوں] میں بھی ان کا پتہ نہیں چلتا ہے، واللہ اعلم!

(تتمہ) پھر بہت دنوں کے بعد ”مجموعۂ فتاوی“ لمولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۱۴۱، ج ۳) دیکھنے کی نوبت آئی، اس میں یہ عبارت ملی:

سوال: «كل دخان حرام، من أكل البنج لقمة فكأنما زنى مع بأمه». [ہر دھواں حرام ہے، جس نے بھنگ کا ایک لقمہ بھی کھایا، گویا کہ اس نے اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا] حدیث است یا نہ ؟

جواب: درکتبِ معتبرہ حدیث بنظر نر سیدہ وکسیکہ ایں را حدیث نوشتہ نہ باشد، مجرد نوشتن آں قابل اعتبار نیست، اعتبار بر قولِ محدث معتبر است کہ حدیث را باسند بیان نماید، وبعض وُعّاظ احادیث غیر معتبرہ را برائے تخویف وترغیب ذکر می کنند واز حال آں احادیث مطلع نمی باشد،

انتہی[۱]۔"

[یہ حدیث معتبر کتبِ حدیث میں نہیں گذری، اور نہ ہی کسی نے اس کو حدیث لکھا ہے، صرف اس کو لکھنا قابلِ اعتبار نہیں ہے، کسی معتبر محدث کے قول پر اعتماد کیا جائے گا، جو اس کو سند کے ساتھ بیان کرتا ہو، ویسے بھی بعض واعظین غیر معتبر روایات کو بطور تخویف و ترغیب ذکر کر دیتے ہیں، حالانکہ اس حدیث کے مکمل حالات سے مطلع نہیں ہوتے]

---

[۱] **اليواقيت الغالية**: من سمع الأذان والا قامة ولم يحضر الجماعة ---، ۶۰/۲-

حضرت لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۴ھ) نے "الآثار المرفوعة" (ص:۱۵) میں "کل دخان حرام" جیسی روایات لاکر انھیں موضوع قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

"ومن هذا القبيل أحاديث النهي عن شرب دخان التنباك، فإني رأيت في رسالة لبعض مانعيه أخبار منسوبة إلى النبي.

منها: كل دخان حرام. ومنها: كل جوف يدخل الدخان فيه من أوراق السُمُوْم يخرج من الإيمان. ومنها: سيأتي على الناس زمانٌ يأكل أمتي الدخان قلوبها سُوْد ووجوهها ناقص وشفتاها أخضر، فإنه ذريعة الشيطان من زمان نوح، وسقي من بوله، من أكله مرة لا يدخل الجنة. ومنها: دخان كل شيء حرام. ومنها: سيأتي على الناس زمان يشربون النار من ورق الشجر يحصل فيهم ست خصال: قلوبهم سوداء، ألسنتهم خُضْر، وفمهم رسوق [كذا في الأصل]، ورغبتهم ناقص، وبصرهم قليل، يعذبون في القبر أبدا. ومنها: من شرب الدخان ولا يتوب عند الموت فليس له شفاعتي يوم القيامة. ومنها: تظهر شجرة في بلاد الهند يشرب الناس دخانها، يذهب الدين والعقول في الدنيا. ومنها: من شرب الدخان القاحك [كذا في الأصل] ولو كان مرة دخل النار في بطنه ونفس قلبه بالنار.

وهذه الأخبار يشهد من له أدنى ممارسة بالمحاورات العربية فضلا عمن له مهارة بالأحاديث النبوية بأنها موضوعة مختلقة، وضعها المشددون من مانعي شرب الدخان، وتبوأوا مقاعدهم من النيران، وقد فصلت هذه المسألة في ذكر أقوال المانعين والمبيحين في رسالتي ترويح الجنان بتشريح حكم شرب الدخان فلتطالع".

روایت نمبر (۱۹)

روایت: ”نماز مؤمن کی معراج ہے“، یہ حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے

”حدیث: «الصلوة معراج المؤمن». [نماز مؤمن کی معراج ہے]

«اشتهر على ألسنة العوام أنه حديث مرفوع، وقد أَوْغَلْتُ في طلبه في مظانه فلم أعرفه، ولم أعْثُرْ له على سند، والظاهر أنه من كلام بعض السلف، وإن ثبت فمعناه أن الصلوة يحصل بها غاية القرب للمصلي بالرب تبارك وتعالى، كما حصل للنبي ﷺ في المعراج، ويحصل المحادثة والمناجاة كما ورد في الصحيحين وغيرهما: أن المصلي يناجي ربه. والله أعلم»[1].“ [لوگوں کی زبانوں پر یہ روایت مرفوعاً (آپ ﷺ کا قول) مشہور ہے، میں نے ممکنہ مقامات پر یہ روایت خوب تلاش کی ہے، لیکن مجھے یہ روایت کہیں نہ ملی، اور اس کی کسی بھی قسم کی سند حاصل نہ ہو سکی، بظاہر یہ سلف میں سے کسی کا کلام ہے، اور اگر یہ ثابت ہو تو اس کا معنی یہ ہو گا کہ نماز پڑھنے والے کو نماز میں رب تعالیٰ سے انتہائی قربت ہوئی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کو معراج میں انتہائی قربت حاصل ہوئی تھی، نیز نمازی (دورانِ نماز) رب تعالیٰ سے مناجاۃ کرتا ہے جیسا کہ ”صحیحین“ وغیرہ میں وارد ہے کہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ واللہ اعلم]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الصلوۃ معراج المؤمن۔۔۔، ۲/۶۲ - ۶۶۔

ایک دوسرے انداز سے

”روایت: «الصلوة معراج المؤمنين». [نماز مومن کی معراج ہے]

«الصلوة معراج المؤمنين». [نماز مومن کی معراج ہے] **حدیث نہیں ہے، کسی کا مقولہ ہے، غالباً اس کا مأخذ حدیث :** «المصلي يناجي ربه». [نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے] **اور حضور اکرم ﷺ کا معراج میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا ہے**[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: احادیث ورُوات کے متعلق بیس سوالات اور ان کے جوابات، ۲/ ۳۳۰۔

روایت نمبر (۲۰)

روایت: ”حضورِ قلب کے بغیر کوئی نماز نہیں“، یہ قصہ گوواعظوں کی حدیث ہے، میں اب تک ان الفاظ کے ساتھ اس کی اصل پر واقف نہیں ہو سکا ہوں

”**حدیث:** «لا صلوة إلا بحضور القلب». [حضورِ قلب کے بغیر کوئی نماز نہیں]۔

«هذا من حديث القُصَّاص والوُعَّاظ، ولم أقف له على أصل بهذا اللفظ...»[۱]." [یہ قصہ گوواعظوں کی حدیث ہے، میں اب تک ان الفاظ کے ساتھ اس کی اصل پر واقف نہیں ہو سکا ہوں۔۔۔]

* * * * *

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: الصلوۃ معراج المؤمن۔۔۔، ۶۲/۲ ۔۶۲۔

روایت نمبر (۲۱)

روایت: ''مرنے سے پہلے مر جاؤ''، یہ حدیث ثابت نہیں ہے

''**حدیث:** «موتوا قبل أن تموتوا». [مرنے سے پہلے مر جاؤ]

«هذا الحديث من أحاديث المتصوفة، معناه: إماتة الشهوات والانقطاع عن لذائذ الدنيا، ولا أعرفه من كلام النبي ﷺ، ثم رأيت السخاوي قال في المقاصد: قال شيخنا ـ يعني الحافظ ابن حجر ـ أنه غير ثابت، انتهى»[1].''

[یہ حدیث، صوفیاء کی احادیث میں سے ہے، جس کے معنی ہیں: شہوتوں کو ختم کرنا، اور لذاتِ دنیا سے دور رہنا، میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حیثیت سے نہیں پہچانتا، پھر میں نے سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا جو ''المقاصد'' میں لکھتے ہیں: ہمارے شیخ، یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، انتہیٰ]

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الصلوۃ معراج المؤمن۔۔۔، ۶۲/۲ - ۶۶۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاسرار المرفوعۃ'' (ص:۳۴۸، رقم:۵۳۹) میں روایت ''موتوا قبل أن تموتوا'' کو صوفیاء کرام کا کلام قرار دیا ہے، مکمل عبارت ملاحظہ ہو: ''قلت: هو من كلام الصوفية، والمعنى: موتوا اختيارا قبل أن تموتوا اضطرارا، المراد بالموت الاختياري ترك الشهوات واللَهوَات وما يترتب عليها من الزلّات والغفلات''.

روایت نمبر ㉒

روایت: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أنا أحمد بلا میم». (میں بلا میم احمد ہوں)“، اس حدیث کا کہیں وجود نہیں

”**سوال:** کیا یہ کوئی حدیث ہے، «أنا أحمد بلا میم». [میں بلا میم احمد ہوں]

جواب: یہ لفظ نہ کتبِ مشہورہ میں ہے اور نہ ہی کتب غیر مشہورہ میں، حتیٰ کہ وہ کتابیں جو صرف احادیثِ موضوعہ کے لئے خاص ہیں ان میں بھی اس کا وجود نہیں ہے[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا یہ کوئی حدیث ہے: ”انا احمد بلا میم“، ۱۱۱/۲۔

روایت نمبر (۲۳)

روایت: ”ابو ذر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چار باتوں کی وصیت فرمانا“، یہ روایت اب تک باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی

”**سؤال:** «قال أبو ذر رضي الله عنه: أوصاني خليلي ﷺ بأربع كلمات، هن أحب إليّ من الدنيا وما فيها، قال: يا أباذر! أحْكِم السفينة فإن البحر عميق، واستكثر الزاد فإن السفر طويل، وخَفِّف ظهرك فإن العقبة كَئوُد، وأخلص العمل فإن الناقد بصير».

[ابوذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے چار باتوں کی وصیت فرمائی، یہ باتیں مجھے دنیاومافیہا سے زیادہ محبوب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر! کشتی خوب مضبوط بناؤ کہ سمندر بہت گہرا ہے، اور توشہ خوب ساتھ لو کہ سفر بہت لمبا ہے، اور کمر ہلکی رکھو کہ گھاٹی دشوار گذار ہے، اور عمل کو خالص رکھو کہ پرکھنے والا خوب نظر والا ہے]

جواب: یہ روایت اب تک باوجود تلاش بسیار کے نہیں ملی[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۲/ ۱۲۴۔

حافظ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفردوس بماثور الخطاب“ (۵/ ۳۳۹، رقم: ۸۳۶۸) میں، حافظ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الزواجر عن اقتراف الکبائر“ (۱/ ۴۲) میں، علامہ اسماعیل حقی استنبولی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تفسیر روح البیان“ (۱/ ۴۲۸) میں یہی روایت بلاسند ذکر کی ہے۔

روایت نمبر (۲۴)

روایت: ”جس میں یہ چار خوبیاں ہوں اس کا ایمان کامل ہے، اگرچہ وہ سراپا خطاؤں میں (ڈوبا) ہو: سچائی، شکر، حیاء، اور اچھے اخلاق“۔

یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی

”**سؤال**: «أربع خصال من كن فيه كمل إيمانه، ولو كان له من قَرْنِه إلى قدمه خطايا: الصدق والشكر والحياء وحسن الخلق».

[جس میں یہ چار خوبیاں ہوں اس کا ایمان کامل ہے، اگرچہ وہ سراپا خطاؤں میں (ڈوبا) ہو: سچائی، شکر، حیاء، اور اچھے اخلاق]

جواب: یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۲/۱۲۵۔
حافظ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفردوس بماثور الخطاب“ (۱/ ۳۷۱، رقم: ۱۴۹۷) میں روایت ہذا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے، لیکن اس کی سند اب تک نہیں ملی ہے۔

روایت نمبر ۲۵

روایت: ”مؤمن کے دل کو خوش کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے“، یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ اب تک نہیں ملی، غالباً اس کا مضمون ایک دوسری حدیث سے ماخوذ ہے

سوال: «إدخال السرور في قلب مؤمن خير من عبادة ستين سنة». [مؤمن کے دل کو خوش کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے]

جواب: یہ حدیث بایں لفظ تو اب تک نہیں ملی، ہاں! «إدخال السرور في قلب المسلم» [مؤمن کے دل کو خوش کرنے] کی روایتیں کتبِ حدیث میں وارد ہیں، امام زکی الدین المنذری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الترغیب“ میں (ص: ۲/۱۴۶)، اور علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”منتخب الکنز“ (ص:۲/۵۳۰)، اور عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تخریج احیاء“ میں، اور نور الدین الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مجمع الزوائد“ (ص:۱۹۳) میں، «إدخال السرور على المسلم» کی فضیلت کی متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں، لیکن کسی حدیث میں اس حدیثِ مسئول کا مضمون نہیں ملا، غالباً یہ مضمون ایک حدیث سے ماخوذ ہے، جسے المنذری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الترغیب فی اطعام الطعام“ [کھانا کھلانے کی ترغیب میں](ص:۲/۶۵) بحوالہ ابن حبان، ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

«قال رسول الله ﷺ: تعبد عابد من بنى إسرائيل، فعبد الله في صَوْمَعَتِه ستين عاما، وأمطرت الأرض فاخضرّت، فأشرف الراهب من صَوْمَعَتِه فقال: لونزلت فذكرت الله فازددت خيرا، فنزل ومعه رغيف أو رغيفان، فبينما هو في الأرض لقيته امرأة، فلم يزل يكلمها وتكلمه

حتى غشيها، ثم أغمي عليه فنزل الغدير يستحمّ، فجاء سائل، فأوما إليه أن يأخذ الرغيفين، ثم مات، فوزنت عبادة ستين سنة بتلك الزنية، فرجحت الزنية بحسناته، ثم وضع الرغيف أو الرغيفان مع حسناته فرجحت حسناته فغفرله». رواه ابن حِبَّان في صحيحه[1]."

[آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گذار شخص تھا جس نے اپنے گرجے میں ساٹھ سال اللہ کی عبادت کی تھی، (ایک دفعہ) بارش ہوئی اور اس سے زمین خوب زرخیز ہوگئی، راہب نے گرجے سے یہ منظر دیکھا تو سوچا کہ اگر وہ نیچے آکر اللہ کا ذکر کرے تو وہ خیر میں آگے بڑھ جائے گا، سو وہ نیچے آگیا، اس کے پاس ایک، دو چپاتیاں تھیں، زمین پر چلتے چلتے ایک عورت سے ملاقات ہوگئی، اس سے باتوں میں مشغول ہو گیا، عورت بھی اس سے گفتگو کرنے لگی، حتیٰ کہ یہ شخص اس عورت کے ساتھ مبتلاء ہو گیا، پھر اس پر غشی طاری ہوگئی، (ہوش آنے پر) ایک تالاب میں نہانے کے لئے اترا تو ایک سائل آگیا، اس نے اشارے سے کہا کہ یہ دونوں چپاتیاں لے لو، پھر یہ شخص خود مر گیا، اس کی ساٹھ سالہ عبادت کا اس زنا سے موازنہ کیا گیا تو زنا اس کی نیکوں پر غالب ہو گیا، اس کے بعد اس کی ایک یا دو چپاتیاں نیکیوں کے ساتھ رکھی گئیں تو اس کی نیکیاں غالب ہوگئیں، بالآخر اس کی بخشش کر دی گئی۔ اسے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں تخریج کیا ہے]

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۱۲۵/۲۔

روایت نمبر (۲۶)

روایت: ”باری تعالیٰ بوڑھے شخص کو صبح وشام دیکھ کر فرماتے ہیں کہ مجھے تمہارے بڑھاپے کی وجہ سے تمہیں آگ میں عذاب دینے سے حیاء آتی ہے“۔ یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی

سؤال: «إن الله تعالى ينظر إلى وجه الشيخ صباحا ومساء، ويقول: عبدي! قد كبر سنك، ورق جلدك، ورق عظمك، واقترب أجلك، وحان قدومك إلي، فأستحي من شيبتك أن أعذبك في النار». [اللہ تعالیٰ بوڑھے شخص کے چہرے کو صبح وشام دیکھ کر فرماتے ہیں: میرے بندے! تمہاری عمر زیادہ ہوگئی ہے، تمہاری کھال پتلی ہوگئی ہے، ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، اور تمہاری اجل قریب ہے، اور میرے پاس آمد کا وقت آچکا ہے، سو مجھے تمہارے بڑھاپے کی وجہ سے تمھیں آگ میں عذاب دینے سے حیاء آتی ہے]

جواب: یہ حدیث بھی اب تک نہیں مل سکی[1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۱۲۶/۲۔

علامہ عبد الرحمن صفوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”نزہۃ المجالس“ (۲/ ۵۸) میں یہ روایت بلاسند حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ سے نقل کی ہے: ”عن أنس عن النبي □ قال: إن الله تعالى ينظر إلى وجه الشيخ صباحا ومساء، ويقول: كبر سنك ودق عظمك ورق جلدك واقترب أجلك، [كذا في الأصل، والصحيح: فاستحي] مني فإني أستحي منك“.

روایت نمبر ۲۷

روایت: «صل من قطعك، وعزّ من قنع». (جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ، اور جس نے قناعت اختیار کی وہ عزت پائے گا)

یہ روایت مجموعی طور پر اس طرح نہیں ملی

”سوال“: «صل من قطعك، وعزّ من قنع». [جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ، اور جس نے قناعت اختیار کی وہ عزت پائے گا]

جواب: یہ حدیث اب تک اس لفظ سے نہیں ملی، ”مسند احمد“ میں (ص: ۴/ ۱۵۸) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس طرح منقول ہے: «صل من قطعك، وأعط من حرمك، واعف عمن ظلمك». [جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ، جو تجھے محروم کرے اسے عطاء کر، جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کر][1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۲/ ۱۲۷۔

حافظ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”النہایۃ فی غریب الاثر“ (۴/ ۱۱۴) میں اور علامہ اسماعیل استنبولی رحمۃ اللہ علیہ نے ”روح البیان“ (۱/ ۱۶۱) میں مرفوعاً بلاسند ان الفاظ میں روایت کا دوسرا ٹکڑا ذکر کیا ہے: ”عزّ من قَنِعَ وذلّ من طَمِعَ“.

روایت نمبر ㉘

روایت: ”اپنی اولاد کا اکرام کرو، جس نے اپنی اولاد کا اکرام کیا، اللہ جنت میں اس کا اکرام کریں گے“۔

یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی

”سؤال“: «أكرموا أولادكم، فمن أكرم أولادهم أكرمه الله في الجنة».

جواب: یہ حدیث بھی اب تک نہیں ملی، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (ص:۲۸۸/۸) نے حارث بن نعمان لیثی کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: «قال: قال رسول الله ﷺ: أكرموا أولادكم، وأحسنوا أدبهم».“ [آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اولاد کا اکرام کرو، اور انہیں اچھے آداب سکھاؤ][1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ:۱۹، احادیث کی تحقیق، ۱۲۷/۲۔

روایت نمبر ﴿۲۹﴾

روایت: ”«الصدق ينجي، والكذب يهلك». سچ نجات دیتا ہے، اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے“۔

یہ لفظ بھی تلاش کے باوجود اب تک نہیں ملا، البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا اور پھر سچ سچ خدمت نبویہ میں عرض کر دینا اس روایت کے معنی کی صحت کی دلیل ہے

”سوال: «الصدق ينجي، والكذب يهلك». [سچ نجات دیتا ہے، اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے]

جواب: یہ لفظ بھی تلاش کے باوجود اب تک نہیں ملا، مولانا الشاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبۂ جمعہ میں یہ لفظ ذکر کیا ہے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا اور پھر سچ سچ خدمت نبویہ میں عرض کر دینا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جامع صغیر“ میں بحوالہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل کی ہے:

«عليكم بالصدق، فإنه باب من أبواب الجنة، وإياكم والكذب، فإنه باب من أبواب النار». [سچ کو لازم پکڑو، کیونکہ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اور جھوٹ سے بچو کہ یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے] لیکن اس کی سند میں ایک راوی کذّاب ہے۔

اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "کبیر" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

«عليكم بالصدق، فإنه يهدي إلى البر، وهما في الجنة، وإياكم والكذب، فإنه يهدي إلى الفجور وهما في النار. قال المنذري: سنده حسن»." [سچ لازم پکڑو، کیونکہ سچ نیکی کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور یہ دونوں جنت میں ہوں گے، اور جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ برائی کی جانب رہنمائی کرتا ہے، اور یہ دونوں جہنم میں ہوں گے۔ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے][1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۱۲۷/۲۔

روایت نمبر ۳۰

روایت: ”مومن کے جھوٹے میں شفاء ہے“، یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے

”سؤال“: «سؤر المؤمن شفاء». [مومن کے جھوٹے میں شفاء ہے]

جواب: یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لیکن علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا مضمون صحیح ہے:

«ففي الصحيحين أنه ﷺ كان إذا اشتكى الإنسان الشيء أو كانت به قَرْحَة أو جرح، قال بإصبعه هكذا - يعني وضع سبابته الأرض ثم رفعها - وقال: بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا ليشفى سقيمنا بإذن ربنا».[1]“

[کیونکہ صحیحین میں ہے کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے کسی تکلیف کا اظہار کرتا یا اسے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تو آپ ﷺ اپنی انگلی سے اس طرح کرتے، یعنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھ کر پھر اسے اٹھاتے، اور فرماتے: «بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا ليشفى سقيمنا بإذن ربنا»].

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۹، احادیث کی تحقیق، ۲/ ۱۲۷، ۱۲۸۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ”المصنوع“ (ص: ۱۰۶، رقم: ۱۴۴) میں فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل مرفوع روایت میں نہیں ہے، علامہ نجم الدین غزی ”اتقان ما یحسن“ (ص: ۲۳۵، رقم: ۹۱۵) میں اور علامہ احمد بن عبد الکریم ”الجد الحثیث“ (ص: ۱۱۶، رقم: ۲۰۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ ”النخبۃ البھیۃ“ (رقم: ۱۳۷) میں لکھتے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث میں نہیں ہے۔

فائدہ: روایت کی مزید تفصیل جاننے کے لئے دیکھئے: غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: حصہ اول، ص: ۳۳۸۔

روایت نمبر (۳۱)

روایت: ”حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصتی کے وقت گیارہ نصیحتیں کرنا“، یہ روایت بے اصل ہے

”**سوال**: الٰہ آباد سے ایک ماہانہ رسالہ ”معرفتِ حق“ کے نام سے جاری ہے، اس کا ایک پرانا شمارہ دسمبر ۶۹ء دیکھ رہا تھا، اس میں ایک مضمون نظر سے گذرا، اس میں لکھا ہے کہ کتاب ”سراج الہدایہ“ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زَہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا اور ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر رخصت فرمانے لگے تو اس رات ان کو گیارہ نصیحتیں فرمائیں، امت کے لئے ان میں بہترین سبق ہے:

فرمایا کہ بیٹی جب علی رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہونا تو ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ پڑھنا۔

دوسرے یہ کہ مکان کے صحن میں جاکر کسی لکڑی پہ بیٹھنا اور سر پر بھنے ہوئے دھان (یعنی دھان کا لاوا) بکھیر لینا۔

تیسرے یہ کہ علی رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ تمہارے دونوں پاؤں دھو کر اس کا غُسالہ مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دیں۔ پانچویں یہ کہ ہمیشہ سرمہ لگایا کرنا۔

چھٹے یہ کہ بغیر تیل لگائے سر اور بدن نہ دھونا، اگرچہ دن میں دوبار

یا زائد بار غسل کرنا پڑے، اور جب علی رضی اللہ عنہ تمہارے جانب دیکھیں تو تم اپنی نگاہ نیچی رکھنا۔

ساتویں یہ کہ غلام زرخرید کی طرح (شوہر کی) تابعدار اور فرمانبردار ہو کر رہنا۔

آٹھویں یہ کہ اپنے لئے خوشبو اور عطر کا استعمال برابر رکھنا۔

نویں یہ کہ جب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گفتگو کی نوبت آئے تو مسکرا دیا کرنا۔

دسویں یہ کہ ایک ہفتہ تک کوئی چیز سرکہ وترشی نہ کھانا۔

گیارہویں یہ کہ ایک ہی جگہ سات رات ودن نہ رہنا، انتہی۔

سند کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا مقام ہے؟ نیز یہ کتاب ”سراج الہدایہ“ کس درجہ کی ہے؟

جواب: ”سراج الہدایہ“ کے متعلق تحقیق نہیں ہے، اور یہ روایت بے اصل ہے، اس کا کچھ مضمون ایک روایت میں وارد ہے، مگر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے[۱]۔“

---

[۱] الیواقیت الغالیۃ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رخصت کرتے وقت ۱۱ نصیحتیں، ۱۸۶/۲۔

ان نصائح میں موجود پاؤں دھو کر اس کا غُسالہ مکان کے چاروں کونوں میں چھڑکنے، نیز ایک ہفتہ تک کوئی چیز سرکہ وترشی نہ کھانے والے مضمون پر مشتمل روایت کو کئی محدثین نے من گھڑت کہا ہے، چنانچہ حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الموضوعات“ (۲/ ۲۶۸) میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ (۲/ ۵۲۳) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوائد المجموعۃ“ (ص: ۱۶۴) میں، علامہ

روایت نمبر (۳۲)

روایت: ”اگر کوئی کھڑے ہو کر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لَد جاتا ہے“، یہ روایت قابلِ اعتماد نہیں ہے

”**سُؤَال**: کنگھا کھڑے ہو کر کرنا چاہئے یا بیٹھ کر؟ ایک امیر جماعت نے بتایا کہ کھڑے ہو کر کنگھا کرنے سے مفلسی آتی ہے، ایک صاحب کہتے ہیں کھڑے ہو کر بیٹھ کر دونوں طرح کر سکتے ہیں۔

جَوَاب: کنگھا کرنا ہر طرح جائز ہے، چاہے کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر، کسی معتبر روایت میں کوئی صورت ہمارے علم میں منقول نہیں ہے۔

صرف ایک غیر معتبر روایت میں یہ آیا ہے کہ: «من امتشط قائما ركبه الدين. رواه ابن عدي في الكامل عن عائشة رضي الله عنها مرفوعا». یعنی اگر کوئی کھڑے ہو کر کنگھا کرتا ہے تو اس پر قرض کا بوجھ لد جاتا ہے، لیکن یہ روایت قابل اعتماد نہیں ہے، اس کی سند میں احمد بن عبد اللہ الھَرَوِی الجُوَیبَارِی اور وہب بن وہب ابو البختری ہیں، اور دونوں کذاب دروغ گو ہیں، اور موضوع (جعلی) روایتیں بنانے والے ہیں، اسی لئے حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ”موضوعات“ (ص:۵۴/۳) میں داخل کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللآلی المصنوعة“ (ص:۲۶۸/۱)

ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعة“ (۲/۲۰۰) میں ان دونوں مضمونوں پر مشتمل روایات کو من گھڑت کہا ہے۔

اور اپنی دیگر تالیفات میں، اور علامہ ابن عَرَّاق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (ص:۲۶۹/۲) میں ان کی موافقت کی ہے[1]۔"

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کنگھا کرنے کی ہیئت، ۲/۱۸۸، ۱۸۷۔

روایت ہذا کے متعلق حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ "الکامل" (۱/ ۱۷۷، رقم:۱۷) میں فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایت ہے، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے "ذخیرۃ الحفاظ" (۴/ ۲۲۲۷، رقم:۵۱۷۲) میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (۱/ ۲۴۹) میں اسے من گھڑت کہا ہے۔ واضح رہے کہ مذکورہ روایت جویباری کے علاوہ دو (۲) دوسرے طرق سے بھی منقول ہے:

❶ عمران بن سوَّار کا طریق: حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان الاعتدال" (۳/ ۲۳۸) میں اس طریق سے روایت کو من گھڑت کہا ہے، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (۱/ ۹۲) میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

❷ موسی بن سندی کا طریق: اس طریق کو حافظ حمزہ سہمی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ جرجان" (ص:۴۶۰، رقم:۱۰۲۴) میں تخریج کیا ہے، اس سند میں تین (۳) ایسے راوی ہیں جن پر محدثین نے سکوت فرمایا ہے، اور حال یہ کہ روایت کے متن کو پانچ محدثین نے مختلف سندوں سے من گھڑت کہا ہے، چنانچہ یہ طریق بھی روایت کو ضعف شدید سے نکالنے میں قاصر ہے۔ ایک اہم نکتہ کی بات یہ بھی ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس متن کو وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہہ کر نقل کیا ہے، دیکھے: الحاوی للفتاوی: ۲/ ۳۹۔ روایت کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: حصہ دوم، ص:۲۰۹۔

روایت نمبر (۳۴)

یہ حدیث جو عمر بن خیام جنّی کے نام سے شائع کی جارہی ہے متعدد وجوہ سے غیر معتبر ہے

"سُؤَال: ایک اشتہار اس طرح شائع ہوا ہے، جس میں ایک جن صحابی کا حسب ذیل مضمون ہے، کیا یہ درست ہے؟

«من أمير المؤمنين خليفة المسلمين سلطان الأجِنَّة سيدنا حضرت عمر بن خيام رضي الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أصحابي كلهم كنجوم السماء المشرقة، وواحد منهم يعيش طويلا، ويجعل خليفة في الناس في أواخر أربع مائة وألف من الهجرة النبوية، فهو يظهر بسنتي، وتفترق أمتي على ثلث وسبعين فرقة كلهم في النار إلا واحدة، فقالوا : ومن ذاك يا رسول الله! قال: هو من سَنَّ بسنتي وسنة خليفتي، أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم، أجزت الحكيم إحسان الهي أن يروي هذا الحديث عني».

[امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، جنات کے سلطان، ہمارے آقا حضرت عمر بن خیام رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: میرے صحابہ تمام تر آسمان کے روشن ستاروں کی مانند ہیں، اور ان میں ایک صحابی لمبی زندگی پائے گا، جسے چودھویں صدی ہجری نبوی کے آخر میں لوگوں کا خلیفہ بنایا جائے گا، یہ شخص میری سنتوں کو ظاہر کرے گا، درحالیکہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ چکی ہوگی، سوائے ایک کے وہ سب جہنم میں جائیں گے، لوگوں نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ کون

لوگ ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے، جو میری سنتوں کو رائج کریں اور میرے خلیفہ کے طریقوں کو چلائیں، میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں جس کی بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پالو گے۔ میں نے حکیم احسان الٰہی کو اس حدیث کی اپنی طرف سے نقل کرنے کی اجازت دی]

جواب: یہ حدیث جو عمر بن خیام جنّی کے نام سے شائع کی جارہی ہے متعدد وجوہ سے غیر معتبر ہے:

❶ اولاً تو اس لئے کہ جن محدثین کرام نے اپنی کتابوں میں جنات صحابہ کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس نام کا کوئی صحابی ذکر نہیں کیا، اسی طرح جن روایات میں جنات کے وفد کا ذکر ہے اور ان میں بعض جنات کے نام ملتے ہیں ان میں بھی یہ نام نہیں ہے۔

❷ ثانیاً اس لئے کہ حدیث: «أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم». متعدد صحابہ حضرت جابر، ابن عمر، ابو ہریرہ، انس بن مالک، ابن عباس، حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کی جاتی ہے، اور کسی صحابی کی روایت میں «وواحد منهم يعيش طويلا الخ». [ان میں سے ایک لمبی زندگی پائے گا الخ] کا اضافہ نہیں ہے، کیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زیادتی صرف اسی جن سے بیان فرمائی اور کسی سے نہیں بیان فرمائی؟

❸ ثالثاً اس لئے کہ اس میں «أواخر أربع مائة وألف من الهجرة النبوية» یعنی چودھویں صدی ہجری کا آخر ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ سنین ہجریہ سے تاریخ کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی، جب سلطنتِ اسلامی وسیع ہوگئی، اور دار الخلافہ مدینہ منورہ سے آنے جانے والے بعض فرامین وخطوط میں اور بعض دیگر دستاویزوں میں تاریخ نہ ہونے کی

وجہ سے بعض اوقات دشواریاں پیش آئیں، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے ہجرت سے تاریخ کی ابتداء فرمائی، اس لئے کہ ہجرت فروغِ اسلام کا پیش خیمہ بنی، اس کی تفصیل ”فتح الباری“ (ص: ۸/۲۷۰) وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

❹ رابعاً اس لئے کہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نُقَّادِ فن نے تصریح کی ہے کہ کسی حدیث میں کسی واقعہ کے وقوع کی تاریخ کا ہونا اس کے موضوع ہونے کی علامت ہے:

«قال(ص:٦٣): ومنها: أن يكون في الحديث تاريخ كذا وكذا، مثل قوله: إذ كان سنة كذا وكذا وقع كيت وكيت، وإذ كان شهر كذا كذا وقع كيت وكيت». [آپ فرماتے ہیں: موضوعات کی ایک علامت یہ کہ حدیث میں ایسی ایسی تاریخ ہو، مثلاً جب یہ سال ہو گا تو اس اس طرح واقعات ہوں گے، جب یہ مہینہ ہو گا تو اس اس طرح کے واقعات ہوں گے]

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات کبری“ میں (ص: ۹۵) یہ قاعدہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ سے بلا کسی نکیر کے نقل کیا ہے۔

❺ خامساً اس لئے کہ اس میں «يجعل خليفة في الناس» [اسے لوگوں کا خلیفہ بنایا جائے گا] ہے، اور خلیفہ بننے کی دو صورتیں ہیں: یا تو خلیفہ سابق نامزد کر دے، جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد فرما دیا تھا، یا اہل الحل والعقد یعنی علماء یا اہل الرائے کی ایک جماعت خلیفہ منتخب کر دے، جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے خلفاء کی تعین میں ہوا، ایک تیسری صورت علماء نے تغلّب کی لکھی ہے: «قال في الدر

المختار: وتصح سلطنة متغلّب للضرورة». [درمختار میں کہا ہے: ضرورتاً مُتَغَلِّب کی سلطنت صحیح ہو جاتی ہے] یعنی اگر کوئی زبردستی اپنی طاقت اور زور سے بغیر اہلِ حل وعقد کی بیعت کے امام الناس بن جائے تو بضرورتِ دفع فتنہ وفساد جائز ہے، لیکن جو صحابیت کا دعویدار ہے اس سے یہ تیسری شکل بعید ہے، اور پہلی دونوں صورتیں یہاں موجود نہیں۔

❻ سادساً اس لئے کہ خلافت کے لئے خاندانِ قریش کا فرد ہونا ضروری ہے:

«قال النبي ﷺ: الأئمة من قريش. رواه أحمد في رواية: الأمراء من قريش. رواه أبو يعلى و الطَبَرَانِي». [نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ائمہ قریش میں سے ہوں گے۔ اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے، ایک اور روایت میں ہے: امراء قریش میں سے ہوں گے۔ اسے ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ وطبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "صحیح بخاری" میں (ص: ۱۰۵۷) ایک مستقل باب "الأمراء من قريش" [امیر قریش میں سے ہوں گے] منعقد کیا ہے۔

قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«واشتراط كون الإمام قرشيا هو مذهب العلماء كافة، وقد احتج به أبو بكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ على الأنصار يوم السقيفة فلم ينكره أحد، وقد عدها العلماء في مسائل الإجماع، ولم ينقل عن أحد من السلف قول ولا فعل يخالف ماذكرنا، ولا اعتداد بقول النَظَّام ومن وافقه من الخوارج وأهل البدع أنه يجوز كونه من غير قريش».

[امام کے قریشی ہونے کی شرط تمام علماء کا مذہب ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے سَقِیْفَہ کے دن انصار کے سامنے اسی روایت سے دلیل پکڑی جس پر کسی نے انکار نہیں کیا، اور اسے علماء نے اجماعی مسائل میں شمار کیا ہے، اور ہماری ذکر کردہ بات کے خلاف سلف سے کوئی قول وفعل منقول نہیں ہے، اور نَظَّام اور اس کے موافق خوارج وبدعتیوں کا یہ کہنا کہ غیر قریش کا امام بننا جائز ہے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا]

یعنی امام المسلمین کا قریشی ہونا اجماعی مسئلہ ہے، اور بعض اہل بدعت جو غیر قریشی کی امامت کے قائل ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اب جب کہ غیر قریشی انسان ہونے کے باوجود امام نہیں بنایا جاسکتا ہے تو جنات کا کیا سوال ہوتا ہے۔

ان امورِ مذکورہ کے علاوہ اس شائع شدہ پوسٹر میں ایسے لفظی نقائص بھی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی بعد کے شخص کا خود ساختہ ہے، مزید یہ ہے کہ اعلان ۱۳ صفر ۱۳۹۸ھ کا ہے، اور آج ۳۰ شعبان ۱۳۹۸ھ ہے، خلیفہ صاحب بزعم خود خلیفہ ہوگئے، اور امورِ مسلمین کی تدبیر واصلاح کا اب تک کوئی کام انجام نہیں دیا (بلکہ اب تو چودھویں صدی ختم ہو کر پندرھویں کا افتتاح ہوگیا، اور اب تک نہ مسلمین کا غلبہ ہوا، نہ خلیفہ صاحب رونما ہوئے)۔

اب اس کے بعد یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: «من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار. رواه البخاري ومسلم من حديث أبي هريرة رضي الله عنه». [جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے]

یعنی جو آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے اس طرح جعلی روایت کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور ایک جماعت کا تو خیال یہ ہے کہ ایسا شخص دائرہ ایمان ہی سے نکل جاتا ہے، اور جمہور کے نزدیک اگر چہ آدمی ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا لیکن یہ کم ہلاکت کی بات نہیں کہ گناہ کبیرہ بلکہ بہت بڑے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جائے اور جہنم کی وعید کا مورد بنے، اور اگر کسی شخص نے جعلی روایت آپ ﷺ کی طرف منسوب کی تو ایسا شخص محدثین کے یہاں ہمیشہ کے لئے مردود الروایۃ ہو جاتا ہے، اس کی ساری روایتیں غیر معتبر ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس طرح کی روایت کے نقل کرنے سے احتراز کرنا لازم اور اس سے بچنا واجب ہے، نگاہِ شارع میں ایسا شخص لائق قتل ہے۔

عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ "المصنف" (ص:۳۰۸/۵) میں روایت کرتے ہیں: «عن ابن التيمي عن أبيه أن عليا رضي الله عنه قال فيمن كذب على النبي ﷺ: يضرب عنقه». [ابن تیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا اس کی گردن اڑادی جائے]

عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت میں ہے: «عن معمر عن رجل عن سعيد بن جبير: أن رجلا كذب النبي ﷺ، فبعث عليا رضي الله عنه والزبير رضي الله عنه فقال: اذهبا فإن أدركتماه فاقتلاه». [معمر، عن رجل، عن سعید بن جبیر کی سند سے منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا تو آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ جاؤ، اگر وہ تمہیں ملے تو اسے قتل کر دینا]

اسی طرح "مصنف عبد الرزاق" کے مطبوعہ نسخہ میں «كذب النبي ﷺ» واقع ہوا ہے، لیکن عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر «عقوبة من كذب على النبي ﷺ» [نبی ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کی سزا] کا ترجمہ منعقد کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں «من كذب على النبي ﷺ». [جس نے نبی ﷺ پر جھوٹ بولا] ہے، فقط[1]۔"

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: جن کی صحابیت کی غلط افواہ، ۲/۱۹۷، ۱۹۵۔

روایت نمبر (۳۴)

روایت: ”گناہ، کفر کا قاصد ہے“۔

میرا (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کا) خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے

”**سؤال**: اور کیا «المعاصي بريد الكفر». [گناہ، کفر کا قاصد ہے] حدیث یا مفہوم حدیث ہے؟

جواب: «المعاصي بريد الكفر. قال الجرّاحي في كشف الخفاء (ص: ٢/٢١٣): المعاصي بريد الكفر. أي: تجر إليه، لم أره من ذكره غير أن ابن حجر المكي في شرح الأربعين قال: أظنه من قول السلف، وقيل: إنه حديث، وهو معنى ما قيل: الصغيرة تجر الكبيرة، وهي تجر الكفر وهو معنى بريد الكفر، فافهم، انتهى».

[معاصی، کفر کا قاصد ہے، جرّاحی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ میں کہا ہے: گناہ، کفر کا قاصد ہے، یعنی کفر کی جانب لے جاتا ہے، میں نے ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی کو اسے ذکر کرتے نہیں دیکھا، آپ ”شرح اربعین“ میں لکھتے ہیں: میرا یہ گمان ہے کہ یہ سلف کا قول ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ہے، اور اس کا معنی یہ ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ چھوٹا گناہ بڑے گناہ کو، اور بڑا گناہ کفر کو کھینچتا ہے، اور یہی ”برید الکفر“ کا معنی ہے، سمجھ لیجئے، انتہیٰ]

میرا خیال یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، اور محض کسی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث ہے کافی نہیں ہے، جب تک کہ اس کا مخرج معلوم نہ ہو جائے[1]۔“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ”المعاصی برید الکفر“ کیا حدیث ہے؟ ۲/۲۱۴، ۲۱۱۔

روایت نمبر ۳۵

روایت: ”معراج کے موقع پر باری تعالیٰ کا فرمان کہ آپ (ﷺ) جوتے نہ اتاریں، جوتوں سمیت آجائیں“، یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے

”**سؤال**: لوگ ایک حدیث شریف نقل کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ کا مرتبہ ومقام اتنا بلند تھا کہ جب معراج میں تشریف لے گئے تو نعلین شریفین اتارنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ جوتے نہ اتاریں، آپ کے جوتے آنے سے میرے عرش کی عزت بڑھ جائے گی۔

جواب: نعلین شریفین کے ساتھ عرش پر جانا میری نظر سے نہیں گذرا، یہ روایت بے اصل معلوم ہوتی ہے[۱]۔“

حافظ ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حلیۃ الاولیاء“ (۱۰/ ۲۲۹) میں، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الایمان“ (۹/ ۳۸۴، رقم: ۶۸۳۱) میں مذکورہ جملہ کو ابو حفص نیشاپوری (المتوفی ۲۶۴ھ) کے مقولہ کے طور پر سنداً نقل فرمایا ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو: ”سمعت أبا عبد الرحمن السلمي يقول: قرأت بخط أبي عمرو بن حمدان [قال: سمعت أبي يقول] قال أبو حفص: المعاصي بَريد الكفر كما أن الحُمَّى بَريد الموت“. علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”فیض القدیر“ (۲/ ۳۷۱) میں اسے ”قال بعض السلف“ کہہ کر لکھا ہے۔

[۱] الیواقیت الغالیۃ: کیا معراج میں حضور ﷺ نعلین کے ساتھ گئے، ۲/ ۳۸۱، ۳۸۲۔

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد مقری مالکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی حول ۱۰۴۱ھ) نے ”فتح المتعال فی مدح خیر النعال“ میں، اور علامہ محمد بن عبد الباقی زُرقانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) نے ”شرح المواہب اللدنیۃ“ میں اور علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الآثار المرفوعۃ“ (ص: ۳۷) میں اس روایت کو موضوع کہا ہے، علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

روایت نمبر ۳۶

”مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر نقصانات“، اس کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں

”**سُؤَال**: فضائل نماز میں فوائد مسواک کے ذیل میں لکھا ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے، کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہے؟ بعد میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستر مضرتیں

”فمنها: ما يذكرون من أن النبي لما أسري به ليلة المعراج إلى السموات العلى ووصل إلى العرش المعلى، أراد خلع نعليه أخذا من قوله تعالى لسيدنا موسى حين كلمه: فاخلع نعليك إنك بالواد المقدس طوى. فنودي من العلي الأعلى يا محمد! لا تخلع نعليك، فإن العرش يتشرف بقدومك متنعلا، ويفتخر على غيره متبركا، فصعد النبي إلى العرش وفي قدميه النعلان وحصل له بذلك عز وشأن.

وقد ذكر هذه القصة جمع من أصحاب المدائح الشعرية، وأدرجها بعضهم في تأليف السنية، وأكثر وعاظ زماننا يذكرونها مطولة ومختصرة في مجالسهم الوعظية. وقد نص أحمد المقري المالكي في كتابه ”فتح المُتَعَال في مدح خير النِعَال“، والعلامة رضي الدين القزوِيني ومحمد بن عبد الباقي الزَرْقَانِي في ”شرح المواهب اللَّدُنِّيَّة“ على أن هذه القصة موضوع بتمامها، قبح الله واضعها، ولم يثبت في رواية من روايات المعراج النبوي مع كثرة طرقها أن النبي كان عند ذلك متنعلا، ولا ثبت أنه رقي على العرش، وإن وصل إلى مقام دنا من ربه فتدلى فكان قاب قوسين أو أدنى فأوحى ربه إليه ما أوحى. وقد بسطت الكلام في هذا المرام في رسالتي ”غاية المقال فيما يتعلق بالنعال“ فلتطالع“.

ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

جواب: مسواک کے ستر فوائد اور افیون کے ستر ضرر کے متعلق مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں[1]۔"

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: مسواک کے ستر فائدے کس روایت میں ہے؟ ۲/ ۳۸۵۔

روایت نمبر ۳۷

روایت: "عدلِ فاروقی کا مشہور قصہ جس میں حضرت عمر ؓ نے اپنے بیٹے کی قبر پر کوڑے مارے"، یہ بے اصل ہے، اور صحیح قصہ دوسرا ہے

"**سوال**: ماہنامہ "حسن اخلاق" کے اندر مضمون شائع کیا ہے: "عدلِ فاروقی کی ایک جھلک" تفصیل مندرجہ ذیل ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں آپ کے ایک صاحبزادہ ابو شحمہ عبد الرحمن نے ایک عورت سے بنی نجار کے باغ میں شراب کے نشہ میں زنا کیا، عورت کو اس حرام کاری سے بچہ پیدا ہوا، عورت اس بچہ کو لے کر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئی اور دعوی کیا کہ حضرت یہ آپ کا بچہ ہے، آپ نے اس واقعہ کی تحقیق کے بعد ابو شحمہ پر حدِ رجم جاری کیا اور اسی حالت میں اس بچے کا انتقال ہو گیا۔

رسالہ "البدر" جو لکھنؤ سے مولانا عبد العلی صاحب فاروقی لکھنوی شائع کرتے ہیں، انہوں نے اس کی تکذیب کی، اور فرمایا کہ یہ یہودیوں کی حضرت عمر ؓ پر بہتان اور افترا پردازی ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، تو حضرت آپ سے رجوع کرنا پڑا، جواب سے ضرور نوازیں گے۔

جواب: یہ واقعہ موضوع ہے، ابن الجوزی ؒ نے اس کو موضوع کہا ہے، علامہ سیوطی ؒ نے "اللآلی" (ص: ۱۹۸/ ۲) اور ابن عرّاق نے "تنزیہ الشریعۃ" میں (ص: ۱۲۲/ ۲) ان کی موافقت کی ہے، اسی طرح ان کی لاش یا قبر پر کوڑے مارنے کا قصہ مشہور رہا ہے، لیکن بے اصل ہے[1]۔"

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: عدلِ فاروقی کے ایک واقعہ کی تحقیق، ۲/ ۳۸۶۔

روایت نمبر (۳۸)

روایت: «الدنیا زور لا یحصل إلا بالزور» [دنیا جھوٹ ہے، جھوٹ ہی سے ملتی ہے]، یہ باطل ہے، اور «وإنما ولدتُ بزمن الملك العادل» [میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں] محدثین کے نزدیک یہ روایت ثابت نہیں ہے

”**سؤال:** دو حدیثیں «الدنیا زور لا یحصل إلا بالزور» [دنیا جھوٹ ہے، جھوٹ ہی سے ملتی ہے] اور «وإنما ولدتُ بزمن الملك العادل» [میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں] کی تحقیق مطلوب ہے، جواب سے نوازیں۔

اس روایت کو مذکوہ مشہور تفصیل کے ساتھ حافظ جوزَقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاباطیل والمناکیر“ (ص:۲۹۰) میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تلخیص الموضوعات“ (ص:۳۵۸) میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاصابة“ (۷/ ۱۰۱) میں من گھڑت کہا ہے۔

اس قصہ میں ابو شحمہ کی جانب زنا کو منسوب کرنا، نیز یہ کہنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر ان کو کوڑے مارے، حتی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبر پر بقیہ کوڑے مارے، یہ سب من گھڑت ہے، البتہ صرف اتنا ثابت ہے کہ مصر میں ابو شحمہ نے نبیذ پی لی تھی، جس میں نشہ تھا، آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ مجھے اس پر کوڑے لگائے جائیں، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے اندر انھیں کوڑے لگوائے، اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا کہ ابو شحمہ کو عام مسلمانوں کی طرح برسرِ عام کوڑے کیوں نہیں مارے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینہ میں دوباہ برسرِ عام کوڑے مارے، بعد میں اتفاق سے ابو شحمہ طبعی طور پر بیمار ہوگئے اور ان کا انتقال بھی ہوگیا، یہ نہیں کہ کوڑے لگنے سے انتقال ہوا ہے، لیکن لوگوں نے اس واقعہ کے ساتھ دیگر من گھڑت باتیں چسپاں کر کے مشہور کر دیں۔ روایت ہذا کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ (حصہ اول، ص:۷۲)۔

جواب:

❶ حدیث «الدنيا زور لا يحصل إلا بالزور» [دنیا جھوٹ ہے، جھوٹ ہی سے ملتی ہے] **باطل ہے، کتبِ حدیث میں ہماری معلومات میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے، اور ابھی تک کسی معتمد شخص کے کلام میں بھی یہ مقولہ نظر سے نہیں گذرا۔**

❷: «إنما ولدت بزمن الملك العادل» **یا** «إنما ولدت بعهد الملك العادل» [میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں] **یہ حدیث زبان زد ہے، متعدد لوگوں نے اپنی کتابوں میں بلاسند** «إنما ولدت في زمن الملك العادل» **کے الفاظ سے نقل کی ہے، بعض جگہ،** «ولدت» [پیدا ہوا ہوں] **کے بجائے** «بعثت» [بھیجا گیا ہوں] **آیا ہے، بوستاں کے حاشیہ پر** «أنا ولدت في زمان الملك العادل» [میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں] **آیا ہے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتوحات مکیہ" (ص: ۴/۳۰) میں لکھا ہے:** «قال ﷺ في تاريخ ميلاده عن كسرى وهو من جملة النُوَّاب الملوك، قال: ولدت في زمان الملك العادل». [آپ ﷺ نے اپنے زمانہ ولادت کی تاریخ بتاتے ہوئے کسریٰ - جو منجملہ قائم مقام بادشاہوں میں سے تھا- کے بارے میں فرمایا: میں عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوا ہوں]۔

لیکن محدثین کے نزدیک کوئی لفظ بھی ثابت نہیں: «قال الصَغَانِي: حديث: ولدت في زمن ملك عادل. موضوع». [صَغانی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ حدیث: میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، **من گھڑت ہے**]

«وقال علي القاري في الموضوعات: ولدت في زمن الملك

العادل. قال السخاوي: لا أصل له، وقال الزركشي: كذب باطل، وقال السيوطي: قال البيهقي في شعب الإيمان: تكلم شيخنا أبو عبد الله الحافظ ببطلان مايرويه بعض الجهلاء عن نبينا ﷺ: ولدت في زمن الملك العادل يعني نوشيروان، انتهى.

وقال أبو سعد بن السمعاني الحافظ: سمعت أبا أحمد السِنْجِي بمرو يقول: سمعت أبا عبد الله محمد بن عبد الواحد الحافظ يقول: سمعت الزكي أبا عبد الله إسمعيل بن عبد الغافر الفارسي يقول: سمعت محمد بن عبد الواحد الأصبهاني قال: يحكى أن القاضي أبا بكر الحِيْرِي حكى له شيخ من الصالحين: أنه راى النبي ﷺ في المنام قال: فقلت له يا رسول الله! بلغني أنك قلت: ولدتُ في زمن الملك العادل، و إني سألت الحاكم أبا عبد الله الحافظ عن هذا فقال: هذا كذب ولم يقله رسول الله ﷺ، فقال النبي ﷺ: صدق أبو عبد الله، انتهى.

وحكى هذه الحكاية الحافظ أبو القاسم بن عساكر في تبيين كذب المُفْتَرِي (ص :۲۳۰) عن أبي حازم العَبْدَوِي الحافظ أنه حكاها عن القاضي أبي بكر الحِيْرِي، وكذا نقل التاج السُبْكِي في طبقاته (ص :۳/٦٦) عن أبي حازم.

فهؤلاء الأئمة: الحاكم ومن تبعه كالبيهقي و أبي حازم العَبْدَوِي والقاضي أبي بكر الحِيْرِي و محمد بن عبد الواحد الأصبهاني و إسماعيل بن عبد الغافر و محمد بن عبد الواحد الحافظ و أبي أحمد السِنْجِي و أبي القاسم بن عساكر و أبي سعد بن السمعاني اتفقوا على

كذب هذا الحديث وبطلانه .

وقد يروى عن بعض الأئمة ما يقتضي ثبوته، فقد قال الحافظ ابن رجب في ذيل طبقات ابن أبي يعلى[المسمى بطبقات الحنابلة] في ترجمة أبي عمر بن قدامة الحنبلي (ص :٤/٥٧) : قال أبو المظفر يعني السِبْط ابن الجوزي: كراماته كثيرة وفضائله غزيرة، فمنها: أني صليت يوم جمعة بجامع الجبل في أول سنة ست وستمائة، والشيخ عبد الله البوتاني إلى جانبي، فلما كان آخر الخطبة وأبو عمر يخطب، نهض الشيخ عبد الله مسرعا وصعد إلى منارة قريبة وكان نازلا بها، فظننت أنه احتاج إلى الوضوء أو آلمه شيء، فلما صليت الجمعة صعدت وراءه وقلت له: خير، ماالذي أصابك؟ فقال: هذا أبو عمر ما تحل خلفه صلوة، قلت : ولِمَ؟ قال لأنه يقول على المنبر ما لا يصلح، قلت: وما الذي يقول؟ قال: الملك العادل، وهو ظالم فما يصدق، وكان أبو عمر يقول في آخر الخطبة: اللّٰهُمَّ أصلح عبدك الملك العادل سيف الدين أبا بكر بن أيوب، فقلت له: إذا كانت الصلوة خلف أبي عمر لا تصلح فياليت شعري خلف من تصح؟

وبينا نحن في الحديث، وإذا بالشيخ أبي عمر قد دخل ومعه مئزر، فسلم وحل المئزر وفيه رغيف وخيارتان فكسر الجميع، وقال: بسم الله الصلوة [كذا في الأصل] ثم قال ابتداء: قد جاء في الحديث أن النبي ﷺ قال: ولدتُ في زمن الملك العادل كسرى. فنظر إليّ الشيخ عبد الله وتبسم ومد يده فأكل، وقام أبو عمر فنزل، فقال الشيخ عبد الله: ماذا؟ إلا رجل صالح [كذا في الأصل، والصحيح: ما

ذا إلا رجل صالح]، انتهى.

وقد نقل الحافظ ابن كثير هذه الحكاية في البداية والنهاية (ص: ١٣/٦٠) : ولفظ الحديث في حكايته: بعثت في زمن الملك العادل كسرى. قال ابن كثير: هذا الحديث الذي احتج به الشيخ أبو عمر، لا أصل له، وليس هو في شيء من الكتب المشهورة، وعجبا له ولأبي المظفر ثم لأبي شامة في قبول مثل هذا، وأخذه منه مسلما إليه فيه، انتهى .

وقال السخاوي في المقاصد(ص :٤٥٤) : هذا لا يصحّ لانقطاع سنده، وإن صح فلعل الناقل للحكاية لم يضبط لفظ الشيخ، وإن ضبط الحكاية [انتهي كلام السخاوي].

[قال الشيخ الجونفوري] قلت: والذي يظهر أن الشيخ أبا عمر ظن لاشتهاره ثبوته فحكاه ووهم في ذلك.

[قال السخاوي] قال الحليمي في الشعب: إن هذا الحديث لا يصح، وإن صح فإطلاق العادل عليه لتعريفه بالاسم الذي كان يدعي به لا لوصفه بالعدل والشهادة له بذلك، وبناء على اعتقاد المعتقدين فيه أنه كان عدلا كما قال تعالى: (فما أغنت عنهم آلهتهم) أي: ما كان عندهم آلهة، ولا يجوز أن يسمي رسول الله ﷺ من يحكم بغير حكم الله عادلا، انتهى [كلام السخاوي][1]»“.

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الدنیازور کی تحقیق، انماولدت بزمن الملک العادل کی تحقیق، ۲/ ۴۱۱ - ۴۰۹۔
روایت : ”ولدت في زمن العادل“ کو مذکورہ علماء کے علاوہ علامہ محمد بن محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسنی

[اور علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "موضوعات" میں فرماتے ہیں: میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ بے اصل ہے، اور زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ جھوٹ، باطل ہے، اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں کہا ہے کہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ حافظ نے بعض جہلاء سے منقول ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب اس روایت کو باطل کہا ہے: میں عادل بادشاہ، یعنی نوشیروان کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، انتہیٰ۔

.... قاضی ابو بکر حِیرِی کو ایک بزرگ نے بتایا کہ انہوں نے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ میں عادل بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، اور میں نے اس بارے میں حاکم ابو عبد اللہ حافظ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو عبد اللہ نے سچ کہا ہے، انتہیٰ۔

اس حکایت کو حافظ ابو القاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے "تبیین کذاب المُفتَرِی" میں ابو حازم عَبْدَوِی حافظ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، انہوں نے قاضی ابو بکر حِیرِی سے اس حکایت کو نقل کیا ہے، اور تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "طبقات" میں ابو حازم سے اسی طرح نقل کیا ہے، یہ ائمہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین جیسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہم ابو حازم عَبْدَوِی رحمۃ اللہ علیہم قاضی ابو بکر حِیرِی رحمۃ اللہ علیہم محمد بن عبد الواحد اصبہانی رحمۃ اللہ علیہم اسماعیل بن عبد الغافر رحمۃ اللہ علیہم حافظ محمد بن عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہم ابو احمد سِنْجِی رحمۃ اللہ علیہم ابو القاسم ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور ابو سعد بن سمعانی رحمۃ اللہ علیہم یہ سب اس حدیث کے جھوٹ اور باطل ہونے پر متفق ہیں۔

المطالب" (رقم:۱۶۴۸) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (رقم:۱۰۲۵) میں، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے "النخبۃ البہیۃ" (رقم:۴۰۵) میں، علامہ احمد بن عبد الکریم غزی رحمۃ اللہ علیہ نے "الجد الحثیث" (ص:۷۵) میں بے اصل، باطل قرار دیا ہے۔

البتہ بعض ائمہ سے کچھ ایسی چیزیں منقول ہیں جو اس روایت کے ثبوت کا تقاضہ کرتی ہیں، حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ "ذیل طبقات ابن ابی یعلی" میں ابو عمر بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ابو المظفر یعنی سِبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کی بہت سی کرامتیں اور فضائل ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ میں نے ۶۰۶ھ کی ابتداء میں جامع جبل میں جمعہ کی نماز پڑھی، شیخ عبد اللہ بو تانی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابو عمر کے خطبہ کے آخر میں اچانک شیخ عبد اللہ تیزی سے اٹھے اور قریبی منارہ پر چڑھ گئے، یہیں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، مجھے خیال ہوا کہ انہیں وضوء کی ضرورت ہوگی یا کسی چیز نے تکلیف پہنچائی ہوگی، جب میں نے جمعہ کی نماز پڑھ لی تو میں ان کے پیچھے اوپر چڑھا اور ان سے کہا کہ خیر تو ہے، کیا ہو گیا تھا؟ شیخ عبد اللہ نے کہا کہ اس ابو عمر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، میں نے کہا کہ کیوں؟ شیخ عبد اللہ نے کہا کہ انہوں نے منبر پر ایسی بات کہی ہے جو ٹھیک نہیں ہے، میں نے پوچھا کیا کہا ہے؟ کہا کہ ابو عمر نے ظالم بادشاہ کو عادل بادشاہ کہا ہے، یہ سچ نہیں ہے، اور ابو عمر نے خطبہ کے آخر میں کہا تھا کہ اے اللہ! اپنے بندے عادل بادشاہ سیف الدین ابو بکر بن ایوب کی اصلاح فرما، میں نے شیخ عبد اللہ سے کہا کہ جب ابو عمر کے پیچھے بھی نماز صحیح نہیں ہے تو کاش میں جان لوں کہ کس کے پیچھے نماز صحیح ہوگی؟

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک شیخ ابو عمر تشریف لے آئے اور ان کے پاس ایک تہ بند تھی، انہوں نے سلام کیا اور تہبند کھولا تو اس میں ایک چپاتی اور دو ککڑیاں تھی، انہوں نے سب کچھ ٹکڑے کر کے رکھ دیا، اور کہا کہ بسم اللہ، پھر گفتگو کے شروع ہی میں کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں عادل بادشاہ کسریٰ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں، شیخ ابو عبد اللہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کر دیا، اور ابو عمر کھڑے ہو کر نیچے اتر گئے، شیخ عبد اللہ نے کہا کہ یہ تو نیک ہی ہیں، انتہیٰ۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "البدایہ والنہایہ" میں یہ حکایت نقل کی ہے، اور حکایت میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں: مجھے عادل بادشاہ کسریٰ کے زمانے میں مبعوث کیا گیا ہے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شیخ ابو عمر نے جس حدیث سے احتجاج کیا ہے وہ بے اصل ہے، اور نہ ہی مشہور کتابوں میں ہے، ان پر تعجب ہے اور ابو المظفر پر بھی، پھر ابو شامہ پر بھی کہ انھوں نے ایسی چیز قبول کرلی ہے، اور ان کے اعتماد پر اسے تسلیم کرلیا ہے، انتہیٰ۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "مقاصد الحسنہ" میں فرماتے ہیں: یہ حکایت انقطاعِ سند کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو شاید حکایت کو نقل کرنے والے نے شیخ کے الفاظ صحیح ضبط نہیں کیے، اگرچہ حکایت صحیح نقل کی ہے (سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ بظاہر شیخ ابو عمر نے اس حدیث کے مشہور ہونے کی وجہ سے اس کے ثبوت کا گمان کیا ہو گا، سو اسے نقل بھی کر دیا، حالانکہ یہ ان کا وہم ہے۔

(سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اور اگر صحیح بھی ہو تو کسریٰ پر عادل ہونے کا اطلاق اس لئے کیا تاکہ جس نام کا وہ کسریٰ خود دعوے دار تھا اسی نام کے ذریعہ اس کی پہچان کروائی جائے۔ نہ یہ کہ وہ واقعی صفت عدل سے متصف تھا، اور نہ اس کی گواہی دینا مقصود ہے۔ کیونکہ معتقدین کا کسریٰ کے بارے میں اسی طرح کا اعتقاد تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ان کے معبودوں نے انہیں فائدہ نہ دیا"۔ یعنی جو ان کے زعم کے مطابق معبود تھے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کو عادل کہا ہو جو اللہ کے حکم کے علاوہ حکم دے، انتہیٰ]

* * * * *

روایت نمبر ۳۹

روایت: ”جمعہ کے دن سرمہ لگانا“، میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے

”**سوال:** جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت ہے؟

جواب: میرے علم میں کسی روایت میں جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت نہیں ہے، لیکن تلاش کی ضرورت ہے، مجھے فرصت نہیں ہے[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت ہے....، ۲/۴۱۵۔

روایت نمبر (۴۰)

روایت: ناخن کاٹنے کا یہ طریقہ، حدیث میں نہیں ہے، البتہ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس طرح کاٹا جائے

”**سُوَال**: ناخن کاٹنے کی ترتیب کیا ہے؟

جَوَاب: ناخن کاٹنے میں کوئی ترتیب حدیث میں نہیں آئی ہے، امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور ترتیب وار چھوٹی تک کاٹتا جائے، پھر انگوٹھے کا کاٹے اور بائیں ہاتھ میں چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور انگوٹھے پر ختم کرے[1]۔“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: جمعہ کے دن سرمہ لگانا ثابت ہے....، ۲/ ۴۱۵۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”فتح الباری“ (باب قص الشارب، ۱۰/ ۳۴۵) میں لکھتے ہیں: ”لم يثبت في ترتيب الأصابع عند القص شيء من الأحاديث“. انگلیوں کے ناخن کاٹنے کی ترتیب سے متعلق احادیث میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بھی ”فتح الباري“ میں اس خاص طریقے کے ”بے اصل“ ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے، عبارت ملاحظہ ہو: ”وقد أنكر بن دقيق العيد الهيئة التي ذكرها الغزالي ومن تبعه وقال: كل ذلك لا أصل له، وإحداث استحباب لا دليل عليه، وهو قبيح عندي بالعالم، ولو تخيل متخيل أن البداءة بمسبحة اليمنى من أجل شرفها فبقية الهيئة لا يتخيل فيه ذلك، نعم البداءة بيمنى اليدين ويمنى الرجلين له أصل، وهو كان يعجبه التيامن“.

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”المقاصد الحسنۃ“ (ص: ۳۵۳، رقم: ۷۷۰) میں یہی لکھا ہے کہ ناخن کاٹنے کا کوئی طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، عبارت ملاحظہ ہو: ”حديث: قص الأظفار، لم يثبت في كيفيته ولا في تعيين يوم له عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء، وما يعزى من النظم في

روایت نمبر (۴۱)

روایت: ”نمک سے کھانے کی ابتداء کی روایات“، سب معلول ہیں، کسی کا راوی متروک ہے تو کوئی روایت گھڑنے میں متہم ہے

سوال: «يبدأ بالملح ويختم به الخ» [ابتداء نمک سے کی جائے اور ختم بھی نمک پر ہو] کی تحقیق اختصار کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

جواب: «الجواب: عن علي رضي الله عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أكلت فابدأ بالملح واختم بالملح، فإن الملح شفاء سبعين داء، أوّلها الجنون والجذام والبَرْص ووجع الأضراس ووجع الحلق ووجع البطن. رواه الحارث، عن عبد الرحيم بن واقد، عن حماد بن عمرو، عن السَرِيِّ بن خالد، وهم ضعفاء.

قلت: عبد الرحيم بن واقد، قال الطَبَرِي في تفسيره: مجهول، غير معروف بالنقل، غير جائز الاحتجاج بما يرويه، كذا في اللسان. وشيخه حماد بن عمرو هو النَصِيَبِي متهم بالكذب والوضع، قال

ذلك لعلي رضي الله عنه، ثم لشيخنا رحمه الله فباطل عنهما، وقد أفردت لذلك مع بيان الآثار الواردة فيه جزءا“.

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ (۲/ ۱۱۳، رقم:۱۸۷۵) میں، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الفوائد المجموعة“ (۱/ ۲۴۸، رقم:۵۶۹) میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الاسرار المرفوعة“ (ص:۲۵۷، رقم:۳۲۹) میں، علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تذکرة الموضوعات“ (ص:۱۶۰) میں، اور علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللؤلؤ المرصوع“ (ص:۱۳۳، رقم:۳۷۱) میں اکتفاء کیا ہے۔

البخاري: يكنى أبا إسماعيل، منكر الحديث، وقال النسائي: متروك الحديث، قال الجُوزجاني: كان يكذب، وقال ابن حِبَّان: كان يضع الحديث وضعا، وشيخه السَرِيّ بن خالد، قال الذهبي: السَرِيّ بن خالد مدني لا يعرف، قال الأزدي: لا يحتج به».

[علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: جب تو کھانا کھائے تو نمک سے ابتداء کر، اور ختم بھی نمک پر کر، کیونکہ نمک میں ستر امراض سے شفاء ہے، ابتدائی امراض: جنون، جذام، برص، داڑھ کا درد، حلق کا درد، پیٹ کا درد ہیں۔ اسے حارث نے عبد الرحیم بن واقد، عن حماد بن عمرو، عن سَری بن خالد کی سند سے نقل کیا ہے، اور یہ سب ضعفاء ہیں۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: طَبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی "تفسیر" میں عبد الرحیم بن واقد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مجہول، غیر معروف بالنقل ہے، اس کی روایتوں سے احتجاج جائز نہیں ہے، اسی طرح "لسان" میں ہے۔ عبد الرحیم کے شیخ حماد بن عمرو نَصِیبِی متہم بالکذب والوضع ہیں، بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی کنیت ابو اسماعیل ہے، یہ منکر الحدیث ہے، اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں متروک الحدیث کہا ہے، جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ جھوٹ بولتا تھا، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ وہ حدیث گھڑتا تھا۔ حماد کے شیخ سَری بن خالد ہیں، جن کے بارے میں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سَری بن خالد مدنی غیر معروف ہے، ازدی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ لائق احتجاج نہیں[1]]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور بھی طریقوں سے «بدائة بالملح مرفوعا

---

[1] مذکورہ روایت بسند حماد بن عمرو نَصِیبِی حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "دلائل النبوۃ" (٧/ ٢٢٩) میں نقل کرکے اسے موضوع کہا ہے، اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلئ المصنوعة" (٢/ ٣١٢) میں حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفاء کیا ہے۔

وموقوفا» [نمک سے کھانے کی ابتداء، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے] منقول ہے، لیکن سب معلول ہیں، کسی کا راوی متروک ہے تو کسی کا متہم بالوضع۔

«وفي الباب عن أنس رضي الله عنه رفعه إلى رسول الله ﷺ قال: ابدأوا بالملح فإن فيه بضعا وسبعين دواء، ومن بدأ بالملح فقال: بسم الله والحمد لله، اللّٰهُمَّ بارك لنا فيما رزقتنا وارزقنا ماهو أفضل منه، وقاه الله من عذاب القبر، ثم لا تستقر اللقمة في بطنه حتى يغفر الله له. أخرجه حمزة بن يوسف السَهْمِي في تاريخ جرجان(ص :٣٤١) وقال: هذا حديث منكر، وعلي بن يزداد الجرجاني متهم»[1]."

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: یبدا بالملح ویختم بہ کی تحقیق، ۴۴۸/۲۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک مرفوع طریق حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الموضوعات" (۲/ ۲۸۹) میں تخریج کرکے لکھاہے: "هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، والمتهم به عبدالله ابن أحمد بن عامر أو أبوه، فإنهما يرويان نسخة عن أهل البيت كلها باطلة". یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "صحیح " نہیں ہے، اور اس میں عبد اللہ بن احمد بن عامر یاان کاوالد (یعنی احمد بن عامر) متہم ہے، کیونکہ ان دونوں نے اہل بیت سے متعلق ایک نسخہ نقل کیا ہے، جو تمام تر باطل ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلیٔ المصنوعۃ" (۲/ ۱۷۹) میں اور حافظ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (۲/ ۲۴۳) میں اکتفاء کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا ایک موقوف طریق امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" (۸/ ۱۰۱، رقم:۵۵۵۳) میں تخریج کیا ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ "تنزیہ الشریعۃ" (۲/ ۲۴۳) میں لکھتے ہیں: "أثر علي ضعيف، في سنده جويبر متروك، وعنه عيسى بن الأشعث مجهول، والله تعالى أعلم". علی رضی اللہ عنہ کا اثر ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں جویبر متروک راوی ہے، اوران سے نقل کرنے والا عیسی بن اشعث مجہول ہے، واللہ اعلم۔

اسی طرح متعلقہ مضمون پر مشتمل روایت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے، جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلیٔ المصنوعۃ" (۲/ ۱۷۹) میں نقل کیا ہے، حافظ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ "تنزیہ الشریعۃ" (۲/

[اور اس باب میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: نمک سے ابتداء کرو، کیونکہ اس میں ستر سے زائد امراض کا علاج ہے، اور جس نے نمک سے کھانا شروع کیا، پھر یہ دعا پڑھی: «بسم الله والحمد لله، اللّٰهُمَّ بارك لنا فيما رزقتنا وارزقنا ماهو أفضل منه». اور اللہ اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا، پھر لقمہ اس کے پیٹ میں پہنچا ہی نہیں ہوتا کہ اللہ اس کی بخشش فرما دیتے ہیں۔ حمزہ بن یوسف سہمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ”تاریخ جرجان“ میں تخریج کر کے کہا ہے: یہ منکر حدیث ہے، اور (سند میں موجود) علی بن یزداد جرجانی متہم ہے]

* * * * *

---

۲۴۳) میں اس پر بھی تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”(قلت) هو من طريق إبراهيم بن حيان بن حكيم، فلا يصلح شاهدا“. میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ابراہیم بن حیان بن حکیم کی سند سے ہے چنانچہ یہ شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حافظ ابن عرّاق اس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ ابراہیم بن حیان ”متہم بالوضع“ ہے، اس لئے یہ طریق بھی شاہد نہیں بن سکتا، جیسا کہ علامہ ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعۃ“ (۱/ ۲۱) کے مقدمہ میں بحوالہ حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بن حیان کی احادیث من گھڑت ہیں۔

فائدہ: حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”المنار المنیف“ (ص:۵۵) میں حدیث: ”عليكم بالملح فإنه شفاء من سبعين داء“. پر مشتمل تمام روایات کو موضوع کہا ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”الاسرار المرفوعۃ“ (ص:۴۱۰) میں حافظ ابن قیم الجوزیہ کے اس قول کو بلا تعاقب نقل کیا ہے۔

روایت نمبر ④②

روایت: ”«تخلقوا بأخلاق الله» (اللہ کے اخلاق اپناؤ)“، صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا

”**سؤال**: «تخلقوا بأخلاق الله» [اللہ کے اخلاق اپناؤ] کیا حدیث ہے؟

جواب: «تخلقوا بأخلاق الله» [اللہ کے اخلاق اپناؤ] صوفیانہ کلام ہے، حدیث کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: تخلقوا باخلاق اللہ کیا حدیث ہے، ۴۵۸/۲۔
حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”مدارج السالکین“(۳/ ۱۸۰) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

روایت نمبر (۴۳)

روایت: ”نکاح میری سنت میں سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے“، یہ الفاظ مجموعی طور پر کہیں نہیں ہیں، بلکہ دو حدیثوں سے مرکب ہیں

سُؤال: کیا «النكاح من سنتي فمن رغب... ». [نکاح میری سنت میں سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے] پوری ایک حدیث ہے؟

جَوَاب: حدیث: «النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني». [نکاح میری سنت میں سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے] زبان زد خواص بلکہ عوام ہے، اور بعض فقہاء جیسے ابو القاسم الرافعی صاحبِ ”فتح العزیز“ نے اسی طرح نقل کی ہے، لیکن ان الفاظ سے کتب حدیث میں موجود نہیں۔ بلکہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۱/۵٦۷) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے:

«قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني الحديث، وفي إسناده عيسى بن ميمون وهو ضعيف». [نکاح میری سنت میں سے ہے، جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے، اور اس کی سند میں عیسی بن میمون ضعیف راوی ہے]

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں: «لكني أصوم وأفطر وأصلي وأنام، وأتزوج، فمن رغب عن سنتي فليس مني». [لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، آرام بھی کرتا ہوں،

اور نکاح بھی کرتا ہوں، سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے] وارد ہوا ہے۔

اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ لفظ مشہور مجموعی طور پر کہیں نہیں ہے، بلکہ دو حدیثوں سے مرکب ہے، جزء اول ”ابن ماجہ“ کی حدیث کا ٹکڑا ہے اور جزء ثانی ”صحیحین“ کی حدیث کا[1]۔ “

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا النکاح من سنتی فمن رغب... پوری ایک حدیث ہے ؟ ۴۷۸/۲۔

روایت نمبر ۴۴

”مصنف عبد الرزاق“ میں مذکور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ، من گھڑت ہے، اور ”صحیح ابن حبان“ میں مذکور اسی جیسا واقعہ بھی نکارت پر مبنی ہے

”**سؤال**: ابھی حال ہی میں ایک فتوی شائع ہوا ہے جس میں لڑکی والوں کو دعوت کرنا مسنون لکھا ہے، اور ”مصنف عبد الرزاق“ (ص: ۵/۴۸۷) حدیث تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حوالہ دیا ہے، اس کے بارے میں جناب والا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، تو اس حدیث میں کیا سُقُم ہے؟ اور وہ قابل احتجاج ہے یا نہیں؟

جواب: بیٹی والوں کی طرف سے دعوت کا مسنون ہونا اگر چہ بعض اہل فتوی نے لکھ دیا ہے، اور ”مُصَنَّف عبد الرزاق“ کی ایک روایت پر جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا مفصل تذکرہ ہے اعتماد کیا ہے جو امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے (ص:۵/۴۸۶) پر درج کی ہے[1]، لیکن اس کا

---

[1] ”مصنف عبد الرزاق“ کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

”عبد الرزاق، عن يحيى بن العلاء البَجَلِي، عن عمه شعيب بن خالد، عن حنظلة بن سمرة بن المسيب، عن أبيه، عن جده، عن ابن عباس، قال: كانت فاطمة تُذكر لرسول الله صلى الله عليه و سلم، فلا يذكرها أحد إلا صدَّ عنه حتى يئسوا منها، فلقي سعد بن معاذ عليا فقال: إني والله! ما أرى رسول الله صلى الله عليه و سلم يحبسها إلا عليك، قال: فقال له علي: لم تر ذلك؟ قال: فوالله! ما أنا بواحد من الرجلين، ما أنا بصاحب دنيا

يلتمس ما عندي، وقد علم ما لي صفراء ولا بيضاء، ولا أنا بالكافر الذي يترفق بها عن دينه - يعني يتألفه بها - إني لأول من أسلم، فقال سعد: فإني أعزم عليك لَتُفَرِّجَنَّها عني، فإن في ذلك فرَجا، قال: فأقول ماذا؟ قال: تقول: جئت خاطبا إلى الله وإلى رسوله صلى الله عليه و سلم فاطمة بنت محمد صلى الله عليه و سلم، قال: فانطلق علي فعرض على النبي صلى الله عليه و سلم، وهو يصلي بنفل حصر، فقال النبي صلى الله عليه و سلم: كأن لك حاجة يا علي! قال: أجل جئت خاطبا إلى الله ورسوله فاطمة ابنة محمد صلى الله عليه و سلم، فقال له النبي صلى الله عليه و سلم: مرحبا، كلمة ضعيفة، ثم رجع علي إلى سعد بن معاذ، فقال له: ما فعلت؟ قال: فعلت الذي أمرتني به، فلم يزد على أن رحب بي كلمة ضعيفة، فقال سعد: أنكحك والذي بعثه بالحق، إنه لا خلف الآن، ولا كذب عنده، عزمت عليك لتأتينه غدا فتقولن يا نبي الله! متى تبنيني؟ قال علي هذه أشد من الأولى، أولَا أقول يا رسول الله حاجتي؟ قال: قل كما أمرتُك.

فانطلق علي فقال: يا رسول الله! متى تبنيني، قال الثالثة إن شاء الله، ثم دعا بلالا فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم فخذ شاة وأربعة أمداد أو خمسة، فاجعل لي قَصْعَة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار، فإذا فرغت منها فآذني بها، فانطلق ففعل ما أمره، ثم أتاه بقَصْعَة فوضعها بين يديه، فطعن رسول الله صلى الله عليه و سلم في رأسها، ثم قال أدخل علي الناس زَفَّة زَفَّة، ولا تغادرن زَفَّة إلى غيرها، يعني إذا فرغت زَفَّة لم تعد ثانية، فجعل الناس يردون كلما فرغت زَفَّة وردت أخرى حتى فرغ الناس، ثم عمد النبي صلى الله عليه و سلم إلى ما فضل منها فتفل فيه وبارك، وقال يا بلال! احملها إلى أمهاتك، وقل لهن: كلن وأطعمن مَنْ غَشِيَكُنَّ، ثم إن النبي صلى الله عليه و سلم قام حتى دخل على النساء فقال: إني قد زوجت ابنتي ابن عمي، وقد علمتُنَّ منزلتها مني، وإني دافعها إليه الآن إن شاء الله، فدونكن ابنتكن، فقام النساء فغَلَّفْنَها من طِيْبِهن وحُلِّيْهِن، ثم إن النبي صلى الله عليه و سلم دخل، فلما رآه النساء ذهبن وبينهن وبين النبي صلى الله عليه و سلم سُتْرَة، وتخلفت أسماء ابنة عميس، فقال لها النبي صلى الله عليه و سلم...[كذا في الأصل]: على رسلك من أنت؟ قالت: أنا الذي حرس ابنتك، فإن

راوی یحییٰ بن العلاء البَجَلی ہے، «وهو متروك، قاله الدَارَقُطْنِي، وقال أحمد بن حنبل: كذاب يضع الحديث». [دَارقُطنی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ متروک ہے، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹا حدیثیں گھڑتا تھا]

نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں اسی انداز کی ایک روایت ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۵۵۰) نے نقل کی ہے جس میں دعوت کا مضمون نہیں[1]، حافظ

الفَتَاة ليلة يبنى بها لا بد لها من امرأة تكون قريبا منها، إن عرضت لها حاجة، وإن أرادت شيئا أفضت بذلك إليها، قال: فإني أسأل إلهي أن يحرسك من بين يديك ومن خلفك وعن يمينك وعن شمالك من الشيطان الرجيم، ثم صرخ بفاطمة فأقبلت.

فلما رأت عليا جالسا إلى جنب النبي صلى الله عليه و سلم خَفِرَت وبكت، فأشفق النبي صلى الله عليه و سلم أن يكون بكاؤها، لأن عليا لا مال له، فقال النبي صلى الله عليه و سلم: ما يبكيك؟ فما ألوتك في نفسي، وقد طلبت لك خير أهلي، والذي نفسي بيده لقد زوجتكه سعيدا في الدنيا وإنه في الآخرة لمن الصالحين، فلازمها فقال النبي صلى الله عليه و سلم: ائتيني بالمِخْضَب فأمليه ماء، فأتت أسماء بالمِخْضَب فملئته ماء، ثم مج النبي صلى الله عليه و سلم فيه وغسل فيه قدميه ووجهه، ثم دعا فاطمة فأخذ كفا من ماء فضرب به على رأسها وكفا بين ثدييها، ثم رش جلده وجلدها ثم التزمها، فقال: اللهم إنها مني وأنا منها، اللهم أذهبت عني الرجس وطهرتني فطهرها، ثم دعا بمِخْضَب آخر، ثم دعا عليا فصنع به كما صنع بها ودعا له كما دعا لها، ثم قال: أن قوما إلى بيتكما، جمع الله بينكما وبارك في سِرِّكما، وأصلح بالكما، ثم قام فأغلق عليهما بابه بيده.

قال بن عباس: فأخبرتني أسماء بنت عميس أنها رمقت رسول الله صلى الله عليه و سلم، فلم يزل يدعو لهما خاصة لا يشركهما في دعائه أحدا حتى توارى في حجره".

[1] "الصحیح لابن حبان" کی عبارت ملاحظہ ہو:

"أخبرنا أبو شيبة داود بن إبراهيم بن داود بن يزيد البغدادي بالفُسْطَاط، حدثنا الحسن بن حماد، حدثنا يحيى بن يعلى الأسلمي، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك، قال: جاء أبو بكر إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقعد بين يديه فقال:

يا رسول الله! قد علمت مُنَاصَحَتِي وقِدَمِي في الإسلام، وإني وإني، قال: وما ذاك؟ قال: تزوجني فاطمة، قال: فسكت عنه، فرجع أبو بكر إلى عمر، فقال له: قد هَلَكْتُ وأهْلِكْتُ، قال: وما ذاك؟ قال: خطبت فاطمة إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فأعرض عني، قال: مكانك حتى آتي النبي صلى الله عليه وسلم فأطلب مثل الذي طلبت، فأتى عمر النبي صلى الله عليه وسلم، فقعد بين يديه، فقال: يارسول الله! قد علمت مُنَاصَحَتِي وقِدَمِي في الإسلام، وإني وإني، قال: وما ذاك؟ قال: تزوجني فاطمة، فسكت عنه، فرجع إلى أبي بكر فقال له: إنه ينتظر أمر الله فيها، قم بنا إلى علي حتى نأمره يطلب مثل الذي طلبنا.

قال علي: فأتياني وأنا أعالج فسيلا لي، فقالا: إنا جئناك من عند ابن عمك بخطبة، قال علي: فنَبَّهَاني لأمر، فقمت أجر ردائي حتى أتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقعدت بين يديه، فقلت: يا رسول الله! قد علمت قِدَمِي في الإسلام ومُنَاصَحَتِي، وإني وإني، قال: وما ذاك؟ قلت: تزوجني فاطمة، قال: وعندك شيء؟ قلت: فرسي وبدني، قال: أما فرسك، فلا بد لك منه، وأما بدنك فبعها، قال: فبعتها بأربع مائة وثمانين، فجئت بها حتى وضعتها في حِجْرِه، فقبض منها قبضة، فقال: أي بلال! ابتغنا بها طيبا، وأمرهم أن يجهزوها، فجعل لها سريرا مُشْرَطا بالشَرْط، ووسادة من أدم حشوها ليف، وقال لعلي: إذا أتتك فلا تحدث شيئا حتى آتيك، فجاءت مع أم أيمن حتى قعدت في جانب البيت وأنا في جانب، وجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: ها هنا أخي؟ قالت أم أيمن: أخوك وقد زوجته ابنتك؟ قال: نعم.

ودخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت، فقال لفاطمة: ايتيني بماء، فقامت إلى قَعْب في البيت، فأتت فيه بماء، فأخذه صلى الله عليه وسلم ومج فيه، ثم قال لها: تقدمي، فتقدمت، فنضح بين ثدييها وعلى رأسها، وقال: اللهم إني أعيذها بك وذريتها من الشيطان الرجيم، ثم قال صلى الله عليه وسلم لها: أدبري، فأدبرت، فصب بين كتفيها، وقال: اللهم إني أعيذها بك وذريتها من الشيطان الرجيم، ثم قال صلى الله عليه وسلم: ايتوني بماء، قال علي: فعلمت الذي يريد، فقمت، فملأت القَعْب ماء، وأتيته به، فأخذه ومج فيه، ثم قال لي: تقدم، فصب على رأسي وبين ثديي، ثم قال: اللهم إني

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تہذیب التہذیب“ (ص: ۱۱/۳۰۴) میں اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے، اور ”حاشیہ موارد الظمآن“ میں لکھا ہے: «والحديث ظاهر عليه الافتعال». [اس حدیث پر ایجاد کی علامت ظاہر ہے] میرے خیال میں یہ حدیث بھی موضوع ہے، متروک راوی کی روایت سے مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے، جبکہ وہ مُتَّہَم بھی ہو۔

اس کے بعد ایک روایت ملی جس سے فی الجملہ اس کی تائید ہوتی ہے:

«عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: حضرنا عُرس علي بن أبي طالب رضي الله عنه وفاطمة بنت رسول الله ﷺ، فما رأينا عرسا كان أحسن منه حسنا، هيأ رسول الله ﷺ زبيبا وتمرا فأكلنا، وكان فراشها ليلة عُرْسها إهاب كبش. رواه الطَبَرَانِي في الأوسط، وفيه مسلم بن خالد الزَنْجِي وهو ضعيف وقد وثق، كذا في مجمع الزوائد (ص: ٤/٥٠)».

[جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں موجود تھے، ہم نے اس سے بڑھ کر اچھی شادی کسی کی نہیں دیکھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشمش اور کھجور کا انتظام کیا تھا، ہم نے یہ چیزیں کھالیں، اور شبِ زِفاف میں مینڈھے کی کھال فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بستر تھا۔ طَبرَانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”اوسط“ میں تخریج کیا ہے، اس (کی سند) میں مسلم بن خالد زَنجِی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے، البتہ

أعيذه بك وذريته من الشيطان الرجيم، ثم قال: أدبر، فأدبرت، فصبه بين كتفي، وقال: اللهم إني أعيذه بك وذريته من الشيطان الرجيم، ثم قال لعلي: ادخل بأهلك، بسم الله والبركة“.

ان کی توثیق بھی کی گئی ہے، اسی طرح ”مجمع الزوائد“ میں ہے]

لیکن سنیت کا اثبات مشکل ہے، بظاہر یہ «من باب ضیافة الأضياف الحاضرين» [موجود مہمانوں کی ضیافت کا باب] ہے، **واللہ اعلم**[1]۔“

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا لڑکی والوں کے یہاں دعوت مسنون ہے؟ ۲/ ۵۳۲، ۵۳۳۔

روایت نمبر ۴۵

روایت: ”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں“، یہ روایت ثابت نہیں ہے

”سؤال: «علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل». من خرجه؟ [میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں، اس کی تخریج کس نے کی ہے؟]

جواب: «علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل. هذا حديث لا يثبت، وقد كنت أجبت بذالك، فقال بعض الطَلَبَة: أنه في البخاري، فأجبت بأنه ليس في الصحاح الستة، ولا يصح لفظه عن حضرة النبوة على صاحبها الصلوة والسلام.

ثم رأيت السخاوي قال في المقاصد: قال شيخنا ومن قبله الدَمِيْرِي والزركشي أنه لا أصل له، زاد بعضهم: ولا يعرف في كتاب معتبر[انتهى كلام السخاوي].

قال السخاوي[أي: في مقام آخر في المقاصد]: وقد ورد: كاد حَمَلَة القرآن أن يكونوا أنبياء إلا أنهم لا يوحى إليهم. أخرجه الديلمي وقال: إنه غريب جدا من رواية الأكابر عن الأصاغر. قال السخاوي [أي بعده]: وفيه من لا يعرف وأحسبه غير صحيح [انتهى كلام السخاوي].

قلت[أي: الشيخ الجونفوري]: وعزاه المُنَاوِي في فيض القدير

(ص:۲/۹۱) للدَارَقُطْنِي أيضا، وقال: فيه خلف الضرير. أورده الذهبي في الضعفاء، وقال: قال ابن الجوزي: روى حديثا منكرا. كأنه يشير إلى هذا، انتهى.

قلت[أي: الشيخ الجونفوري]: هذا الحديث كما ترى لا يثبت، ومع ذلك ليس بواضح في معنى الحديث المذكورفي السؤال، ولعل حديث: العلماء ورثة الأنبياء. عند أحمد وأبي داود والترمذي وغيرهم أقرب، وصححه ابن حِبَّان والحاكم وحسنه حمزة الكَتَّاني، وضعفه غيرهم بالاضطراب في سنده، لكن له شواهد يتقوى بها، ولذا قال الحافظ ابن حجر: له طريق يعرف بها أن للحديث أصلا [انتهى كلام ابن حجر]. ومع ذالك فأصل حديث السؤال لا يثبت، والله أعلم.

ثم رأيت حديث السؤال ذكره المُنَاوِي(ص :۱/۱۵) في فيض القدير حاكيا عن ابن عطاء الله الإسكندري، وتكلم المحشي على الحديث بما مفاده أن هذا الحديث لا يثبت.

وفي شرح المواهب للزَرْقَانِي(ص :۱۵۸ /٦): سئل عنه الحافظ العراقي فقال: لا أصل له، ولا إسناد بهذا اللفظ، ويغني عنه: العلماء ورثة الأنبياء. وهو حديث صحيح[انتهى كلام العراقي][1] »۔“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، من خرجہ ؟ ۲/۵۳۴، ۵۳۳۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الدرر المنتشرۃ“ (رقم:۲۹۳) میں اور علامہ محمد بن محمد درویش الحوت نے ”اسنی المطالب“ (رقم:۸۸۹) میں اس روایت کو بے اصل، من گھڑت کہا ہے، روایتِ ہذا کی مزید تفصیل کے لئے

[میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں، یہ حدیث ثابت نہیں ہے، میں نے جب اس سوال کا یہ جواب دیا تو ایک طالب علم نے کہا کہ یہ حدیث ”بخاری“ میں ہے، میں نے جواباً کہا کہ یہ ”صحاح ستہ“ میں کہیں نہیں ہے، اور نہ ہی حضرت نبوۃ علی صاحبہا الصلوۃ ولسلام سے یہ الفاظ صحیح ہیں۔

پھر میں نے سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا، آپ ”المقاصد“ میں فرماتے ہیں: ہمارے شیخ (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان سے قبل دَمِیرِی اور زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بے اصل کہا ہے، بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے (سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (ایک دوسرے مقام پر) فرماتے ہیں: اور یہ وارد ہے کہ قریب ہے کہ حاملینِ قرآن انبیاء ہوتے، مگر یہ کہ ان کی جانب وحی نہیں بھیجی جاتی۔ اسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے، اور اسے غریب جداً من روایۃ الاکابر عن الاصاغر کہا ہے۔ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں غیر معروف راوی ہے، اور میرے خیال سے روایت صحیح نہیں ہے (سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیض القدیر“ میں دَارَقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے کہا ہے، آپ فرماتے ہیں: اس میں (راوی) خلف ضریر ہے۔ اس خلف ضریر کو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”ضعفاء“ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس نے ایک منکر حدیث نقل کی ہے۔ گویا کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں، انتہیٰ۔

دیکھئے: غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ اول: ص: ۲۱۷۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: جیساکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ حدیث بھی ثابت نہیں ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اس روایت کا سوال میں مذکور حدیث کے معنی میں ہونا بھی واضح نہیں ہے، اور شاید کہ حدیث: علماء انبیاء کے وارث ہیں - جسے احمد رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تخریج کیا ہے - سوال میں مذکور حدیث سے زیادہ قریب ہے، اور اسے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اور حمزہ کَتّانی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے، ان کے علاوہ دوسرے محدثین نے اضطراب سند کی وجہ سے اسے ضعیف کہا ہے، لیکن شواہد سے مل کر یہ روایت قوی ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی اصل موجود ہے (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔ مع ہذا سوال میں پوچھی جانے والی حدیث کی اصل ثابت نہیں ہے، واللہ اعلم۔

پھر میں نے دیکھا کہ مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیض القدیر“ میں سوال میں پوچھی گئی حدیث، ابن عطاء اللہ اسکندری سے نقل کی ہے، اور محشی نے اس پر کلام کیا ہے، جس کا حاصل یہی ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اور زَرْقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”شرح المواہب“ میں ہے کہ اس حدیث کے بارے میں عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: یہ بے اصل ہے، ان لفظوں سے اس کی کوئی سند نہیں ہے، اور حدیث: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس سے بے نیاز کرنے والی ہے، جو کہ صحیح حدیث ہے]

* * * * *

روایت نمبر (۴۶)

روایت: ”اگر کوئی شخص جماعت کا رہبر ہو گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رہبر بنا کر جنت میں لے جائیں گے“، ان لفظوں کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی

”**سوال**: بعض لوگ جماعت کی رہبری کی فضیلت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جماعت کا رہبر ہو گا قیامت کے دن اللہ میاں رہبر بنا کر جنت میں لے جائیں گے، کیا یہ روایت ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حدیث بالفاظِ مذکورہ فی السوٴال تو نہیں ملی، لیکن بظاہر دو حدیثوں سے یہ مضمون ماخوذ ہے:

اول حدیث ”مسلم“ «من دل علی خير فله مثل أجر فاعله». [جو بھلائی کی جانب رہنمائی کرتا ہے اسے بھلائی کرنے والے کے اجر کی طرح اجر ملتا ہے] ثانی حدیث ”مسلم“ ایضاً «من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا إلى الجنة». [جو شخص حصول علم میں کوئی رستہ چلتا ہے، اللہ اس کی وجہ سے جنت کا راستہ اس کے لیے آسان فرما دیتے ہیں]

اس سے یہ مضمون اس طور پر ماخوذ ہے کہ دال علی الخیر مثل فاعل خیر کے ہے، اور یہ دلالت علم کا ایک طریق ہے، جس کے بارے میں دوسری حدیث میں ضمانت لی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلائیں گے، واللہ تعالیٰ اعلم[۱]۔“

---

[۱] الیواقیت الغالیہ: جماعت کے رہبر کی فضیلت، ۱/۴۳ - ۴۶۔

روایت نمبر (۴۷)

اذان کے بعد دعائے وسیلہ میں لفظ «الدرجة الرفيعة» مجموعی طور پر ثابت نہیں ہے، اسی طرح «وارزقنا شفاعته يوم القيامة» کے الفاظ بھی کہیں نہیں ملے، ہاں اس کے ہم معنی الفاظ وارد ہیں

”پہلے سوال کا حاصل:

دعاءِ وسیلہ میں «الدرجة الرفيعة» اور «وارزقنا شفاعته» کی زیادتی ثابت ہے یا نہیں؟

زیادتی اول کے بارے میں حافظ سخاوی ؒ نے ”المقاصد“ میں «لم أره في شيء من الروايات» [میں نے اسے کسی بھی روایت میں نہیں دیکھا] لکھا ہے، اور سخاوی ؒ کے اس مقولہ کو ملا علی قاری ؒ مولانا عبد الحی لکھنوی ؒ وغیرہم نے بلا نکیر نقل فرمایا ہے، لیکن کتاب ”عمل الیوم واللیلۃ“ لابن السُّنّی میں «باب كيف دعاء الوسيلة» [باب: وسیلہ کی دعا کیسے مانگی جائے؟] میں ہے:

«حدثنا أبوعبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن منصور، حدثنا علي ابن عياش، حدثنا شعيب، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: من قال حين يسمع النداء: اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، والدرجة الرفيعة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة».

اس روایت میں «الدرجة الرفيعة» موجود ہے اور رُوات سارے ثقات ہیں، اور زیادتیٔ ثقہ معتبر ہے، رائے عالی سے مطلع کریں، اور «اللّٰهُمَّ ارزقنا شفاعته يوم القيامة» میرے خیال میں ثابت نہیں ہے، جناب کیا فرماتے ہیں؟

پہلے سوال کا جواب:

«حديث عن جابر بن عبد الله أن رسول الله ﷺ قال: من قال حين يسمع النداء: اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة، آت محمدا الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي.

«أخرجه أحمد(ص: ٣٠٤،ج:٣) والبخاري (ص: ٨٦) وأبوداؤد (ص: ٣٠٢،ج:١) والترمذي [كذا في الأصل] والنسائي (ص: ١١٠) وابن ماجه(ص: ٨٧) وابن أبي عاصم فى السنة (ص: ٣٩٥ ج:٢) والطَبَراني في الصغير (ص: ٢٤٠،ج:١) كلهم من رواية علي بن عياش عن شعيب، عن ابن المنكدر، عن جابر رضي الله عنه. ورواه البيهقي في سننه، فزاد في آخره: إنك لا تخلف الميعاد“.

اتنے الفاظ دعائے وسیلہ میں کتبِ حدیث میں ملتے ہیں۔

ہمارے علاقوں میں دو زیادتیاں رائج ہیں: ایک «الدرجة الرفيعة» ثانی «وارزقنا شفاعته يوم القيامة»

آیا یہ دونوں ثابت ہیں یا نہیں؟

زیادتی اول ابن السُنّی رحمۃ اللہ علیہ کی ”عمل الیوم واللیلۃ“ کے مطبوعہ نسخوں میں

پائی جاتی ہے، مگر بندہ کے خیال میں یہ زیادتی صحیح نہیں، کسی کاتب وغیرہ نے حاشیہ وغیرہ پر لکھ دیا ہوگا، جو بعد میں متن کتاب میں آگیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ حافظ ابن السُنّی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے نقل کی ہے جو انہوں نے ”مجتبیٰ“ میں ذکر کی ہے اور ”سنن نسائی“ میں اس زیادتی کا کہیں وجود نہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «أخبرنا عمرو بن منصور، حدثنا علي بن عياش، حدثنا شعيب، عن محمد بن المنكدر، عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: .... الحديث». ابن السُنّی فرماتے ہیں: «حدثنا أبو عبد الرحمن قال: أخبرنا عمرو بن منصور فذكر إسناد النسائي».

اب «الدرجة الرفيعة» کی زیادتی یا تو ابن السُنّی نے کی ہے یا کسی اور نے، ظاہر ہے کہ اگر ابن السُنّی یہ زیادتی کریں گے تو حافظ نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے لیں گے، اس لئے کہ یہ حدیث انہیں کی سند سے نقل کر رہے ہیں، لہٰذا یہ زیادتی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہوگی، حالانکہ اگر یہ زیادتی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اس سند صحیح کے ساتھ ہوتی تو وہ اپنی ”سنن“ میں ضرور ذکر فرماتے، جیسا کہ وہ الفاظِ زائدہ پر نوع آخر وغیرہ کہہ کر تنبیہ فرماتے ہیں، اس لئے بندہ کی رائے میں یہ زیادتی کسی اور نے کی ہے۔

دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ”الاذکار“ میں اس زیادتی پر تنبیہ نہیں کی، حالانکہ امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کتابِ ابن السنی سے وہ احادیث والفاظ لیتے ہیں جو دوسری کتب حدیث میں نہ ہوں، نیز شراح بخاری میں سے کسی نے بھی اس زیادتی پر تنبیہ نہیں کی، حتیٰ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کتابِ ابن السنی ہے، نہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ زیادتی اپنی کتابوں میں نقل فرمائی، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام «الكلم الطيب والقول المختار فی المأثور من الدعوات والأذكار» ہے، نام سے مضمون کتاب واضح ہے، اس میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ادعیہ کو بھی ذکر فرمایا ہے، اور جو الفاظ زائدہ وارد ہوئے ہیں ان کو بھی ذکر فرمایا ہے، مگر «الدرجة الرفيعة» کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ کتاب ابن السُنّی وغیرہ ان کے سامنے ہے، جیساکہ مقدمہ میں ظاہر کیا ہے۔

لہذا یہ زیادتی میرے خیال میں کسی کاتب کی غلطی سے متن کتاب میں آگئی، اس کا کتبِ حدیث میں کہیں وجود نہیں ہے، حافظ شمس الدین السخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد الحسنۃ" میں لکھتے ہیں: «لم أره في شيء من الروايات اهـ». [میں نے کسی روایت میں یہ نہیں دیکھا]

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ علامہ قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب" میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح مشکوٰۃ" میں، علامہ زَبِیدی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف السادۃ" میں، علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حاشیۃ الحصن" میں، اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں کالشهاب الخَفَاجي في نسيم الرياض (ص: ٣٦٦، ج: ٢) بلا نکیر نقل فرمایا ہے۔

بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس زیادتی کا انکار کیا ہے، "التلخیص الحبیر" (ص:۷۸) میں رقمطراز ہیں:

«وليس فی شيء من طرقه ذكر الدرجة الرفيعة، انتهى. وكذا قال الشيخ ابن حجر المكي في تحفة المحتاج (ص: ١٢٨، ج: ١)».
[حدیث کے کسی بھی طریق میں "الدرجۃ الرفیعۃ" کا ذکر نہیں ہے، انتہیٰ۔ اور اسی طرح شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۃ المحتاج" میں کہا ہے]

«[قال الشيخ الجونفوري] وقد ذكرتْ هذه الزيادة فى فتاوى ابن تيمية المطبوعة بالرياض (ص: ١٩٢) معزيا إلى البخاري، وكأنه خطأ من الكاتب». [(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں)اور یہ زیادتی فتاویٰ ابن تیمیہ، طبع ریاض میں بحوالہ بخاری ذکر کی گئی ہے، لگتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے ہے]

البتہ علامہ زَرْقَانی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح مواہب" (ص: ۳۵۲،ج:٦) میں اس کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:

«لكن عند ابن أبي عاصم بسند فيه المسعودي وهو ثقة: أَللّٰهُمَّ صل على محمد وأبلغه الدرجة والوسيلة في الجنة. قال الزَرْقَانِي: فقد ورد بمعناها، والله أعلم». [لیکن ابن ابی عاصم کی ایک سند جس میں مسعودی - جو کہ ایک ثقہ راوی - ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں: اے اللہ! محمد پر درود نازل فرما، اور انہیں جنت میں درجہ وسیلہ عطا کر، زَرْقَانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اسی کے معنی میں وارد ہے، واللہ اعلم]

اس سے اتنا ضرور مترشح ہوتا ہے کہ یہ زیادتی "کتاب ابن السُنّی" میں نہیں ہے، ہمارے خیال میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وحافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما نے «الدرجة الرفيعة» مجموعہ کے ثبوت کا انکار کیا ہے، اور یہ کسی روایت میں بھی ثابت نہیں رہ گیا۔

مطلق لفظ «درجة» بھی ثابت ہے یا نہیں؟ بعض روایات میں وارد ہے، مگر ان سب کے طرق میں کلام ہے:

طریق اول:

ابن ابی عاصم نے ذکر کیا ہے، اس میں مسعودی ہے اور مسعودی مختلط ہے۔

طریق ثانی:

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (كما في المجمع) نے "کبیر" میں بروایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ

نقل کیا ہے، اس میں اسحاق بن عبد اللہ بن کیسان ہے: «لينه أبو أحمد الحاكم، وقال البخاري: منكر الحديث، وقال ابن حبان في الثقات: يتقى حديثه من رواية ابنه عنه». [ابو حمد حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لین کہا ہے، بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منکر الحدیث کہا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ ثقات میں فرماتے ہیں: ان کا بیٹا، ان سے جو روایات نقل کرے ان سے بچا جائے گا] طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ بلّغه درجة الوسيلة بالاضافہ ہیں۔

طریق ثالث:

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (كما فى شرح الطحاوي للعيني، وكذا فى شرح البخاري له) (ص:٦٤١، ج:٢) نے ”کبیر“ میں اور طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شرح معانی الآثار“ میں بروایۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلفظ: «اللّٰهُمَّ أعط محمد الوسيلة واجعل في الأعلين درجته». [اے اللہ! محمد کو وسیلہ عطا کر، اور انہیں اعلین میں اپنے درجہ تک پہنچا دیجئے] نقل کیا ہے، اس میں حفص قاری ہے، «وهو مختلف فيه، وكذبه ابن خِرَاش، وقال ابن عدي: أحاديثه غير محفوظة». [یہ راوی مختلف فیہ ہے، ابن خِرَاش رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جھوٹا کہا ہے، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کی احادیث محفوظ نہیں ہیں]

لہٰذا کوئی طریق بھی علت سے خالی نہیں، اس لئے لفظ ”درجۃ“ کے ثبوت میں بھی کلام ہے۔

اور اگر بر قاعدہ «الحديث إذا تعددت طرقه يتقوى» [حدیث کے طرق زیادہ ہو جائیں تو قوی ہو جاتی ہے] اس کو ثابت بھی مان لیں تو پھر بھی «الدرجة

الرفیعۃ» ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری زیادتی «وارزقنا شفاعته يوم القيامة» ہے، یہ زیادتی بندہ کو بایں الفاظ کہیں نہیں ملی، ہاں اس کے ہم معنی الفاظ وارد ہیں، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اوسط“ (کما فی المجمع) میں بروایۃ ابی الدرداء رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے:

«قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سمع النداء قال: اللّٰهُمَّ رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة، صل على عبدك ورسولك، واجعلنا في شفاعته يوم القيامة. قال رسول الله ﷺ: من قال هذا عند النداء جعله الله في شفاعتي يوم القيام. وفيه صدقة بن عبد الله السمين، ضعفه الأكثرون، وقال أبوحاتم: صدوق، وكذا قال دُحَيْم، والله أعلم»[1]. [--- اور اس میں صدقہ بن عبد اللہ سمین ہے، اکثر نے اسے ضعیف کہا ہے، اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق کہا ہے، اور دُحَیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے، واللہ اعلم]

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیہ: دعائے اذان میں الدرجۃ الرفیعۃ اور وارزقنا شفاعتہ کا ثبوت؟ ۱/۱۵۳ - ۱۵۶۔
پہلے اضافے یعنی ”الدرجۃ الرفیعۃ“ کے بارے میں علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ (۱/ ۴۵۶، رقم: ۱۲۸۹) میں، علامہ محمد درویش رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسنی المطالب“ (رقم: ۶۷۰) میں اور علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللؤلؤ الموصوع“ (رقم: ۱۹۸) میں حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اکتفاء کیا ہے، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ”العرف الشذی“ (۱/ ۲۲۳) میں ان دونوں الفاظ: ”الدرجۃ الرفیعۃ“ اور ”وارزقنا شفاعتہ“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں۔

روایت نمبر ㊽

روایت: ”اللہ نے عقل کو پیدا کر کے اس سے کہا: آگے ہو جاؤ، عقل آگے ہو گئی، پھر اللہ نے فرمایا: پیچھے ہو جاؤ، عقل پیچھے ہو گئی، اور فرمایا کہ یہ دو کتابیں رب العالمین کی جانب سے ہیں“، یہ من گھڑت ہے

”**سؤال**: «خلق الله العقل، فقال له: أقبل فأقبل، وقال له: أدبر فأدبر، وقال: هذان كتابان من رب العالمين». [اللہ نے عقل کو پیدا کر کے اس سے کہا: آگے ہو جاؤ، عقل آگے ہو گئی، پھر اللہ نے فرمایا: پیچھے ہو جاؤ، عقل پیچھے ہو گئی، اور فرمایا کہ یہ دو کتابیں رب العالمین کی جانب سے ہیں]

جواب: حدیث ثالث [یعنی یہ روایت] حافظ ابو احمد بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الکامل“ میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الایمان“ میں روایت کی ہے:

«عن أبي هريرة مرفوعا: لما خلق الله العقل قال له: قم فقام، ثم قال له: أدبر فأدبر، ثم قال: أقبل فأقبل، ثم قال له: اقعد فقعد، فقال: ماخلقت خلقا هو خير منك، ولا أحسن منك، ولا أكرم منك، بك آخذ وبك أعطى، وبك أعْرَف وبك أعاقب، لك الثواب وعليك العقاب.

وفي إسناده حفص بن عمر قاضي حلب، عن الفضل بن عيسى الرَقَاشِي، عدّه ابن عدي منكرا، وأشار إليه الذهبي في الميزان، فأورده في ترجمة حفص بن عمر وشيخه الفضل بن عيسى، وقال البيهقي في الشعب: إسناد غير قوي، وهو مشهور من قول الحسن، ثم أخرجه بإسناده.

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات (ص: ۱۷٤، ج: ۱) وقال: لا يصح عن رسول الله ﷺ، قال يحي بن معين: الفضل رجل سوء، وقال ابن حبان: حفص بن عمر يروي الموضوعات، لا يحل الاحتجاج به [انتهى كلام ابن الجوزي].

وأخرجه الدار قطني في الأفراد من وجه آخر، وفيه سيف بن محمد الكوفي ابن أخت سفيان الثوري، قال ابن الجوزي: وهو كذاب بالإجماع.

وقال السخاوي في المقاصد الحسنة (ص: ۱۱۸) : قال ابن تيمية وتبعه غيره: إنه كذب موضوع باتفاق، انتهى.

وأخرجه العُقَيْلِي من حديث أبي أمامة بنحوه، وفيه سعيد بن الفضل القرشي عن عمر بن أبي صالح العَتَكِي، وهما مجهولان .

وقد روي الحديث عن عائشة وغيرها، بسطها السيوطي في اللآلي المصنوعة(ص: ۱۲۹، ج:۱).

قال أحمد بن حنبل: هذا الحديث موضوع، ليس له أصل.

وقال العُقَيْلِي: ولا يثبت في هذا المتن شيء.

وقال ابن حبان: ليس عن رسول الله ﷺ خبر صحيح في العقل.

وقال ابن تيمية في الفرقان (ص: ٤٣): والحديث الذي ذكروه في العقل كذب موضوع عند أهل المعرفة بالحديث كما ذكر ذلك

أبو حاتم البُسْتِي والدَارَقُطْنِي وابن عدي وغيرهم [انتهى كلام ابن تيمية]».

[ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: کھڑی ہو جا، وہ کھڑی ہوگئی، پھر فرمایا: پیچھے ہٹ، وہ پیچھے ہٹ گئی، پھر فرمایا: آگے بڑھ، وہ آگے بڑھ گئی، پھر فرمایا: بیٹھ جا، وہ بیٹھ گئی، پھر اللہ نے فرمایا: میں نے تجھ سے بہتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، تجھ سے زیادہ خوبصورت کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، تجھ سے زیادہ معزز کوئی مخلوق پیدا نہیں کی، تیری وجہ ہی سے میں گرفت کروں گا، تیرا حق ادا کرنے والے کو اچھا بدلہ دوں گا، اور تیری ہی وجہ سے پہچانا جاؤں گا، اور تیری ہی وجہ سے خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دوں گا، ثواب بھی تیرے لئے اور سزا بھی تجھ پر۔

اس حدیث کی سند میں قاضی حلب حفص بن عمر ہے جو فضل بن عیسی رَقَاشی سے روایت کرتا ہے، اس روایت کو ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے منکر شمار کیا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان" میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ حفص بن عمر اور ان کے شیخ فضل بن عیسی کے ترجمہ میں اس حدیث کو لائے ہیں، اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں کہا ہے: اس کی سند قوی نہیں ہے، اور یہ حسن کے قول کے طور پر مشہور ہے، پھر اس کو سنداً تخریج کیا۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "موضوعات" میں ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں ہے، یحی بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (سند میں موجود) فضل برا شخص ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حفص بن عمر موضوعات نقل کرتا ہے، ان سے احتجاج جائز نہیں ہے، (ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

اور اسے دَارَ قُطنِی رحمۃ اللہ علیہ نے "افراد" میں ایک دوسری سند سے تخریج کیا ہے، اور اس سند میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھانجا سیف بن محمد کوفی ہے، جن کے بارے میں

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ وہ بالاجماع جھوٹا ہے۔

اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنہ“ میں فرمایا ہے: ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں دوسروں نے کہا ہے کہ یہ بالاتفاق جھوٹی، من گھڑت روایت ہے، انتہیٰ۔

اور عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت تخریج کی ہے، اور اس میں سعید بن فضل قرشی عن عمر بن ابی صالح عتَکِی ہے، اور یہ دونوں مجہول ہیں۔

اور یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے بھی مروی ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللآلئ المصنوعہ“ میں اسے تفصیل سے لکھا ہے۔

احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ موضوع حدیث ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اور عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور اس متن میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عقل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح خبر نہیں ہے۔

اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”فرقان“ میں فرماتے ہیں: اور یہ لوگ عقل کے بارے میں جو حدیث ذکر کرتے ہیں، حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے نزدیک یہ جھوٹ، من گھڑت ہے، جیساکہ یہی بات ابوحاتم بُستی رحمۃ اللہ علیہ دارَقُطنی رحمۃ اللہ علیہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہی ہے (ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات مکمل ہوئی)]

اور «هذان كتابان من رب العلمين» [یہ دونوں کتابیں رب العالمین کی جانب سے ہیں] کی زیادتی[1] اس حدیث میں کسی طریق میں بھی نہیں ملی[2]۔“

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”حجۃ اللہ البالغۃ“ (۱/۴۴) میں یہ اضافہ بغیر کسی مخرج کو ذکر کیے لکھا ہے۔

[2] الیواقیت الغالیہ: خلق العقل فقال له الخ کی تخریج؟ ۳۹۶/۱۔

حافظ صغانی رحمۃ اللہ علیہ ”الموضوعات“ (ص: ۳۵، رقم: ۲۷) میں اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ”المنارالمنیف“ (ص: ۶۶، رقم: ۱۲۰) میں فرماتے ہیں کہ یہ من گھڑت ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”فتح الباری“ (۶/

روایت نمبر ۴۹

روایت: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ روزِ قیامت دیگر تمام لوگوں کے لیے عمومی تجلی فرمائیں گے، اور اے ابو بکر! آپ کے لئے خصوصی تجلی فرمائیں گے“، اس کے تمام طرق معلول ہیں، ائمہ فن نے ان کے بطلان کا حکم لگایا ہے

سوال: «إن الله تعالى يتجلى بصور كثيرة في الموقف». [اللہ تعالیٰ محشر میں مختلف صورتوں کے ساتھ تجلی فرمائیں گے]

جواب: حدیث رابع، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا وغیر ہم۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاریخ بغداد“ (ص:۳۸۸، ج:۲۰) میں روایت کی ہے۔

«قال أخبرنا محمد بن أحمد رِزْق، حدثنا محمد بن يوسف بن حمدان الهَمْدَاني، حدثنا محمد بن عبيد [كذا فيه والصحيح عبد] بن عامر، أخبرنا عبد بن حميد الكِسِّي، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر

---

۲۸۹) میں فرماتے ہیں کہ اس روایت کا کوئی طریق ثابت نہیں ہے، حافظ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت من گھڑت ہے (دیکھئے: کشف الخفاء: رقم: ۲۰۷۵)، البتہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ زَبِیدی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ثبوت کی جانب مائل ہیں، دیکھئے: ”الدرر المنتثرة“ (رقم: ۳۴۴)، ”اتحاف السادة المتقین“ (۱/۷۵۳). بہرصورت اثبات کے طرق بھی محل نظر ہیں، لہذا عدمِ ثبوت کا قول ہی درست ہے۔

عن قتادة، عن أنس قال: لما خرج رسول الله ﷺ من الغار أخذ أبوبكر بغَرْزِه، فنظر النبي ﷺ إلى وجهه، فقال: يا أبا بكر! ألا أبشرك؟ قال: بلى فداك أبي وأمي! فقال: إن الله تعالى يتجلى يوم القيامة للخلائق عامة ويتجلى لك يا أبا بكر! خاصة.

قال الخطيب: هذا الحديث لا أصل له عند ذوي المعرفة بالنقل فيما نعلمه، وقد وضعه محمد بن عبد بن عامر إسنادا ومتنا»۔

[۔۔۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غار سے باہر تشریف لائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی رِکاب تھام لی، نبی ﷺ نے ان کے چہرے کی جانب دیکھ کر فرمایا: اے ابو بکر! کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ روزِ قیامت دیگر تمام لوگوں کے لئے عمومی تجلی فرمائیں گے، اور اے ابو بکر! آپ کے لئے خصوصی تجلی فرمائیں گے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہماری معلومات کے مطابق یہ روایت، نقل روایت کی معرفت رکھنے والے کے نزدیک بے اصل ہے، اس کی سند و متن سند کے راوی محمد بن عبد بن عامر نے ایجاد کی ہے]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث الحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرک" (ص: ۷۸، ج:۳) میں تخریج کی ہے۔

«قال أخبرنا أحمد بن كامل القاضي، ثنا يوسف بن محمد رئيس الخياط، ثنا محمد بن خالد الخُتَلِي، ثنا كثير بن هشام الكِلابي، ثنا جعفر بن بُرْقَان، عن محمد بن سُوْقَة، عن محمد بن المنكدر، عن

جابر عن [كذا فيه، والصحيح بن] عبد الله رضي الله عنهما قال: كنا عند النبي ﷺ إذ جاءه وفد عبد القيس، فتكلم بعضهم بكلام لغا في الكلام، فالتفت النبي ﷺ إلى أبي بكر وقال: يا أبابكر! سمعت ماقالوا؟ قال: نعم يا رسول الله! وفهمته، قال: فأجبهم، قال: فأجابهم أبوبكر بجواب وأجاد في الجواب، فقال رسول الله ﷺ: يا أبابكر! أعطاك الله الرضوان الأكبر، فقال له بعض القوم: وما الرضوان الأكبر يا رسول الله؟ قال: يتجلى لعباده في الآخرة عامة ويتجلى لأبي بكر خاصة.

وأخرجه أبونعيم في الحلية من طريق محمد بن خالد الخُتَّلِي وقال: هذا حديثٌ ثابتٌ، رواه أعلام، تفرد به الخُتَّلِي عن كثير.

وقال الذهبي في مختصر المستدرك: تفرد به الخُتَّلِي، وأحسبه وضعه. وأقره الحافظ ابن حجر في اللسان.

وأخرجه الدَارَقُطْنِي وابن عدي والخطيب (ص:۱۹، ج:۱۲) من وجه آخر، وفيه علي بن عبدة التميمي أبو الحسن المكتب، وقيل: في اسمه علي بن الحسن المكتب، وقيل: إنما هو علي أبو الحسن واسم أبيه عبدة.

قال ابن عدي والخطيب: هذا باطل.

وقال الذهبي في الميزان: هذا أقطع بأنه من وضع هذا الشيخ.

[قال الشيخ الجونفوري] وله طرق أخرى لايخلو واحد منها عن علة قادحة».

[۔۔۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، اس دوران عبدِ قیس کا وفد آگیا، ان میں سے ایک شخص نے گفتگو کی، جس میں اس نے لغو انداز اختیار کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابو بکر! تم نے ان کی بات سن لی ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! اور میں سمجھ بھی چکا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہیں جواب دو، راوی کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور اچھا جواب دیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! اللہ نے تمہیں بہت بڑی خوشنودی سے نواز دیا ہے، لوگوں میں سے کسی شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بڑی خوشنودی کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ آخرت میں دیگر لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائیں گے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص تجلی فرمائیں گے۔

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ”حلیہ“ میں اس روایت کو محمد بن خالد خُتَلِی کی سند سے تخریج کیا ہے، اور پھر فرماتے ہیں: یہ حدیث ثابت ہے، جس کے راوی اعلام ہیں، خُتلِی اسے کثیر سے نقل کرنے میں متفرد ہے۔

اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مختصر المستدرک“ میں کہا ہے کہ خُتَلِی اس میں متفرد ہے، اور میرا گمان ہے کہ خُتَلِی نے اسے گھڑا ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”لسان المیزان“ میں برقرار رکھا ہے۔

دَارَقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے، اور اس سند میں ابو الحسن مکتب علی بن عبدہ تمیمی ہے، اور کہا گیا ہے کہ ان کا نام علی بن حسن مکتب ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ علی ابو الحسن ہے اور ان کے والد کا نام عبدہ ہے۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ و خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ باطل ہے۔

اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ”میزان“ میں فرماتے ہیں: میں قطعی طور پر کہتا ہوں کہ اس شیخ

نے اسے گھڑا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس کی دیگر سندیں بھی ہیں، لیکن کوئی بھی علت سے خالی نہیں ہے]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الضعفاء" میں روایت کی ہے:

«بنحو حديث أنس، وفيه أحمد بن محمد بن عمر بن يونس اليَمَامِي، كذبه أبو حاتم وابن صاعد، وقال الدَارَقُطْنِي: ضعيف، وقال مرة: متروك، وذكر الذهبي هذا الحديث في ترجمته في الميزان».

[یہ روایت حدیث انس رضی اللہ عنہ کی طرح ہے، اس میں احمد بن محمد بن عمر بن یونس یمَامِی ہے، ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن صاعد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جھوٹا کہا ہے، اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر ضعیف، اور ایک دوسرے موقع پر متروک کہا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد یمَامِی کے ترجمہ میں یہ حدیث "میزان الاعتدال" میں ذکر کی ہے]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ابو عبد اللہ بن بَطّہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے:

«بطريق عبد الله بن واقد، حدثنا ابن جريج، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: يا أبا بكر! ألا أبشرك؟ قال: بلى يا رسول الله! قال: إن الله تعالى يتجلى للناس عامة ويتجلى لك خاصة.

وعبد الله بن واقد هو أبو قتادة الخراني [كذا فيه، والصحيح الحَرَّانِي]، قال البخاري: سكتوا عنه، وقال أيضا: تركوه، وقال أبوزرعة

والدَارَقُطْنِي: ضعيف، وقال أبوحاتم: ذهب حديثه، وقال الجُوزجاني: متروك.

واختلف الرويات عن يحيي بن مَعِيْن، فقال في رواية عبد الله بن أحمد: ليس شيء[كذا في الأصل]، وكذا روى الدُوْلابي عن عباس الدُوْرِي عن يحيي بن معين، وروى ابن جَوْصَا عن عباس، عن يحيي: ثقة، وقال مرة: ليس به باس كثير الغلط. وقال أحمد بن حنبل: كان أبو قتادة يتحرى الصدق، رأيته يشبه أصحاب الحديث، وقال في موضع آخر: ما به بأس، رجل صالح، يشبه أهل النسك، وربما أخطأ. وقال ابن حبان: كان أبو قتادة من عباد الجزيرة، فغفل عن الإتقان، فوقعت المناكير في أخباره، فلايجوز أن يحتج بخبره، ثم ذكر بعض مناكير.

[قال الشيخ الجونفوري] فالحاصل أن الرجل صدوق، ولكنه يخطيء كثيرا، فالحديث لايعتمد عليه من أجل خطأه».

[ـــ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کیوں نہیں، یارسول اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائیں گے اور آپ کے لئے خاص تجلی فرمائیں گے۔

(سند میں موجود راوی) عبد اللہ بن واقد، ابو قتادہ حرانی ہے، بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں ایک جگہ "سکتوہ" اور دوسری جگہ "ترکوہ" نقل کیا ہے، ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ اور دَارَقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے، اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذاہب الحدیث اور جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ نے متروک کہا ہے۔

یحیی بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں، عبد اللہ بن احمد کی روایت کے مطابق یہ ”لیس بشیء“ ہے، اور یہی قول دُولَابِی نے عباس دُورِی عن یحیی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے نقل کیا ہے، اور ابن جَوصَا نے عباس عن یحیی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے ”ثقہ“ نقل کیا ہے، اور ایک دوسری جگہ ”لیس بہ باس، کثیر الغلط“ نقل کیا ہے، اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابو قتادہ سچائی کو طلب کرنے والے ہیں، میں تو انہیں اہل حدیث کے مشابہ پاتا ہوں، اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ان میں کوئی حرج نہیں، نیک شخص ہے، عبادت گذار لوگوں کی طرح ہے، اور کبھی کبھی خطاء کر جاتا ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو قتادہ جزیرہ کے عبادت گذار لوگوں میں تھا، ان سے پختگی میں غفلت ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی روایت میں مناکیر ہیں، لہذا ان کی خبر سے احتجاج جائز نہیں، پھر ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی بعض مناکیر ذکر کیں۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) خلاصہ یہ کہ یہ شخص صدوق ہے، لیکن بہت زیادہ خطاء کرنے والا ہے، چنانچہ ان کی خطاء کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا]

اس حدیث کے اور بھی طرق ہیں، ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام طرق کو کتاب ”الموضوعات“ میں (ص: ۳۰۴ سے ۳۰۸ تک) مع تنقید کے ذکر فرمایا ہے۔

ابن عرَّاق الکِنَانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعہ“ میں (ص: ۲۷۳، ج: ۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق کو حسن قرار دیا ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث حسن کی دو قسمیں ہیں: حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔

حسن لذاتہ وہ حدیث ہے جس میں حدیث صحیح لذاتہ کی تمام شرائط موجود ہوں، صرف ضبط میں کمی ہو، حدیث صحیح وہ حدیث ہے جس کا راوی عادل تامّ

الضبط ہو، سند متصل ہو، معلول اور شاذ نہ ہو:

«قال الحافظ ابن حجر في نخبة الفِكَر: وخبر الآحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ هو الصحيح لذاته، فإن خف الضبط فالحسن لذاته، انتهى مختصرا». [حافظ ابن حجرؒ "نخبۃ الفکر" میں فرماتے ہیں: خبر آحاد مع نقل عدل، کامل الضبط راوی، متصل سند، علتِ وشذوذ سے خالی، صحیح لذاتہ کہلاتی ہے، پھر اگر راوی کا ضبط خفیف ہو تو خبر آحاد حسن لذاتہ کہلاتی ہے، انتہی مختصراً]

اور حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس کی سند ضعیف ہو، لیکن دوسری اسانید وطرق سے مروی ہو، جس کے ملانے سے قوت پیدا ہو جائے اور سند ضعیف سے درجہ حسن کو پہنچ جائے۔

حدیثِ مذکور حسن لذاتہ اس لئے نہیں ہے کہ اس کا راوی صرف خفیف الضبط ہی نہیں ہے، بلکہ کثیر الغلط ہے، كماتقدم عن ابن مَعِيْن. [جیساکہ ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے گذر چکا ہے] اور ایسا شخص سیٔ الحفظ والضبط ہوتا ہے۔

اور حسن لغیرہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ ماقبل کے تمام طرق معلول ہیں، ائمہ فن نے ان کے بطلان کا حکم لگایا ہے، اس مضمون کے لکھنے کے بعد جو دیکھا تو حدیث السوال اور ہے، لیکن بایں لفظ اب تک کہیں نہیں ملی، البتہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی بعض احادیث سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔[1]”

---

[1] الیواقیت الغالیہ: ان الله تعالي يتجلّي بصور كثيرة الخ کی تخریج، ۱/۳۹۵ - ۴۰۰۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "المغنی عن حمل الاسفار" (رقم: ۴۱۶۳) میں، حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، نیز حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے "المنار المنیف" (ص: ۱۱۵، رقم: ۲۳۹) میں اور علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللؤلؤ المرصوع" (ص: ۵۵، رقم: ۱۰۷) میں اس روایت کو من گھڑت کہا ہے۔

روایت نمبر (۵۰)

روایت: ”تمہاری دنیا میں سے میرے لئے تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں: خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے“، محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس روایت میں لفظِ ”ثلٰث“ ثابت نہیں ہے

”«وأما الثاني: إنه اشتهر على الألسنة بلفظ: حبب إلي من دنياكم ثلٰث، بزيادة ثلٰث، كذلك ذكره الغزالي في الإحياء في ثلثة مواضع: الأول في النكاح، والثاني: في ذم الدنيا[كذا في الأصل]، وفي کیمیائے سعادت (ص:٥٣١) له، والشيخ القطب الجيلاني في المقالة السادسة من فتوح الغيب الذي جمعه ولده أبو عبد الرحمن عيسى (ص:١٣)، وفي مواعيظه المسمى بالفتح الرباني في المجلس السابع والخامس والعشرين(ص:٥٧١)، والثالث في كتاب المحبة (ص: ٥٥٤، ج:٤)، والزمخشري في تفسير آل عمران من الكشاف(ص:٤٠٤،ج:١) عند قوله تعالى: (فيه آيات بينات مقام إبراهيم) الآية، وتبعه البيضاوي في أنوار التنزيل وأسرار التأويل والنسفي في مدارك التنزيل وحقائق التأويل، والقَنَوِي وشيخ زاده من محشي البيضاوي، وكذا ذكره العارف محي الدين أبو عبد الله محمد بن علي المعروف بابن عربي الطائي الحاتمي الأندلسي في فصوص الحكم في حكمة فردية في كلمة محمدية(ص:٥٤٤).

ولكن لم نجده في شيء من طرق هذا الحديث، وقد قال الحافظ في تخريج الكشاف:

ليس في شيء من طرقه لفظ ثلث، بل أوله عند الجميع: حبب إلي من دنياكم النساء، وزيادة ثلث تفسد المعنى على أن الإمام أبابكر بن فُوْرَك شرحه في جزء مفرد بإثباتها، وكذلك أورده الغزالي في الإحياء، و اشتهر على الألسنة.

وقال في التلخيص الحبير(ص:۸۷۲) تبعا لأصله أعني البدر المنير لشيخه سراج الدين ابن الملقن: وقد اشتهر على الألسنة بزيادة ثلث، وشرحه الإمام أبوبكر بن فُوْرَك في جزء مفرد على ذلك، وذكر الغزالي في الإحياء، ولم نجد لفظ ثلث في شيء من طرقه المسندة الخ.

وقال تلميذه الحافظ السخاوي في المقاصدالحسنة: وما استقر في هذا الحديث من زيادة ثلث، فلم أقف عليها إلا في الموضعين من الإحياء وفي تفسير آل عمران من الكشاف، ومارأيتها في شيء من طرق هذا الحديث بعد مزيد التفتيش، وبذلك صرح الزركشي فقال: إنه لم يرد فيه ثلث، وزيادته محيلة للمعنى، فإن الصلاة ليست من الدنيا. قال: وقد تكلم أبوبكر بن فُوْرَك على معناه في جزئه، ووجه ماثبت فيه الثلث، وكذا قال الولي العراقي (أي: في أماليه كما في المواهب): ليست هذه اللفظة وهي ثلث في شيء من كتب الحديث وهي مفسدة للمعنى، فإن الصلاة ليست من أمور الدنيا اهـ.

قلت[أي: الشيخ الجونفوري]: كذا قال أبوه الحافظ زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي، كما في الإتحاف (ص:١١٣، ج:٥)

قال العراقي: رواه النسائي والحاكم من حديث أنس بإسناد جيد، وضعفه العُقَيْلِي، وسكت العراقي هنا ولم ينبه على هذه الزيادة رأيا للاختصار واتكالا على الاشتهار مع أنه ذكر في أماليه أن هذه اللفظة ليست في شيء من كتب الحديث، وهي تفسد المعنى اهـ.

قال الزَبِيْدِي: ووجدت بخط الكمال الدَمِيْرِي مانصه: لفظة ثلث ليست في النسائي، ولا أدري ماحالها عند الحاكم، وهي زيادة مفسدة للمعنى، وقد أجاب عنها جماعة فلم يُتْقِنُوْا، وقاس الزمخشري عليها(فيه آيات بينات)، وقد أخطأ في القياس اهـ.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: وهي ليست عندالحاكم أيضا.

وقال الحافظ ابن القيم في الهدي [أي: زاد المعاد] (ص:٨٣، ج:١): من رواه حبب إلي من دنياكم ثلث فقد وهم، ولم يقل ﷺ ثلث، والصلاة ليست من أمور الدنيا التي يضاف إليها. وقال في الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي(ص:٦٢٣) بعد ماذكر لفظ النسائي: هذا لفظ الحديث، لا مايرويه بعضهم: حبب إلي من دنياكم ثلث اهـ.

وقال الحافظ ابن كثير في البداية والنهاية(ص:٦٢، ج:٦) بعد ذكر لفظ النسائي وأحمد: وقد روي من وجه آخر بلفظ: حبب إلي من دنياكم ثلث: الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلاة.

وليس بمحفوظ بهذا، فإن الصلوة ليست من أمور الدنيا، وإنما هي من أهم شئون [كذا في الأصل، والصحيح الشؤون] الآخرة اهـ.

وقال المُنَاوِي في شرح الجامع الصغير(ص:٣٩٤،ج:١) : من زاد ثلث فقد وهَم[انتهى كلام المُنَاوِي].

وقال الشوكاني في الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة (ص:٧٧): قال العُقَيْلِي: ليست في شيء من كتب الحديث، وكذا الزركشي وابن حجر اهـ.

[قال الشيخ الجونفوري] كذا وقع في نسخ الفوائد: قال العُقَيْلِي، والله أعلم بما هو الصواب .

ونقل الشهاب الخَفَاجِي في حواشيه على البيضاوي المسماة بعناية القاضي وكفاية الراضي (ص:٩٤،ج:٣) عن الطيبي أنه قال: لفظ ثلث ليست في كتب الحديث[انتهى كلام الخَفَاجِي].

وظن الشهاب في شرح الشفاء المسمى بنسيم الرياض في شرح الشفاء للقاضي عِيَاض(ص:٨٥٤، ج:١) من إنكار الحفاظ هذه اللفظة أن المراد أنها مدرجة في الحديث، وتعقبه الزَرْقَانِي في شرح المواهب (ص:٩٥،ج:٥) فقال: إنه زعم من لا إلمام له بالفن، فالمدرج الملحق بالحديث من قول راو بلا ظهور فصل .

وتصدى الشهاب في حواشي البيضاوي لإثباته (ص:٩٤،ج:٣) فقال:

لكن إثباتها كما وقع للزمخشري وقع للراغب أيضا، وحسن

الظن بهم يقتضي أنهم ظفِروا به في رواية وليس هذا محلا للرواية بالمعنى ولا للسهو، ولامانع من جعل الصلاة الواقعة في الدنيا منها، لأنه ليس المراد بها مايكون صرف أمور دنيوية، بل مايقع فيها وإن كان له تعلق بالآخرة، وتغيير التعبير إشارة إلى مغايرته لما قبله اهـ. وإلى ذلك يميل كلامه في شرح الشفاء .

وكذا تصدى علي القاري لإثباته في الموضوعات الكبير (ص: ۹۳) فقال في حرف الحاء حديث: حبب إلي من دنياكم ثلث: الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلوة، قال الزركشي: رواه النسائي والحاكم من حديث أنس بدون لفظ ثلث، وقال السخاوي: لم أقف على لفظ ثلاث إلا في موضعين من الإحياء وفي تفسير آل عمران من الكشاف . ومارأيتهما في شيء من طرق هذا الحديث بعد مزيد التفتيش، قال: وزيادته محيلة للمعنى فإن الصلاة ليست من الدنيا.

قال القاري: قلت: وصحته من جهة المبنى. فقد قال السيوطي في تخريج أحاديث الشفاء: لكن عند أحمد من حديث عائشة: كان يعجب نبي الله ﷺ ثلثة أشياء، النساء والطيب والطعام، فأصاب اثنين ولم يصب واحدة: أصاب النساء والطيب ولم يصب الطعام. قال: إسناده صحيح إلا أن فيه رجلا لم يسم، قال القاري: قلت: فيصير إسناده حسنا. وأما صحته من جهة المعنى فلوقوع قرة عينه في الدنيا جعل كأنه منها، ويؤيده ماجاء في رواية: الطيب و النساء

وقرة عيني في الصلاة [انتهى كلام القاري].

(قال الشيخ الجونفوري) ناقضه في المصنوع فقال:

حديث: حبب إلي من دنياكم النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوة، رواه النسائي في سننه والطَبَرَانِي في الأوسط . وأما زيادة ثلث الواقعة في كلام الغزالي وغيره فلا أصل لها كما قاله الحفاظ، وإن تكلف الإمام ابن فُوْرَك في توجيهها اه.

وقال في شرح الشفاء (ص:٧٥٤، ج:١): وليس زيادة ثلاث في صحيح الروايات.

وقال في موضع آخر من الشرح المذكور(ص:١٢١، ج:٢):

رواه النسائي والحاكم في مستدركه من حديث أنس بإسناد جيد وضعفه العُقَيْلِي وليس فيه لفظ ثلاث، وإنما وقع في بعض الكتب كالإحياء وغيره، فما وقع في بعض النسخ يعني من الشفاء من لفظ ثلاث بعد دنياكم خطأ فاحش.

ومما يدل على بطلانه تغيير سياق الحديث وتعبيره بقوله: وجعلت قرة عيني في الصلاة، إيماء إلى أن قرة العين ليست من الدنيا لاسيما من الدنيا المضافة إلى غيره ﷺ ودفعا لما تكلف بعضهم من أن الصلاة حيث كانت واقعة في الدنيا صحت إضافته إليها في الجملة اه.

فبين في الكلام أن لفظ ثلاث إنما وقع في بعض الكتب لا في كتب الحديث، وأما ما وقع في بعض نسخ الشفاء فهو خطأ يدل على

ذلك تغيير السياق، واختاره القاضي إيماء إلى أنها ليست من الدنيا ودفعا لتوجيه بأنه باعتبار الوقوع في الدنيا».

[دوسری بحث: لوگوں کی زبانوں پر مشہور الفاظ: حبب الی من دنیاکم ثلث (تمہاری دنیا میں سے میری لیے تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں) میں لفظِ ثلث کی بحث، یہ روایت لفظِ ثلث کے اضافہ کے ساتھ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء" میں تین مقامات پر ذکر ہے، اول نکاح میں، ثانی ذم الدنیا میں، اور کیمیائے سعادت میں، اور شیخ قطب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتوح الغیب" کے چھٹے مقالہ میں - جسے ان کے بیٹے ابو عبد الرحمن عیسی نے جمع کیا ہے - اسے ذکر کیا ہے، نیز شیخ قطب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ بنام "فتح ربانی" کی ساتویں اور پچیسویں مجلس میں بھی یہ موجود ہے، اور تیسرا مقام "کتاب المحبہ" میں، اور زمحشری رحمۃ اللہ علیہ نے "کشاف" میں آلِ عمران کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے قول: فیہ آیات بینات مقام الآیۃ، کے تحت اسے ذکر کیا ہے، اور ان کی اتباع میں بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "انوار التنزیل" و "اسرار التاویل" میں، نَسَفِی رحمۃ اللہ علیہ نے "مدارک التنزیل" و "حقائق التاویل" میں کی ہے، نیز بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو محشی قُنَوِی و شیخ زادہ نے بھی اسے اتباعاً ذکر کیا ہے، اور اسی طرح عارف محی الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف بابن عربی طائی حاتمی اندلسی نے "فصوص الحکم فی حکمۃ فردیۃ فی کلمۃ محمدیہ" میں اسے ذکر کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) لیکن ہمیں اس حدیث میں لفظِ ثلث کا اضافہ کسی بھی طریق میں نہیں ملا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تخریج "کشاف" میں فرماتے ہیں:

اس حدیث کے کسی بھی طریق میں لفظِ ثلث نہیں ہے، بلکہ اس کا ابتدائی حصہ سب کے نزدیک یہ ہے: تمہاری دنیا میں سے میرے لیے محبوب، عورتیں ہیں۔ اور لفظِ ثلث کا اضافہ معنی کو فاسد کرنے والا ہے، نیز امام ابو بکر بن فُورَک نے ایک مستقل

جزء اس روایت کی شرح میں لکھا ہے، جس میں اس اضافہ کو ثابت قرار دیا ہے، اور اسی اضافہ کے ساتھ غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "احیاء" میں ذکر کیا ہے، اور یہی لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہی "تلخیص الحبیر" میں اصل یعنی شیخ سراج الدین ابن مُلَقِّن کی "بدر منیر" کا اتباع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لوگوں کی زبانوں پر لفظِ ثلث کا اضافہ مشہور ہے، اور امام ابو بکر بن فُورَک نے اس حدیث کی شرح ایک مستقل جزء میں، اس اضافہ کے ساتھ کی ہے، اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "احیاء" میں اس اضافہ کے ساتھ لکھا ہے، لیکن ہمیں اس روایت کے مسند طرق میں کہیں بھی لفظِ ثلث نہیں ملا الخ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد الحسنہ" میں فرماتے ہیں:

> اس حدیث میں لفظِ ثلث کا اضافہ (لوگوں میں) قائم ہے، میں اس اضافہ پر صرف دو جگہ واقف ہوا ہوں، "احیاء" میں اور "کشاف" میں آل عمران کی تفسیر میں، البتہ مزید تلاش کے بعد بھی میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں اس اضافہ کو نہیں پایا، اور زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات فرمائی، آپ فرماتے ہیں: اس روایت میں لفظِ ثلث روایت کے الفاظ نہیں، اور یہ اضافہ معنی کو بھی بدلنے والا ہے، کیونکہ نماز دنیا میں سے نہیں ہے، ابو بکر بن فُورَک نے ایک جزء میں اس کے معنی پر کلام کیا ہے، اور لفظِ ثلث کے ثبوت کی توجیہ کی ہے، اور اسی طرح ولی عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے (یعنی اپنی امالی میں۔ جیسا کہ "المواہب" میں ہے۔) کہا ہے: یہ لفظِ ثلث حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، اور یہ اس کے معنی کو بھی بگاڑنے والا ہے، کیونکہ نماز امورِ دنیا میں سے نہیں ہے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے والد زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے، جیسا کہ ”اتحاف“ میں ہے:

عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے انس رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے، اور عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف کہا ہے، اور عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر سکوت کیا ہے، اور لفظِ ثلث کے اضافہ کے بارے میں کوئی تنبیہ نہیں کی، بناء بر اختصار و شہرت، باوجودیکہ انہوں نے اپنی ”امالی“ میں کہا ہے کہ یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، اور یہ اضافہ روایت کے معنی کو فاسد کرنے والا ہے اھ۔

زَبِیدِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے کمال الدین دَمِیرِی کی تحریر میں یہ عبارت دیکھی ہے:

لفظِ ثلث، ”نسائی“ میں نہیں ہے، معلوم نہیں کہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں لفظِ ثلث کا کیا حال ہے، اور یہ لفظِ ثلث معنی کو فاسد بنانے والا ہے، ایک جماعت نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن وہ کوئی مضبوط جواب نہیں دے سکے ہیں، اور اس پر زمحشری رحمۃ اللہ علیہ نے فیہ آیات بینات کو قیاس کیا ہے، لیکن انہوں نے اس قیاس میں خطاء کی ہے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: یہ اضافہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی نہیں ہے، اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ”زاد المعاد“ میں فرماتے ہیں: جن لوگوں نے حبب الی من دنیاکم ثلث (یعنی لفظِ ثلث کے ساتھ) نقل کیا ہے، انہیں وہم ہوا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظِ ثلث ثابت نہیں ہے، اور نماز امورِ دنیویہ میں سے نہیں کہ اسے دنیا کی جانب منسوب کیا جائے، اور حافظ ابن القیم ہی ”الجواب الکافی لمن سائل عن الدواء الشافی“ میں نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ ہیں

حدیث کے الفاظ (یعنی لفظِ ثلث کے بغیر)، نہ کہ وہ جو بعض نے نقل کیے ہیں: حبب الی من دنیاکم ثلث (یعنی لفظِ ثلث کے ساتھ) اھ۔

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ "البدایہ والنہایہ" میں نسائی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اور یہ ایک اور طریق سے ان الفاظ سے مروی ہے: تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میرے لیے محبوب بنائی گئی ہیں: خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور یہ لفظِ ثلث (یعنی تین چیزیں) کا اضافہ محفوظ نہیں ہے، کیونکہ نماز امورِ دنیویہ میں سے نہیں ہے، بلکہ نماز امورِ آخرت میں سے اہم ترین عمل ہے اھ۔

اور مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع صغیر" کی شرح میں لکھا ہے: جس نے لفظِ ثلث کا اضافہ کیا ہے، اسے وہم ہوا ہے (مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ کلام مکمل ہوا)۔

اور شوکانی رحمۃ اللہ علیہ "الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ" میں لکھتے ہیں: عُقَیلِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اضافہ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہے، اور اسی طرح زرکشی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) "فوائد مجموعہ" کے نسخوں میں اسی طرح ہے، (یعنی) عُقَیلِی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، درست بات سے اللہ ہی خوب واقف ہیں۔

شہاب خَفَاجِی رحمۃ اللہ علیہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ بنام "عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی" میں طیبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: لفظِ ثلث حدیث کی کتابوں میں نہیں ہے۔

اور شہاب رحمۃ اللہ علیہ قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ کی "شفاء" کی شرح بنام "نسیم الریاض فی شرح الشفاء" میں یہ سمجھے ہیں کہ حفاظ کا اس لفظ پر انکار کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ حدیث میں مدرج ہے، اور زَرْقَانی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح المواہب" میں ان کا تعاقب کرتے

ہوئے لکھا ہے: اس کا قائل تو وہ ہو گا جسے اس فن کی معرفت نہیں، کیونکہ حدیث میں بلا فصل، کسی راوی کی جانب سے ملائے گئے کلام کو مدرج کہا جاتا ہے۔

اور شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ میں اس کو ثابت قرار دینے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

لیکن اس اضافہ کا اثبات جیسا کہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں واقع ہوا ہے ایسے ہی راغب کے ہاں بھی یہ ثابت ہے، اور ان سے حسن ظن اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ یہ اضافہ کسی روایت میں انہیں ملا ہو گا، اور نہ یہ روایت بالمعنی کا موقع ہے اور نہ ہی سہو کا، اور دنیا میں پڑھی جانے والی نماز کو دنیا سے قرار دینے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ نماز خالص دنیوی امور میں سے ہے، بلکہ (مراد یہ ہے کہ وہ عمل) جو واقع دنیا میں ہو، اگرچہ اس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہو، اور عبارت کی تبدیلی ما قبل سے مغایرت کا تقاضہ کرتی ہے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) شہاب کا کلام "شرح الشفاء" میں اسی طرف مائل ہے۔

اور اسی طرح علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "موضوعات کبیر" میں اس کے اثبات کی کوشش میں ہیں، چنانچہ حرف الحاء، حدیث: «حبب إلي من دنياكم ثلث الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلوة». کے تحت لکھتے ہیں:

زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ نسائی رحمۃ اللہ علیہ و حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے انس رضی اللہ عنہ سے لفظِ ثلث کے بغیر روایت کیا ہے، نیز سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں صرف دو مقامات پر لفظِ ثلث کے اضافہ پر واقف ہوا ہوں، ایک "احیاء" میں اور دوسرا "کشاف" میں آل عمران کی تفسیر میں، اور مزید تلاش کے باوجود مجھے یہ اضافہ اس حدیث کے کسی

طریق میں نظر نہیں آیا، وہ فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ معنی کو (درستگی سے) ہٹانے والا ہے، کیونکہ نماز دنیا میں سے نہیں ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ لفظِ ثلث کا مبنی (یعنی الفاظ) کی حیثیت سے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیثِ شفاء کی تخریج میں لکھا ہے: لیکن احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں پسند تھیں: عورتیں، خوشبو اور کھانا، دو تو آپ کو حاصل ہوئی لیکن ایک حاصل نہیں ہوئی، (یعنی) عورتیں اور خوشبو تو آپ کو میسر ہوئی، لیکن کھانا نہ مل پایا (یعنی وسعت کے ساتھ)۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے سوائے ایک شخص کے جس کا نام نہیں بتایا گیا، قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں روایت کی سند حسن ہوگئی۔

(علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) اور معنی کے لحاظ سے اس اضافہ کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا میں حاصل ہوئی ہے، اس لیے نماز کو دنیا میں سے قرار دے دیا گیا، اس کی تائید روایت کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے (علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "المصنوع" میں اس کے مخالف کلام کیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

حدیث: «حبب إلي من دنياكم ثلث: النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوة». اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "اوسط" میں تخریج کیا ہے، (یعنی اس میں لفظِ ثلث کا اضافہ نہیں ہے) اور لفظِ

ثلث کا اضافہ جو غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے کلام میں واقع ہوا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے جیسا کہ حفاظ نے کہا ہے، اگرچہ ابن فُورَک نے اس اضافہ کی توجیہ میں تکلف سے کام لیا ہے اھ

اور علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "شرح شفاء" میں لکھتے ہیں: صحیح روایتوں میں لفظِ ثلث کا اضافہ نہیں ہے۔

اور آپ نے اسی شرح میں ایک دوسرے مقام پر کہا ہے:

نسائی رحمۃ اللہ علیہ وحاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ۔ مستدرک میں ۔ بسندِ جید، انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تخریج کی ہے، اور اسے عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے، جس میں لفظِ ثلث نہیں ہے، البتہ بعض کتابوں جیسے "احیاء" وغیرہ میں یہ اضافہ موجود ہے، اور "شفاء" کے بعض نسخوں میں لفظِ دنیاکم کے بعد لفظِ ثلث موجود ہے، یہ خطاء فاحش ہے۔

اور سیاق حدیث اور اس کی عبارت کی یہ تبدیلی بھی اس اضافہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، (یعنی) یہ قول: "اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے"، اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک دنیا میں سے نہیں ہے، خصوصاً وہ دنیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی جانب منسوب ہے، اور (اس میں) تردید ہے ان بعض لوگوں پر جو تکلفاً کہتے ہیں کہ نماز چونکہ دنیا میں ہے، اس لیے کسی نہ کسی درجہ میں اس کی نسبت دنیا کی جانب کرنا صحیح ہے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمادی ہے کہ لفظِ ثلث صرف بعض کتابوں میں موجود ہے، تمام کتبِ حدیث میں نہیں ہے، نیز "شفاء" کے بعض نسخوں میں لفظِ ثلث کی موجودگی خطاء پر مبنی ہے، سیاق کی تبدیلی بھی اسی پر دلالت کرتی ہے، اور قاضی رحمۃ اللہ علیہ کا اسے (یعنی لفظِ ثلث کے بغیر) اختیار

کرنا اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ نماز دنیا میں سے نہیں ہے، اور اس سے ان لوگوں پر بھی رد ہے جو اسے دنیا میں واقع ہونے کی وجہ سے درست قرار دیتے ہیں][1]۔ "

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیہ: واما الثانی، ۴۱۵/۱ - ۴۱۸۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "الحاوی للفتاوِی" (ص:٦٧۴) میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظِ "ثلاث " نہیں ہے، علامہ محمد الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (ص:۱۲۲، رقم:۵۴۸) میں لفظِ "ثلاث" کو مدرج قرار دیا ہے، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "التعلیق الممجد علی موطأ محمد" (۲ / ۳) میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے کہا ہے کہ لفظِ "ثلاث" کی زیادتی سنداً نہیں ملتی۔

روایت نمبر (۵۱)

روایت: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تمہاری دنیا میں، تین چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں.... پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا، اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین محبوب چیزیں ذکر کیں“،

آپ اس کی کوئی صحیح یا حسن یا ضعیف سند ہی نہ پائیں گے

”وأما الخامس ففي الزيادة:

قال المحب الطَبَرِي في الرياض النَضْرَة في مناقب العشرة(ص: ١/٣٦): روي أنه لما قال ﷺ: حبب إلي من دنياكم ثلاث: الطيب والنساء وجعل قرة عيني في الصلوة، قال أبو بكر رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلاث: النظر إلى وجهك وجمع المال للإنفاق عليك والتوسل بقرابتك إليك، وقال عمر رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والقيام بأمر الله، وقال عثمان رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: إطعام الجائع وإرواء الظمآن وكسوة العاري، وقال علي بن أبي طالب رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: الصوم في الصيف وإقراء الضيف والضرب بين يديك بالسيف. أخرجه الخُجَنْدِي، انتهى.

و الخُجَنْدِي هو إبراهيم ابن محمد ابن عبد اللطيف الخُجَنْدِي

كما في خطبة الرياض النضرة (ص: ١/٦).

وفي نسيم الرياض (ص: ١/٤٥٨) بلفظ: روي أن النبي ﷺ جلس مع أصحابه الأربعة عنهم فقال: حبب إلي من دنياكم ثلاث: الطيب والنساء وجعلت قرة عيني في الصلاة، قال أبو بكر رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: الجلوس بين يديك والنظر إليك وإنفاق جميع مالي عليك، وقال عمر رضي الله عنه: وأنا يا رسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وحفظ الحدود، وقال عثمان رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: إفشاء السلام وإطعام الطعام والصلاة بالليل والناس نيام، وقال علي رضي الله عنه: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنيا ثلث: إقراء الضيف والصوم بالصيف والضرب بين يديك بالسيف، فنزل جبريل علیه السلام: وأنا يارسول الله! حبب إلي من دنياكم ثلث: حب المساكين وتبليغ الرسائل للمسلمين وأداء الأمانة، وإذا النداء من قبل الله وهو يقول: إن الله يحب من دنياكم ثلث: بدن صابر ولسان ذاكر وقلب شاكر، انتهى .

وفي المنبهات عن رسول الله ﷺ أنه قال: حبب إلي من دنياكم ثلث: الطيب والنساء وجعل قرة عيني في الصلوة، وكان معه أصحابه جلوسا فقال أبوبكر الصديق رضي الله عنه: صدقت يارسول الله! وحبب إلي من الدنيا ثلث: النظر إلى وجه رسول الله وإنفاق مالي على رسول الله وأن يكون ابنتي تحت رسول الله، فقال عمر رضي الله عنه: صدقت يا أبابكر! و حبب إلي من الدنيا ثلث: الأمر بالمعروف والنهي

عن المنكر والثوب الخلق، فقال عثمان رضي الله عنه: صدقت يا عمر رضي الله عنه! وحبب إلي من الدنيا ثلث: إشباع الجيعان وكسوة العريان وتلاوة القرآن، فقال علي رضي الله عنه: صدقت يا عثمان رضي الله عنه! و حبب إلي من الدنيا ثلث: الخدمة للضيف والصوم في الصيف والضرب بالسيف، فبيناهم كذلك إذ جاء جبرئيل وقال: أرسلني الله تبارك وتعالى لما سمع مقالتكم وأمرك أن تسئلني عما أحب إن كنت من أهل الدنيا، فقال: ماتحب إن كنت من أهل الدنيا؟ فقال: إرشاد الضالين وموانسة الغرباء القانتين ومعاونة العيال المعسرين، وقال جبرئيل: يحب رب العزة جل جلاله من عباده ثلث خصال: بذل الاستطاعة والبكاء عند الندامة والصبر عند الفاقة.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: ولايصح من ذلك شيء، بل تكاد لاتوجد بسند صحيح ولاحسن ولاضعيف، انتهى مايتعلق بالحديث.

وأما المنبهات فلمن هي؟ فأقول: إنها ليست من مصنفات الحافظ الشهير ابن حجر العسقلاني ولا من تاليفات الشيخ ابن حجر الهيثمي [كذا في الأصل، والصحيح الهيتمي] المكي لأمور ....[1]"

[پانچویں بحث: (اس حدیث پر) زائد الفاظ کے بارے میں محب طبری رحمۃ اللہ علیہ ”ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ“ میں فرماتے ہیں:

منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تمہاری دنیا میں، تین

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: وأما الخامس؟ ۱/۴۴۰ - ۴۴۴۔

چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لیے بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کرنے کے لئے مال جمع کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ حاصل کرنا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میرے نزدیک بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں: امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور اللہ کے حکم کو قائم کرنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میرے لیے بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں: بھوکے کو کھانا کھلانا، پیاسے کو سیراب کرنا، اور برہنہ کو کپڑا پہنانا، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یارسول اللہ! میرے نزدیک بھی دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں: گرمی کا روزہ، مہمان کی میزبانی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار چلانا۔

خُجَندِی نے اسے تخریج کیا ہے، محب طَبرِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

خُجَندِی سے مراد ابراہیم بن محمد بن عبد اللطیف خُجَندِی ہے، جیسا کہ "الریاض النُضَرہ" کے خطبہ میں ہے۔

اور "نسیم الریاض" میں ہے.... [سابقہ روایت کے مثل روایت نقل کی]

اور "منبہات" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:.... [سابقہ روایت کے مثل روایت نقل کی]

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس بارے میں کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے، بلکہ آپ اس کی کوئی صحیح یا حسن یا ضعیف سند ہی نہ پائیں گے، حدیث سے متعلق بات مکمل ہوگئی۔

(اب سوال یہ ہے کہ) "مُنَبِّہات" کن کی تصنیف ہے؟

میں (حضرت جونپوری ؒ) کہتا ہوں کہ یہ نہ تو مشہور حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ کی تصنیف ہے اور نہ ہی ابن حجر ہیتمی مکی ؒ کی تالیف ہے، چند وجوہات کی بناء پر[1]---]

* * * * *

---

[1] یہ وجوہات ص۹۶ پر پہلے گزر چکی ہیں۔

روایت نمبر (۵۲)

روایت: ”کالا جوتا پہننا نسیان کا باعث ہے“، اس بارے میں کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے

”**سؤال**: حضرت میں نے آپ سے یہ سنا کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، یہ کہاں ہے اور وجہ کیا ہے؟

جواب: مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ میں نے یہ کبھی کہا ہو کہ کالا جوتا پہننا مکروہ ہے، البتہ میں یہ کہا کرتا ہوں کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض سے نقل کیا ہے کہ کالا جوتا مورثِ نسیان ہے۔

علامہ مذکور اپنی کتاب ”المقاصد الحسنۃ“ (ص: ۴۰۸) میں تحریر فرماتے ہیں: «وتزعم العامة أن لبس النعال السود يورث النسيان».[عام لوگوں کا خیال ہے کہ کالا جوتا پہننا مورثِ نسیان ہے] اس بارے میں کوئی حدیث وغیرہ نظر میں نہیں ہے، نہ علامہ مذکور نے تحریر فرمائی ہے، یہ سب چیزیں تجرباتی ہیں۔

اگر اس کے علاوہ آپ کو کوئی تحقیق ہو تو تحریر فرمائیں ممنون ہوں گا[1]۔“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کالا جوتا پہننا کیسا ہے؟ ۲/۶۱۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ”المقاصد الحسنۃ“ (ص: ۵۰۷، رقم: ۱۲۴۰) میں مذکورہ روایت بحوالہ ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ (المتوفی: ۲۵۵) نقل فرما کر، اسی طرح مورثِ نسیان چند اور چیزیں ذکر کر کے تحریر فرماتے ہیں: ”ولا يصح في المرفوع شيء“. یعنی ایسی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں ہے، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ (۲/ ۳۷۵، رقم: ۲۷۹۸) میں حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

روایت نمبر (۵۳)

روایت: ”کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں، جن پر قرآن خود لعنت کرتا ہے“، انتہائی تلاش کے باوجود اس کی سند نہیں مل سکی ہے

”«حديث: رب تال يقرء القرآن والقرآن يلعنه». [حدیث: بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے]

هذا الكلام اشتهر على ألسنة القراء في القرون المتأخرة، وقد أَوْغَلْتُ في طلبه فلم أقف له على سند، ولا ذكره أحد من المخرجين غير قول الشيخ زكريا الأنصاري في شرح المقدمة الجزرية المسمى بالدقائق المحكمة في شرح المقدمة الجزرية في خبر: رب قارئ يقرء القرآن والقرآن يلعنه. وقول القاري في المِنَح الفِكْرِيَّة شرح المقدمة الجزرية: روي عنه ﷺ رب قارئ يقرء للقرآن والقرآن يلعنه . ولكن لم يذكر من خرجه ......[1]“

[یہ کلام قرونِ متاخرہ کے قراء کی زبانوں پر مشہور ہے، میں نے اس کی تلاش میں خوب کوشش کی ہے لیکن اس کی کسی بھی سند پر واقف نہیں ہو سکا ہوں، اور مُخَرِّجِیْن میں سے کسی نے بھی اسے ذکر نہیں کیا، البتہ شیخ زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ”شرح

حافظ ابو بکر ابن المقرئ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”معجم“ (ص:۴۰۳، رقم:۱۳۳۱) میں اس جیسی روایت ابو نصر یحیی بن ابی کثیر یمامی (المتوفی:۱۳۲ھ او قبلہ) کے قول کے طور پر نقل کی ہے، ملاحظہ ہو: ”حدثنا هيثم، ثنا أحمد الدَوْرَقِي، حدثنا شبابة، حدثنا أيوب بن عتبة، سمعت يحيى بن أبي كثير، يقول: كان يقال: إياكم وهذه النعال السود، فإنها تورث الهم“.

[1] **اليواقيت الغالية:** رب تال للقرآن والقرآن يلعنه، ۲/۶۲۔

مقدمہ جزریہ“ بنام ”دقائق المحکمہ فی شرح مقدمۃ الجزریہ“ ملتا ہے، ایک خبر میں ہے: کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان کو لعنت کرتا ہے۔

اور قاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ”مِنَح الفِکْرِیَّہ شرح مقدمۃ الجزریہ“ میں ملا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں، جنہیں قرآن لعنت کرتا ہے۔ لیکن قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مخرج ذکر نہیں کیا][1]۔

* * * * *

---

[1] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”احیاء علوم الدین“ (۳/ ۴۹۷) میں اور حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التذکرۃ فی الوعظ“ (ص: ٦٠) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بلاسند یہ روایت نقل کی ہے، اسی طرح علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے ”المدخل“ (۱/ ۹۰) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلاسند یہ روایت نقل کی ہے، البتہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک مقام پر اس روایت کے ہم معنی الفاظ کو بعض علماء کا قول کہہ کر نقل کیا ہے، دیکھئے: اتحاف السادۃ المتقین: ۵/ ۲۰-۲۲۔

حافظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”تفسیر“ (۵/ ۱۴۸۲) میں اس جیسی روایت ابو ایوب میمون بن مہران جَزَرِی (۴۰ھ/ ۱۱۷ھ) کے قول کی حیثیت سے نقل کی ہے، ملاحظہ ہو: ”حدثنا أبي، ثنا صالح بن عبيد الله الهاشمي، ثنا أبو المليح، عن ميمون بن مهران قال: إن الرجل ليصلي ويلعن نفسه في قراءته فيقول: ﴿ألا لعنة الله على الظالمين﴾ [هود: ١٨] وإنه لظالم“.

روایت نمبر (۵۴)

روایت: ”جب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اے اللہ! آپ مجھے میرے محبوب ترین شہر سے لے جارہے ہیں تو آپ مجھے اپنے محبوب شہر میں آباد کر دیجیے“، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ موضوع ہے

”**سؤال**: «وفي رواية: لما أمره بالهجرة إليها قال: أَللّٰهُمَّ إنك أخرجتني من أحب بلادك إلي فأسكني في أحب بلادك إليك.

جواب: الحديث الثاني [أي: هذا] أخرجه الحاكم في مستدركه (۳/۳) في كتاب الهجرة عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أَللّٰهُمَّ إنك أخرجتني من أحب البلاد إلي فأسكني في أحب البلاد إليك، فأسكنه الله المدينة. قال الحاكم: رواته مدنيون من بيت أبي سعيد المقبري.

قال الذهبي: لكنه موضوع، فقد ثبت أن أحب البلاد إلى الله مكة، وسعد ليس بثقة»[1]۔“

[**سؤال**: ایک روایت میں ہے: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اے اللہ! آپ مجھے میرے محبوب ترین شہر سے لے جارہے ہیں تو آپ مجھے اپنے محبوب شہر میں آباد کر دیجیے۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: بعض روایات کی تحقیق و تخریج، ۲/۱۵۷۔

جواب: دوسری حدیث (یعنی یہی حدیث) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”مستدرک“ میں کتاب الہجرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! آپ مجھے میرے محبوب ترین شہر سے لے جارہے ہیں، سو مجھے اپنے محبوب ترین شہر میں آباد کر دیجئے، چنانچہ اللہ نے آپ کو مدینہ میں آباد کر دیا۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس روایت کے راوی مدنی ہیں، ابوسعید مقبری کے گھرانے کے لوگ ہیں۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیکن یہ موضوع ہے، کیونکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین شہر مکہ ہے، اور (سند میں موجود) سعد ثقہ نہیں ہے][1]۔

* * * * *

---

[1] حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے ”المحلی بالآثار“ (۷/ ۲۸۶) میں اسے من گھڑت کہا ہے، حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ ”الاستذکار“ (۷/ ۲۳۷) میں فرماتے ہیں کہ اس کے من گھڑت اور منکر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ”مجموع الفتاوی“ (۱۸/ ۷۳) میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل، جھوٹ ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ”البدایۃ والنہایۃ“ (۴/ ۵۰۷) میں اسے غریب جداً کہا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”اتحاف المہرۃ“ (۱۴/ ۶۷۹، رقم:۱۸۴۶۹) میں اس کے منکر ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنۃ“ (ص:۱۱۲) میں، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الدرر المنتثرۃ“ (ص:۵۳) میں، حافظ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التذکرۃ“ (ص:۱۷۱) میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”مرقاۃ المفاتیح“ (۵/ ۶۱۲) میں، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کشف الخفاء“ (۱/ ۲۱۶) میں، علامہ محمد بن محمد درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے ”اسنی المطالب“ (ص:۱۷) میں، علامہ احمد الغزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الجد الحثیث“ (ص:۵۴) میں حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کیا ہے۔

علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللؤلؤ المرصوع“ (ص:۴۷) میں، علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ”النخبۃ البہیہ“ (رقم:۳۸) میں اسے من گھڑت کہا ہے۔

روایت نمبر ۵۵

روایت: ”مجھے میرے رب نے تعلیم دی اور مجھے علم میں خوب اچھا بنایا، مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور مجھے ادب میں خوب اچھا بنایا“، جملہ اول تو کہیں نہیں دیکھا، البتہ دوسرے جملے کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وحافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی ثابت سند نہیں ہے۔

”**سؤال**: «علمني ربي فأحسن تعليمي، أدبني ربي فأحسن تأديبي، أو كما قال عليه الصلوة والسلام» یہ حدیث کس کتاب میں ہے؟

جواب: حدیث «علمني ربي فأحسن تعليمي، أدبني ربي فأحسن تأديبي». کا جملہ اول تو کہیں نہیں دیکھا، ہاں دوسرا جملہ بعض ضعیف روایتوں میں وارد ہوا ہے۔

«[قال السخاوي] فأخرج العسكري في الأمثال من جهة السُدِّي عن أبي عُمارة، عن علي رضي الله عنه قال: قدم بنو نَهْد بن زيد على النبي ﷺ فقالو: أتيناك من غَوْرَي تِهامة، وذكر خطبتهم وما أجابهم به النبي ﷺ، قال: فقلنا يا نبي الله! نحن بنوأب واحد، ونشأنا في بلد واحد، وإنك لتكلم العرب بلسان ما نَفْهَمُ أكثره، فقال: إن الله عزوجل أدبني فأحسن أدبي، ونشأت في بني سعد بن بكر.

[قال السخاوي] وسنده ضعيف جدا .

[قال السخاوي] وأخرج أبو سعد السمعاني في أدب الإملاء

بسند منقطع فيه من لم أعرفه عن عبد الله، أظنه ابن مسعود ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله أدبني فأحسن تأديبي، ثم أمرني بمكارم الأخلاق فقال: خذ العفو وامر بالعرف وأعرض عن الجهلين.

[قال السخاوي] وأخرج ابن عساكر وثابت السَرَقُسْطِي في الدلائل بسند واه من حديث جد محمد بن عبدالرحمن الزهري قال: قال رجل من بني سليم للنبي ﷺ: يارسول الله! أيُدَالِكُ الرجلُ امرأتَه؟ قال: نعم إذا كان مفلجا [كذا فيه، وكذا في نسختنا من المقاصد، لكن في نسختنا من تاريخ ابن عساكر والنهاية في غريب لأثر لابن الأثير: مُلْفَجا]، قال: فقال له أبو بكر ؓ يارسول الله! ما قال لك؟ قال: قال لي أيُمَاطِلُ الرجل امرأته؟ قلت: نعم إذا كان مفلسا، قال: فقال أبو بكر ؓ: مارأيت أفصح منك، فمن أدبك يارسول الله!؟ قال: أدبني ربي، ونشأت في بني سعد .

[قال السخاوي] وبالجملة فهو كما قال ابن تيمية (ص: ١٨/٣٧٥) لايعرف له إسناد ثابت.

[قال الشيخ الجونفوري] كذا في المقاصد الحسنة(ص: ٢٩) بتصرف[١]."

[(حافظ سخاوی ؒ فرماتے ہیں) عسکری ؒ نے "الامثال" میں سُدِی عن ابو عمارہ، عن علی ؓ کی سند سے تخریج کیا ہے کہ علی ؓ فرماتے ہیں کہ نَہد بن زید کا وفد نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس

---

[١] الیواقیت الغالیۃ: چند احادیث کا ثبوت، ١٨٩/٢ - ١٩١۔

دیگر تفصیلات کے لئے حافظ سخاوی ؒ کی "الاجوبۃ المرضیۃ" (ص:٢٤٥) دیکھئے۔

تِہامہ کی دونوں جوانب کی پست زمین سے حاضر ہوئے ہیں، اور (اس کے بعد انہوں نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات ذکر کیے۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وفد نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ہم ایک باپ کی اولاد ہیں، اور ہم نے ایک ہی شہر میں نشو ونما پائی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب سے ایسی زبان میں بات چیت فرمارہے ہیں جن کے اکثر الفاظ ہم نہیں سمجھ پارہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مجھے ادب سکھایا ہے، اور مجھے ادب میں خوب اچھا بنایا ہے، اور میں نے بنوسعد بن بکر میں پرورش پائی ہے، (حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس حدیث کی سند شدید ضعیف ہے۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) نیز ابو سعد سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے "ادب الاملاء" میں ایک منقطع سند، جس میں ایسے راوی بھی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا ہوں، عبد اللہ رضی اللہ عنہ - میرا گمان ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہے - سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مجھے ادب سکھایا، اور مجھے ادب میں خوب اچھا بنایا ہے، اچھے اخلاق کا حکم دیا، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے (بیان القرآن: سورۂ اعراف: آیت: ۱۹۹)۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور ثابت سَرقُسطِی رحمۃ اللہ علیہ نے - دلائل میں - واہی سند سے محمد بن عبد الرحمن زہری کے دادا سے تخریج کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بنو سُلیم کے ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا کوئی مرد اپنی بیوی سے مُدَالاک کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! جبکہ وہ مُلفَج ہو۔

راوی کہتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول للہ! اس نے آپ سے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی بیوی سے ٹال

مٹول کر سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! جب کہ وہ مفلس ہو، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا، آپ کو ادب کس نے سکھایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور میں نے بنو سعد میں پرورش پائی ہے۔

(حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) خلاصہ یہ کہ بقول ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی ثابت سند کی معرفت نہیں ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) کسی قدر تبدیلی کے ساتھ (یہ سارا مضمون) "المقاصد الحسنہ" میں ہے]

* * * * *

روایت نمبر (۵٦)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعب بن اشرف اور اس کے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہو جانا کہیں نظر نہیں پڑا

"**سوال**: کعب بن اشرف نے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سازش کی اس میں یہ حصہ [كذا في الأصل] کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور اپنے ساتھیوں کو پہلے سے قتل کرنے کو کہہ دیا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نظروں سے مستور ہو گئے، اور جب بھی وہ قتل کا ارادہ کرتے تو ان کو کعب بن اشرف کی صورت نظر آتی اس لئے قتل نہ کر سکے، اس کے حوالہ کی ضرورت ہے، جو غالبا "فتح الباری" یا "عینی" میں ہے، میرے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں۔

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کعب بن اشرف اور اس کے رفقاء کی آنکھوں سے مستور ہو جانا کہیں نظر نہیں پڑا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "خصائص کبری" میں یہ واقعہ نہیں لیا، فاللہ اعلم۔

ہاں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور واقعہ ذکر کیا ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی تو ابو لہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ مارنے چلی تھی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تھے، گھبرا گئے، لیکن جب وہ آئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر نہیں آئے[1]۔"

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: چند احادیث کا ثبوت، ۲/۱۹۲۔

روایت نمبر (۵۷)

①روایت: ”کھجور، انار اور انگور آدم کی بچی ہوئی مٹی سے بنائے گئے ہیں“، اس کی سند میں متروک راوی ہے، جسے بعض نے جھوٹا بھی کہا ہے

②روایت: ”تم اپنی پھوپی کھجور کا اکرام کرو، کیونکہ وہ تمھارے بابا آدم کی بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئی ہے“، یہ پچھلی روایت سے بڑھ کر واہی حدیث ہے، بلکہ ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے

”**سُؤال**: ”تفسیر مظہری“ پارہ:۱۶، آیت:﴿منها خلقنكم وفيها نعيدكم﴾. کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی گئی ہے۔

«أخرج ابن عساكر عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: خلقت النَخْلَة والرُمَّانة والعِنَب من فَضْلَة طِيْنَة آدم». [ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اپنی سندِ متصل سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کھجور، انار اور انگور آدم کی مٹی سے بچے ہوئے خمیر سے بنائے گئے ہیں]

حضرت! حدیث مذکور کیسی ہے؟

نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں، چونکہ رمّانہ اور عنب کا ذکر اسی حدیث میں ملا، اور اس کی روایت کے متعلق کچھ علم نہیں، لہذا اس کی تحقیق تحریر فرمائی جائے۔

جواب: تم نے اپنے خط میں ایک سوال کیا اس کا جواب لکھنا یاد نہ رہا۔

«حديث: خلقت النَخْلَة والرُمَّان والعِنَب من فَضْل طينة آدم.

رواه المَحَامِلِي في الأمالي، وعنه ابن عساكر في تاريخه، عن الحاكم بن عبد الله الكلبي أبي سالم من أهل قزوِين، عن يحيى بن سعيد البَحْرَانِي من أهل غُطَيْف، عن أبي هارون العبدي، عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: سألنا رسول الله ﷺ مماذا خلقت النخلة فذكره.

[قال الشيخ الجونفوري] أبو هارون العبدي اسمه عُمَارَة بن جُوَيْن ضعيف متروك، قال ابن حبان: يروي عن أبي سعيد ؓ ما ليس من حديثه، وكذبه صالح جزَرَة والجُوزجاني وغيرهما».

[حدیث: کھجور، انار اور انگور آدم کی مٹی سے بچے خمیر سے بنے ہیں۔

اسے مَحَاملی نے ”امالی“ میں - اور ان سے ابن عساکر ؒ نے اپنی تاریخ میں - حاکم بن عبد اللہ عن یحیی بن سعید، عن ابی ہارون عبدی، عن ابی سعید خدری ؓ کی سند سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کھجور کس سے پیدا ہوئی ہے تو جواب میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

(حضرت جونپوری ؒ فرماتے ہیں سند میں موجود) ابوہارون عبدی کا نام عُمارہ بن جُوَین ہے جو ضعیف متروک راوی ہے، ابن حبان ؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابو سعید ؓ سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو ان کی احادیث میں سے نہیں ہیں، صالح جَزَرَہ ؒ اور جُوز جانی ؒ وغیرہ نے اسے کذاب کہا ہے]

تم نے لکھا ہے نخلہ والی روایت پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

یہ تو بہت ہی تعجب خیز امر ہے، غالباً شہرت کی وجہ سے تمہارے ذہن میں اس کا ثبوت راجح ہے، ورنہ وہ حدیث تو اور بھی واہی ہے، بلکہ ایک جماعت نے اسے موضوع کہا ہے۔

«فقد روى ابن عدي في الكامل والبَاطِرْقَانِي في جزء من حديثه وابن الجوزي في الموضوعات كلهم عن جعفر بن أحمد بن علي الغَافِقِي، حدثنا أبو صالح كاتب الليث، حدثنا وكيع عن الأعمش، عن مجاهد، عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي: أحسنوا إلى عَمَّتِكم النَخْلَة، فإن الله تعالى خلق آدم ففضل من طينتها فخلق منها النَخْلَة».

[قال الشيخ الجونفوري] جعفر بن أحمد بن علي الغَافِقِي وضاع، نسبه إلى وضع الحديث أبو سعيد بن يونس وابن عدي و الدَارَقُطْنِي وغيرهم، قال ابن عدي: لاشك أنه وضع هذا الحديث، وأقره الحافظ ابن حجر في اللسان.

وله طريق آخر أخرجه أبويعلى في مسنده، وابن أبي حاتم وابن مردويه في تفسير لهما، وابن السني في الطب، و العُقَيْلِي في الضعفاء، وابن عدي في الكامل، وابن حِبَّان في الضعفاء، وأبو نعيم في الطب والحلية والسياق له، والرَامَهُرْمُزِي في الأمثال، وابن عساكر من طريق مسرور بن سعيد التميمي عن الأوزاعي، عن عروة بن رُوَيم، عن علي رضي الله عنه مرفوعا: أكرموا عمتكم النخلة فإنها خلقت من فضلة طينة أبيكم آدم، وليس من الشجر شجرة أكرم على الله من شجرة ولدت تحتها مريم بنت عمران، فأطعموا نساءكم الوُلَّدَ الرُطَب، فإن لم يكن رطبا فتمر.

[قال الشيخ الجونفوري] قال السخاوي في المقاصد(ص: ۷۹) في سنده ضعف وانقطاع.

وقال العُقَيْلِي: غريب من حديث الأوزاعي عن عروة، تفرد به مسرور بن سعيد، وقال العُقَيْلِي: حديثه غير محفوظ، ولا يعرف إلا به.

وقال ابن عدي: هذا منكر عن الأوزاعي، وعروة عن علي رضي الله عنه مرسل، ومسرور غير معروف، لم أسمع بذكره إلا في هذا الحديث.

وقال ابن عساكر: عروة لم يدرك عليا رضي الله عنه، والحديث غريب، والتميمي مجهول.

وقال الحافظ ابن كثير: هذا حديث منكر جدا.

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات، وقال: لا يصح، مسرور منكر الحديث يروي عن الأوزاعي المناكير.

وقال ابن حبان: مسرور بن سعيد التميمي يروي عن الأوزاعي المناكير التي لا يجوز الاحتجاج بمن يرويها، ثم ذكر هذا الحديث».

[ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الکامل“ میں، بَاطِرقَانِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی احادیث کے ایک ”جزء“ میں، اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات“ میں جعفر بن احمد بن علی غَافِقی، عن ابی صالح، عن وکیع، عن اعمش، عن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اپنی پھوپھی کھجور کے ساتھ احسان سے پیش آؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کے خمیر میں سے کچھ مٹی بچ گئی تھی، اللہ نے اس مٹی سے کھجور کو پیدا کر دیا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سند میں موجود) جعفر بن احمد بن علی غَافِقِی احادیث گھڑنے والا ہے، ان کی جانب ابو سعید بن یونس رحمۃ اللہ علیہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ دَارقُطنِی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے وضعِ حدیث کی نسبت کی ہے، اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نے یہ حدیث گھڑی ہے، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "لسان" میں حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کو برقرار رکھا ہے۔

اس کا ایک دوسرا طریق بھی ہے جسے ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" میں ۔۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا ہے: اپنی پھوپھی کھجور کا اکرام کرو، کیونکہ یہ تمہارے بابا آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کی گئی ہے، اللہ کے نزدیک کوئی درخت اس درخت سے زیادہ شرافت والا نہیں ہے جس کے نیچے مریم بنت عمران کے ہاں بچہ کی ولادت ہوئی ہے، لہٰذا اپنی بچے جننے والی عورتوں کو تر کھجور کھلاؤ، اگر تر کھجور نہ ہو تو خشک کھجور (کھلاؤ)۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد" میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ضعف وانقطاع ہے۔

اور عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اوزاعی عن عروہ کی سند سے غریب ہے، مسرور بن سعید، اوزاعی سے نقل کرنے میں متفرد ہے، اور عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسرور کی حدیث محفوظ نہیں ہے، اور یہ اسی سے پہچانی گئی ہے۔

اور ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے منکر ہے، اور (سند کے راوی) عروہ، علی رضی اللہ عنہ سے مرسلاً نقل کرنے والے ہیں (یعنی سند میں اتصال نہیں ہے)، اور مسرور معروف نہیں ہے، میں نے صرف اس حدیث میں ان کا ذکر سنا ہے۔

اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عروہ نے علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا، حدیث غریب ہے، اور (سند میں موجود مسرور) تمیمی مجہول ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شدید منکر ہے۔

اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اسے ”موضوعات“ میں لائے ہیں، اور فرماتے ہیں: یہ حدیث ”صحیح“ نہیں ہے، مسرور منکر الحدیث ہے، یہ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مناکیر لاتا ہے۔

اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مسرور بن سعید تمیمی، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایسی مناکیر نقل کرتا ہے کہ ان کے نقل کرنے والے سے احتجاج جائز نہیں ہے، اس کے بعد ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ذکر کی]

حاصل یہ نکلا کہ یہ حدیث ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ وابن عدی رحمۃ اللہ علیہ وابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منکر ہے، عقیلی رحمۃ اللہ علیہ غیر محفوظ کہتے ہیں، اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق ابن الجوزی پر تعقب کیا ہے، لیکن کوئی زور دار تائید نہیں پیش کر سکے[1]۔

بہر حال یہ روایت اگر موضوع نہ بھی ہو تو قابل استناد نہیں ہے[2]۔

---

[1] واضح رہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اللآلی“ (۱/۱۴۳) میں مذکورہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے جزء (یعنی: وليس من الشجر شجرة أكرم على الله من شجرة ولدت تحتها مريم بنت عمران، فأطعموا نساءكم الوُلَّدَ الرُطَب، فإن لم يكن رطبا فتمر) کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت سے کی ہے، ملاحظہ ہو:

”ولآخره شاهد، أخرجه ابن السني وأبو نعيم معا في الطب من طريق شعبة، عن يعلى بن عطاء الطائفي، عن شهر بن حوشب، عن أبي أمامة قال: قال رسول الله □ : أطعموا نفساءكم الرطب، فإنه لو علم الله خيرا منه لأطعمه مريم، قالوا يا رسول الله! ليس في كل حين يكون الرُطَب قال فتَمْر“.

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کو ذکر کرنے کے بعد اسے ”علی شرط مسلم“ قرار دیا ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق ہونا محل نظر ہے، البتہ یہ روایت ذکر کردہ دوسرے جزء کے لئے جید شاہد ہے، واللہ اعلم۔

[2] الیواقیت الغالیۃ: خلقت النخلۃ الرمانۃ والعنب یہ حدیث کہاں ہے؟ ۲/۲۳۰ - ۲۳۲۔

روایت نمبر (۵۸)

روایت: ”میں نہیں جانتا کہ روزِ قیامت میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا“، میں اس میں لفظِ ”روزِ قیامت“ پر واقف نہیں ہو سکا ہوں

”**سؤال**: «لا أدري ما يفعل بي يوم القيامة» [میں نہیں جانتا کہ روزِ قیامت میرے ساتھ کیا ہو گا] حدیث ہے یا نہیں؟

جواب: «أخرج البخاري (ص: ١٦٦، و: ١٠٣٩) عن أم العلاء الأنصارية رضي الله عنه قالت: قال رسول الله ﷺ: والله! ما أدري وأنا رسول الله مايفعل بي ولا بكم».

[قال الشيخ الجونفوري] ولم أقف على زيادة «يوم القيامة»، والله أعلم.

وفي لفظ للبخاري: مايفعل به، والضمير لعثمان بن مظعون رضي الله عنه، قال ابن كثير (ص: ٤/١٥٥): هذا أشبه أن يكون هو المحفوظ»[1].“

[بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہا سے اپنی متصل سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! باوجود اللہ کا رسول ہونے کے میں نہیں جانتا میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں لفظ ”یوم القیامۃ“ کی زیادتی پر واقف نہیں ہو سکا ہوں، واللہ اعلم!

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: لاأدري مايفعل بي يوم القيامه. حدیث ہے یا نہیں؟ ۲/۳۷۷۔

اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «مایفعل به». لفظ «به» کی ضمیر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی جانب لوٹ رہی ہے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضمیر کا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی جانب لوٹانا محفوظ ہونے کے زیادہ قریب ہے]

* * * * *

روایت نمبر (۵۹)

روایت: "سنت نے کافر، بدعتی اور فاسق کو خاص کر دیا ہے ۔۔۔ ان کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے"، ان لفظوں کے ساتھ کوئی حدیث میرے علم میں نہیں

"**سؤال**: "جلالین" میں ہے: «وخصت السنة الكافر والمبتدع والفاسق - إلى قوله - لا يجب الرد عليهم بل يكره (في تفسير: وإذا حييتم بتحية فحيوا باحسَنَ منها. پ:٥ ركوع: ٨، جلالين، ص: ١/٨٣)».
[سنت نے کافر، بدعتی اور فاسق کو خاص کر دیا ہے ۔۔۔ کہ ان کو سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے]

دریافت طلب بات یہ ہے کہ فاسق کا لفظ حدیث میں ہے، یا علماء کبار کا استنباط ہے؟ جیسا کہ "تقویۃ الایمان" میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۳۰۸) پر تحریر فرماتے ہیں:

«عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه قال: مر رجل وعليه ثوبان أحمران، فسلم على النبي ﷺ فلم يرد عليه. رواه أبو داود والترمذي».[عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا، لیکن آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا، اسے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ و ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسق وفاجر کو سلام کا جواب دینا اچھا نہیں تا کہ باز آجائے، پھر محبت اور دوستی کا تو ذکر ہی کیا ہے، اھ۔

«وكما في البخاري(ص: ۲/۹۲۵): باب من لم يسلم على من افترف ذنبا ولم يرده حتى يتبين توبته». [اور جیساکہ ”بخاری“ میں ہے: یہ باب ہے اس شخص کے بارے میں جو گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو سلام نہ کرے اور نہ ہی اسے سلام کا جواب دے، حتیٰ کہ اس کی توبہ واضح ہو جائے]

ویسے حدیث: «تطعم الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف». [کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں] تو **مطلق** ہے، کیا اس حدیث کی وجہ سے فاسق و فاجر کو سلام نہیں کرسکتے ہیں؟

اگر کرسکتے ہیں تو پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ”فتاوی رشیدیہ“ میں یہ کیوں تحریر فرمارہے ہیں: حقوقِ اسلام قرآن وحدیث صرف انہیں لوگوں کے واسطے ہے جو نیک اور پرہیز گار ہیں، فاسق و فاجر سے بالکل انقطاع چاہیئے، لہٰذا فاسق وفاجر کی شرکتِ جنازہ عیادت مریض نہ کرے۔

سوال یہ ہے کہ حضور والا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف؟ اگر اتفاق کرتے ہیں تو پھر بڑے بڑے علماء اکرام فاسق وفاجر کی جنازہ سے کیوں نہیں گریز کرتے ہیں؟ مجوزین کے دلائل کیا ہیں؟

حضرت! دل کی بات کیا بتاؤں، ڈاڑھی منڈا اور پتلون پہننے والے اور تارکِ صلوۃ وصوم ونحوہم من الآثام سے قطعاً طبیعت نہیں چاہتی ہے کہ سلام کروں یا پھر جواب ہی دوں، مذکورہ بالا باتیں کرنا ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾. أی: نية وقولا وعملا كما في روح المعاني (رکوع: ۴، پ: ۱۱) [اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو، یعنی نیت، قول، عمل کے اعتبار سے، جیساکہ ”روح المعانی“ میں ہے] کے بھی خلاف ہے، ویسے آپ جو مشورہ دیں گے عمل کروں گا۔

جواب: «خصت السنة الكافر والمبتدع والفاسق». [سنت نے کافر، بدعتی اور فاسق کو خاص کر دیا ہے] بایں الفاظ میرے علم میں کوئی حدیث نہیں، آپ نے جو مطلب سمجھا ہے وہی مراد ہے، کسی حدیث سے کافر، اور کسی سے فساق و مبتدعین کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، اور ”فتاوی رشیدیہ“ میں جو کچھ لکھا ہے وہی حکم ہے، نصوص مطلقہ دوسرے نصوص سے مقید کی جائیں گی، ہاں! اگر مصلحت مثلاً دفع شر یا تالیفِ قلب ہو تو اس کی گنجائش ہے[1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا فاسق کو سلام کر سکتے ہیں؟ ۳۹۷/۲۔

روایت نمبر (۶۰)

روایت: ’’اگر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری تابعداری کے سوا چارہ کار نہیں ہوتا‘‘، اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر غلط ہے۔

’’**سؤال**: «لو كان موسى وعيسى حيين .... ». [اگر موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے۔۔۔۔] کی تخریج۔

جواب: «حديث: لو كان موسى وعيسى عليهما السلام حَيَّيْن لما وَسِعَهما إلا اتباعي». [اگر موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے علاوہ چارہ کار نہ ہوتا] اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر غلط ہے، اور یہ غلطی حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی، انہوں نے بے حوالہ یہ روایت اپنی تفسیر (ص: ۳۷۸) میں لکھی ہے یعنی اصل لفظ: «لو كان موسى حيا ما وسعه إلا اتباعي». [اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ کار نہ ہوتا] ہے[1]۔

«رواه أحمد والبيهقي في شعب الإيمان، كذا في المشكوة» (ص: ۳۰) [اسے احمد رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’شعب الایمان‘‘ میں نقل کیا ہے، اسی طرح ’’مشکوۃ‘‘ میں ہے][2]۔

---

[1] شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۸۶ھ) نے بھی ’’قوت القلوب‘‘ (۱۱۷۴/۳) میں بلا سند اسے ذکر کیا ہے۔

[2] الیواقیت الغالیۃ: لو كان موسى وعيسى حيين.... کی تخریج ۴۱۱/۲۔

روایت نمبر (۶۱)

روایت: «الخیر فیما وقع». جو ہو چکا اسی میں خیر ہے، یہ حدیث نہیں ہے۔

”**سوال:** «الخير فيما وقع». [جو ہو چکا ہے اسی میں خیر ہے] کیا حدیث ہے؟

جواب: «الخير في ما وقع». [جو ہو چکا ہے اسی میں خیر ہے] حدیث نہیں ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی املاء کرائی ہے، انداز [كذا في الأصل] یہ ہے کہ کاتب کے قلم سے لغزش ہوئی، صاحبِ ”کشف الخفاء“ لکھتے ہیں: «والخيرة في الواقع، ليس بحديث» [جو ہو چکا ہے اسی میں خیر ہے، یہ حدیث نہیں ہے][1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الخیر فی ما وقع کیا حدیث ہے؟ ۲/ ۴۷۲- ۴۷۵۔

یہ روایت ان الفاظ سے بھی بیان ہوتی ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے واسطہ جو پسند کرے، وہ بندہ کی اپنی پسند سے بہتر ہے۔ یہ روایت بھی ان لفظوں سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ اس کا معنی درست ہے، چنانچہ ”کشف الخفاء“ (۱/ ۴۵۱) میں ہے: «(خيرة الله للعبد خير من خيرته لنفسه) قال في التمييز: لم أجد عليه كلاما وما علمته في المرفوع، ويستأنس له بقوله تعالى: (وعسى أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسى أن تحبوا شيئا وهو شر لكم) وقال القاري: لم يعرف له أصل في مبناه وإن صح معناه كما يستفاد من قوله تعالى: (وعسى أن تكرهوا شيئا وهو خير لكم). ومن هنا ورد الأمر بالاستخارة صلاة ودعاء، وورد: ما خاب من استخار، وما ندم من استشار، وثبت في الدعاء: اللهم خر لي واختر لي ولا تكلني إلى اختياري، وهذا أصل ما اشتهر على ألسنة العامة: الخيرة فيما اختاره الله، والخيرة في الواقع».

اجزاء

۱ – جزء: عمامہ کے فضائل

اس کے تحت عمامہ کے دس غیر معتبر فضائل کی تفصیل ہے

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ان تمام احادیث کا خلاصہ و حکم حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے ملاحظہ ہو]

① - پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، اور احتباء (یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رِباط (اسلامی سرحدوں کی حفاظت) ہے۔

یہ واہی، شدید ضعیف ہے، ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہو جسے کسی راوی نے بناء بر وہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے بیان کر دیا ہو، نیز بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے طور پر بھی اس کی تخریج کی ہے۔

② - پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، سو جب وہ پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔

واہی، شدید ضعیف۔

③ - پگڑیاں مومن کا وقار ہیں، اور عربوں کی عزت ہیں، جب عرب اپنی پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو دیں گے۔

میں اس کی سند سے واقف نہیں ہوں، لیکن حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واہی ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

④ - ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے مابین فرق کی چیز ہے، سر پر باندھنے والے ہر پیچ کے بدلے روزِ قیامت ایک نور دیا جائے گا۔

یہ حدیث ثابت نہیں [یعنی اس کا دوسرا حصہ]۔

⑤ - عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز بلا عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ، بلا عمامہ کے ستر جمعوں سے افضل ہے۔

باطل۔

⑥ - عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے۔

یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ میرے علم میں نہیں، بعض محققین نے اسے بقول امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ موضوع کہا ہے۔

⑦ - انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بلا انگوٹھی کی ستر نمازوں کے برابر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع کہا ہے۔

⑧ - عمامہ میں ایک نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ مَنُوفِی اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے باطل، موضوع کہا ہے۔

⑨ - عمامہ کے ساتھ کی دو رکعتیں، بلا عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واہی ہونے کی جانب اشار کیا ہے۔

⑩ - بے شک اللہ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن پگڑیوں والوں پر سلام بھیجتے ہیں۔

واہی، شدید ضعیف۔

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے سابقہ ذکر کردہ خلاصہ کی تفصیل ملاحظہ ہو]

”**سؤال:** ایک ضروری امر دریافت طلب ہے، یہاں ایک صاحب جو ہمارے مدرسہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں امام صاحب کو بلا عمامہ نماز پڑھاتے دیکھ کر خفا ہو گئے اور فرمایا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اس نماز جمعہ کا ثواب ستر گنا زیادہ ملتا ہے جو عمامہ کے ساتھ پڑھی جائے بغیر عمامہ والی نمازِ جمعہ سے۔

جامع مسجد کے امام صاحب مفتی ہیں، دار العلوم سے فراغت کے بعد فتوی کا نصاب بھی پورا کر چکے ہیں، ان کا خیال ہے کہ ستر گنا ثواب والی حدیث بے اصل ہے، ایک دوسرے عالم جو بڑی صلاحیت والے حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کے دوستوں میں ہیں ان کی رائے ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”مرقاۃ“ (ص:۲۵۰، ج:۸) میں ان روایات کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

«وروى الديلمي والقُضَاعي في مسند الفردوس عن علي كرم الله وجهه مرفوعا: العمائم تِيْجَان العرب، والاحتباء حيطانها، وجلوس المؤمن في المسجد رباط. وروى الديلمي عن ابن عباس رضي الله عنه بلفظ: العمائم تِيْجَان العرب، فإذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم. وروى البَاوَرْدِي عن ركانة بلفظ: العمامة على القلنسوة فصل ما بيننا وبين المشركين،

يعطى يوم القيامة بكل كَوْرَة يُدَوِّرُها على رأسه نورا. وروى ابن عساكر عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعا: صلوة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلوة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين بلا عمامة».

[دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند الفردوس“ میں اسی طرح قُضاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: پگڑیاں عربوں کا تاج ہیں، احتباء (یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، مومن کا مسجد میں بیٹھنا رِباط (یعنی اسلامی سرحدوں کی حفاظت) ہے۔ اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان لفظوں سے روایت نقل کی ہے: پگڑیاں عربوں کا تاج ہیں، سو جب عرب اپنی پگڑیاں اُتار دیں گے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔ بَاوَرْدِی رحمۃ اللہ علیہ نے رکانہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے: ہمارے اور مشرکوں کے مابین فرق ٹوپی پر پگڑی پہننا ہے، پگڑی سر پر باندھنے والے کو روز قیامت ہر پیچ کے بدلے ایک نور سے نوازا جائے گا۔ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا ہے: نفل یا فرض نماز جو عمامہ کے ساتھ ہو وہ بلا عمامہ پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ جمعہ ادا کرنا بلا عمامہ ستر جمعوں کے برابر ہے]

اسی طرح ”مرقاۃ“ (ص:۲۳۹، ج:۲) میں ہے:

«وروي أنه عليه الصلوة والسلام قال: صلوة بعمامة أفضل من سبعين صلوة بغير عمامة. كذا نقله ابن حجر عن ابن الرِفْعَة، قال ابن الدَيْبَع: صلوة بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم موضوع كما قال شيخنا عن شيخه، وكذا ما أورده الديلمي من حديث عن ابن عمر مرفوعا: صلوة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلوة، وجمعة

بعمامة تعدل سبعين جمعة. ومن حديث انس رضي الله عنه مرفوعا: الصلوة في العمامة بعشرة آلاف حسنة. قال المَنُوْفِي: فذلك كله باطل، نقله الخطابي، والله أعلم بالصواب».

[آپ علیہ السلام سے منقول ہے: عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے، ابن رِفْعَہ رحمۃ اللہ علیہ سے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح نقل کیا ہے، ابن دَبِیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بلا انگوٹھی کے ستر نمازوں کے برابر ہے۔ یہ روایت موضوع ہے، جیسا کہ ہمارے شیخ (یعنی حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے شیخ (یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) سے اسی طرح نقل کیا ہے، اور اسی طرح یہ روایت بھی موضوع ہے جسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: عمامہ کے ساتھ کی ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ ستر جمعوں کے برابر ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے: عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دس ہزار نیکیاں ملتی ہیں۔ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سب روایات باطل ہیں، خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے، واللہ اعلم بالصواب]

"امداد الفتاویٰ" مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند میں (ص: ۳۹۱ تا ۳۹۴) تک عمامہ کی بحث ہے، "امداد" کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات ذکر فرمائی ہیں ان سے ستر گنا ثواب ثابت ہوتا ہے، اور یہ صحیح ہے، اور اپنے بہت سے اکابر علماء کو جو عمل بالسنّۃ کے شائق ہیں بغیر عمامہ کے جمعہ اور دیگر نماز میں پڑھتے دیکھا ہے۔

آپ کے نزدیک فریقین میں سے کس کی بات راجح ہے؟ ازروئے جرح، احادیثِ مذکورہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ "مسند الفردوس" محققین محدثین کے کس درجہ کی کتاب ہے؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، قسطلّانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں عمامہ کی بحث ہو تو نشاندہی فرمائیں، میرے پاس ”در مختار“ ”شامی“ ”زیلعی علی الکنز“ ”طحطاوی علی الدر“ میں عمامہ کا مستحباتِ صلوۃ میں ہونا نہیں ملا۔

جواب: تمہارے سوالات، تجزیہ سے چار امور پر مشتمل ہیں:

❶ احادیث عمامہ کی تحقیق

❷ فریقین کی رائے میں موازنہ

❸ ”مسند الفردوس“ کا مقام

❹ بحث عمامہ کہاں ملے گی؟

ان میں سے جن امور کا احقر کو علم ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

❶ حدیثِ اول

[پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، اور احتباء (یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رِباط (اسلامی سرحدوں کی حفاظت) ہے]

«حديث علي رضي الله عنه: العمائم تِيْجَان العرب، والاحتباء حيطانها، وجلوس المؤمن في المسجد رِباط. ذكره السيوطي في الجامع الصغير وعزاه للقُضَاعِي في مسند الشهاب و الديلمي في مسند الفردوس، قال المُنَاوي في فيض القدير: قال السخاوي: سنده ضعيف. أي: وذلك

لأن فيه حنظلة السَدُوْسِي، قال الذهبي: تركه القطان وضعفه النسائي. ورواه أيضا أبونعيم وعنه تلقاه الديلمي، فلو عزاه المصنف للأصل لكان أولى، انتهى.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: قال السخاوي في المقاصد (ص: ٢٩١): أخرجه الديلمي من جهة أبي نعيم ثم من جهة ابن عباس رضي الله عنه به مرفوعا، وهو كذلك عند القُضَاعِي من حديث علي رضي الله عنه مرفوعا أيضا، لكن أخرجه البيهقي عن الزهري من قوله، ولفظه: العمائم تِيْجَان العرب، والحَبْوَة حيطان العرب، والاضطجاع في المسجد رِباط المؤمن.

[قال الشيخ الجونفوري] وذكر أحاديث ستأتي ووهَّاها .

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: ويمكن أن يكون الحديث قول علي رفعه بعض الرواة وهما، قال ابن هشام في السيرة (ص:٢٦٥): حدثني بعض أهل العلم أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: العمائم تيجان العرب، وكانت سيماء[كذا في الأصل] الملائكة عمائم بيْضًا قد أرْخُوْها على ظهورهم إلا جبريل فإنه كانت عليه عمامة صفراء».

[پہلی حدیث، حدیث علی رضی اللہ عنہ ہے: پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، اور احتباء (یعنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، اور مومن کا مسجد میں بیٹھنا رِباط (اسلامی سرحدوں کی حفاظت) ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ”جامع صغیر“ میں ذکر کی ہے، اور قُضَاعِی رحمۃ اللہ علیہ کی ”مسند الشہاب“ اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کی ”مسند الفردوس“ کی جانب اسے منسوب کیا ہے، مُنَاوی رحمۃ اللہ علیہ ”فیض القدیر“ میں لکھتے ہیں: سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، یعنی اس وجہ سے کہ اس میں راوی حنظلہ سَدُوسی ہے، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قطان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ترک کیا ہے، اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ

نے ضعیف کہا ہے، مُناوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں، اسے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تخریج کیا ہے اور ان سے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا ہے، اگر مصنف اسے اصل کی جانب منسوب کرتے تو بہتر تھا، انتہیٰ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المقاصد" میں فرمایا ہے: اسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مرفوعاً تخریج کیا ہے، اور ایسے ہی قُضَاعی رحمۃ اللہ علیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا ہے، لیکن بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے طور پر اس کی تخریج کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، اور احتباء (یعنی پیٹھ و پنڈلیوں کو کسی کپڑے سے باندھ کر بیٹھنا) ان کی دیوار ہے، اور مسجد میں لیٹنا رباط (یعنی ایمان والوں کا اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا) ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس کے بعد سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ احادیث ذکر کیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا، اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو واہی قرار دیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ممکن ہے کہ یہ حدیث، علی رضی اللہ عنہ کا قول ہو جسے کسی راوی نے بناء بر وہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے بیان کر دیا ہو، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سیرت میں فرماتے ہیں: مجھے ایک اہل علم نے بتایا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، فرشتوں کی علامت سفید پگڑیاں تھیں، جسے وہ اپنی پیٹھ پر لٹکائے ہوئے تھے، سوائے جبرئیل علیہ السلام کے، جن کی پگڑی زرد رنگ کی تھی]

❷ حدیث دوم

[پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، سو جب وہ پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے]

«حديث ابن عباس رضي الله عنه: العمائم تِيْجَان العرب فإذا وضعوا العمائم وضعوا عزهم. عزاه السخاوي في المقاصد (ص:۲۹۱) و السيوطي في الجامع الصغير للديلمي، ورمز له السيوطي بالضعف، وأشار السخاوي إلى وهائه، وقال المُنَاوِي في فيض القدير (ص:۳۹۲/٤): لفظ رواية الديلمي فيما وقفت عليه من نسخ قديمة مصححة بخط ابن حجر وغيره: فإذا وضعوا العمائم وضع الله عزهم. وفيه عتاب بن حرب، قال الذهبي: قال الفلاس: ضعيف جدا. ومن ثم جزم السخاوي بضعف سنده، ورواه عنه أيضا ابن السني، قال الزين العراقي: فيه عبيد الله بن حميد ضعيف، انتهى [كلام المُنَاوِي] .

[قال الشيخ الجونفوري] وهو أبو الخطاب، قال البخاري: منكر الحديث، ونقل ابن القطان عن البخاري قال: من قلت فيه منكر الحديث لا تحل الرواية عنه. (تنبيه) وقع في فيض القدير: عبد الله بن حميد، وهو من سهو الناسخ أو الطابع، والصواب ما قدمته».

❸ حدیث سوم

[پگڑیاں مومن کا وقار ہیں، اور عربوں کی عزت ہیں، جب عرب اپنی پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھودیں گے]

[قال الشيخ الجونفوري] قال السخاوي: و في لفظ عنده أي: الديلمي: العمائم وقار المؤمن وعز العرب، فإذا وضعت العرب عمائمها فقد خلعت عزها. قال المُنَاوِي في الفيض في شرح حديث ابن عباس: ثم خرج أي:الديلمي من طريق آخر: العمائم وقار المؤمن وعز للعرب، فإذا وضعت العرب عمائمها فقد خلعت عزتها اھ.

[قال الشيخ الجونفوري] ولم أقف على سنده، ولكن أشار السخاوي إلى وهائه.

[حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ: پگڑیاں عرب کے تاج ہیں، سو جب وہ پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو بیٹھیں گے۔ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "المقاصد" میں اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع صغیر" میں اسے دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا ہے، اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ضعف کی علامت لگائی ہے، اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے واہی ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے، اور مناوی رحمۃ اللہ علیہ "فیض القدیر" میں فرماتے ہیں: ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحریر سے تصحیح شدہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم نسخوں میں روایت کے الفاظ یہ ہیں: جب عرب پگڑیاں اتار دیں گے تو اللہ ان کو عزت سے محروم کردے گا۔ اس کی سند میں عتاب بن حرب راوی ہے، جس کے بارے میں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فلاس رحمۃ اللہ علیہ نے اسے شدید ضعیف کہا ہے۔ (مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ

نے جزماً اس سند کو ضعیف کہا ہے، اور اسی سے ابن السُنّی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے، زین عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں عبید اللہ بن حمید ضعیف راوی ہے، مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہ عبید اللہ بن حمید ابو خطاب ہے، جن کو سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے منکر الحدیث کہا ہے، ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جن کے بارے میں، میں نے منکر الحدیث کہا ہے ان سے روایت لینا حلال نہیں۔ (تنبیہ) "فیض القدیر" کے نسخہ میں عبد اللہ بن حمید لکھا ہے، یہ لکھنے والے یا طبع کرنے والے کا سہو ہے، صحیح وہ ہے جو میں نے ذکر کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) دیلمی میں یہ الفاظ بھی ہیں: پگڑیاں مومن کا وقار اور عربوں کی عزت ہیں، جب عرب اپنی پگڑیاں اتار دیں گے تو وہ اپنی عزت کھو دیں گے۔ مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ "فیض القدیر" میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی شرح میں فرماتے ہیں: پھر دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے یہ روایت تخریج کی: پگڑیاں مومن کا وقار ہیں، اور عربوں کی عزت ہیں، جب عرب اپنی پگڑیاں اتار دیں گے تو اپنی عزت کھو دیں گے اھ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں اس کی سند سے واقف نہیں ہو سکا، لیکن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے واہی ہونے کی جانب اشار فرما چکے ہیں]

④ حدیث چہارم

[ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے مابین فرق کی چیز ہے، سر پر باندھنے والے ہر پیچ کے بدلے روزِ قیامت ایک نور دیا جائے گا]

«حدیث رُکَانة مرفوعا: العمامة على القلنسوة فصل مابيننا وبين المشركين، يعطى يوم القيامة بكل كَوْرَة يُدَوِّرُها على رأسه نورا. عزاه السيوطي للبَاوَرْدِي، ورمزبضعفه.

[قال الشيخ الجونفوري] ولم أقف على سنده، وظني أن الحديث غير ثابت».[1]

---

[1] حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے ضعفِ شدید کی طرف اشارہ کیا ہے (دیکھئے: سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة: ۳/ ۳۶۲، رقم: ۱۲۱۷)، اور علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمۃ اللہ علیہ "الدِعَامة في أحكام العِمَامة" (ص: ۷) میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند واہی ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ روایت کا پہلا ٹکڑا "العمامة على القلنسوة" قابل تحمل سند سے منقول ہے، جسے امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، روایت ملاحظہ ہو:

«حدثنا قتيبة، حدثنا محمد بن ربيعة، عن أبي الحسن العسقلاني، عن أبي جعفر بن محمد بن ركانة،عن أبيه: أن ركانة صارع النبي صلى الله عليه و سلم فصرعه النبي صلى الله عليه و سلم . قال ركانة: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول: إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب وإسناده ليس بالقائم ولا نعرف أبا الحسن العسقلاني ولا ابن ركانة». (سنن الترمذی: ۴/ ۲۷۴، رقم: ۱۷۸۴) سنن ترمذی کے بعض نسخوں میں لفظ "حسن" نہیں ہے، نیز امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج حدیث کے بعد اس پر سکوت فرمایا ہے (سنن ابی داود: ۴/ ۲۲۱، رقم: ۴۰۷۸)۔

الحاصل کہ روایت کا دوسرا ٹکڑا (يعطي يوم القيامة بكل كَوْرَة يُدَوِّرُها على رأسه نورا) سنداً شدید ضعیف ہے۔

[حدیث رُکانہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً: ٹوپی پر پگڑی باندھنا ہمارے اور مشرکین کے مابین فرق کی چیز ہے، سر پر باندھنے والے ہر پیچ کے بدلے روزِ قیامت ایک نور دیا جائے گا۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بَاوَردِی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب اسے منسوب کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں اس کی سند پر واقف نہیں ہو سکا، البتہ میرا یہ گمان ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے]

❺ حدیث پنجم

[عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز بلا عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ، بلا عمامہ کے ستر جمعوں سے افضل ہے]

«حديث ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا: صلوة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين درجة بلا عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين بلا عمامة. ذكره السيوطي في الجامع الصغير وعزاه لابن عساكر.

قلت: أخرجه ابن النجار من طريق محمد بن مهدي المَرْوَزِي، أنبأنا أبو بشر بن سيار الرَقِّي، حدثنا العباس بن كثير الرَقِّي، عن يزيد بن أبي حبيب قال: قال لي مهدي بن ميمون: دخلت على سالم بن عبد الله بن عمر وهو يَعْتَمُّ، فقال: يا بني! أَحِبَّ العمامة، يا بني! اعْتَمَّ تُجَمَّل وتُكْرَم وتُوَقَّر، ولايراك الشيطان إلا ولى هاربا، إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: صلوة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلوة بغير بعمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بغير بعمامة، إن الملائكة

يشهدون الجمعة مُعْتَمِّيْنَ، ولايزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى تغرب الشمس.

قال الحافظ ابن حجر في لسان الميزان (ص:٢٤٤،ج: ٣): هذا حديث موضوع، ولم أر للعباس بن كثير في الغرباء لابن يونس ولا في ذيله لابن الطحان ذكرا، وأما أبو بشر بن سيار فلم يذكره أبو أحمد الحاكم في الكنى، وماعرفت محمد بن مهدي المَرْوَزِي ولا مهدي بن مهمون الراوي عن سالم وليس هو البصري المخرج له في الصحيحين، وذلك يكني أبا يحي، ولاأدري ممن الآفة؟

[قال الشيخ الجونفوري] ونقله السيوطي في ذيل اللآلي (ص:١١٠)، وأقره، وتبعه ابن عَرَّاق في تنزيه الشريعة (ص:١٢٤، ج:٢)، ثم ذكر السيوطي أنه أخرجه ابن عساكر في تاريخه من طريق عيسى بن يونس، والديلمي من طريق سفيان بن زياد المخرمي كلاهما عن العباس بن كثير به، ثم ذهل السيوطي فأورده في الجامع الصغير من رواية ابن عساكر عن ابن عمر رضي الله عنه، وتعقبه المُنَاوِي في شرحه (ص:٢٢٥،ج: ٤) بأن ابن حجر قال: إنه موضوع.

[قال الشيخ الجونفوري] ونقله السخاوي في المقاصد (ص:٢٦٣) وارتضاه، و قال السخاوي في موضع آخر (ص:٢٩١): لايثبت. ونقل الملاعلي القاري في موضوعاته الكبرى(ص:٤٥) عن العلامة علي بن محمد المالكي المَنُوْفِي المصري أنه قال: هذا حديث باطل. وتعقبه القاري بأن السيوطي أورده في الجامع الصغير مع التزامه بأنه لايذكر فيه الموضوع.

[قال الشيخ الجونفوري] قلت: هذا تعصب بارد، فكم للسيوطي هذه المناقضات والأوهام، والله الموفق».[1]

[حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً: عمامہ کے ساتھ ایک نفل یا فرض نماز بلا عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ، بلا عمامہ کے ستر جمعوں سے افضل ہے۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع صغیر" میں اسے ذکر کرکے ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں)۔۔۔ یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ مجھے مہدی بن میمون نے کہا کہ میں سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، آپ عمامہ باندھ رہے تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے بیٹے! عمامہ سے محبت رکھو، اے بیٹے! عمامہ باندھو، تم اس سے خوب رُو دکھائی دوگے، اس سے تمہارا اکرام ہوگا، تمہاری تعظیم ہوگی، تمہیں شیطان دیکھتے ہی بھاگ جائے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: پگڑی کے ساتھ کی ایک نماز، بلا پگڑی کی پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور پگڑی کے ساتھ ایک جمعہ بلا پگڑی کے ستر جمعوں کے برابر ہے، فرشتے جمعہ میں پگڑی باندھ کر آتے ہیں اور غروب شمس تک پگڑی باندھنے والوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "لسان المیزان" میں فرماتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے،

---

[1] حافظ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفتاوی الفقہیۃ الکبری" (۱/ ۱۷۰) میں اسے باطل، موضوع کہا ہے، علامہ محمد الحوت رحمۃ اللہ علیہ "اسنی المطالب" (ص: ۱۸۴، رقم: ۸۱۸) میں فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے، علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللؤلؤ المرصوع" (ص: ۱۰۸، رقم: ۲۹۶) میں اسے بے اصل اور علامہ محمد امیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے "النخبۃ البہیۃ" (رقم: ۱۶۶) میں اسے من گھڑت کہا ہے، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (۱/ ۲۳۵) میں حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اور علامہ پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے "تذکرۃ الموضوعات" (ص: ۱۵۵) میں "ذیل اللآلی" میں موجود حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کیا ہے۔

ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ کی ”غرباء“ اور ابن طحان کی اس پر ذیل میں (سند میں موجود راوی) عباس بن کثیر کو میں نے نہیں دیکھا، اور ابو بشر بن سیار کو ابو احمد حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”کُنیٰ“ میں ذکر کیا ہے، میں (سند میں موجود) محمد بن مہدی مَروَزِی کو اور سالم سے نقل کرنے والے راوی مہدی بن میمون کو نہیں پہچانتا، اور یہ مہدی بن میمون جو سالم سے نقل کرنے والا ہے، یہ وہ راوی نہیں ہے جس کی روایات صحیحین میں تخریج کی گئی ہیں، مہدی بصری کی کنیت ابویحیی ہے، معلوم نہیں کہ آفت کس راوی کی جانب سے ہے؟

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہ کلام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل ”اللآلی“ میں نقل کرکے اس کو برقرار رکھا ہے، اور ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”تنزیہ الشریعہ“ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کیا ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد) پھر ذکر کیا کہ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں عیسی بن یونس کے طریق سے اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن زیاد مخرمی کے طریق سے، جس میں یہ دونوں (عیسی اور سفیان) عباس بن کثیر سے یہ روایت نقل کرتے ہیں، اس روایت کو ذکر کیا ہے، (سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت موضوعات میں ذکر کردی)، پھر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو ذہول ہوا کہ انہوں نے ”جامع صغیر“ میں ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی روایتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ ذکر کردی، اور مُنَاوِی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع کہا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کو سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد“ میں نقل کرکے اس پر اظہارِ رضامندی کیا ہے، اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ایک دوسرے مقام پر اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”موضوعات کبری“ میں علامہ علی بن محمد مالکی مَنُوفِی مصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: یہ باطل حدیث ہے، اور قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر

تعاقب کیا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”جامع صغیر“ میں اسے ذکر کیا ہے، جس میں انہوں نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ اس میں وہ موضوع روایت نہیں لائیں گے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ سرد تعصب ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرح کے کتنے ہی تناقضات اور اوہام ہیں، واللہ الموفق]

حدیث پنجم پر جو کچھ تم نے ”مرقاۃ“ سے نقل کیا ہے وہ ساری تفصیل ابن الدَیبَع رحمۃ اللہ علیہ نے ”تمییز الطیب“ میں ذکر فرمائی اور اس کے متعلق کسی بات کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں، خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخیر میں علامہ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ سے سب کا باطل ہونا نقل کیا ہے، اسی طرح علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد الحسنۃ“ میں (ص:٢٦٣) سب کو موضوع کہا ہے، اور ابن الدَیبَع کی کتاب ”تمییز الطیب“، ”المقاصد الحسنۃ“ ہی کا مختصر ہے، تو سارے ائمہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ابن الدَیبَع رحمۃ اللہ علیہ، مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ ان روایتوں کو باطل کہتے ہیں۔

تجزیہ کے بعد کلام جو تم نے نقل کیا ہے چار حدیثوں پر مشتمل ہے:

❻ حدیث ششم

[عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے]

اول: «صلوة بعمامة أفضل عن سبعين صلوة بغير بعمامة». [عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے] یہ حدیث بایں الفاظ میرے علم میں نہیں ہے، اور نہ ہی سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مقاصد“ میں اسے ذکر فرمایا ہے[1]۔

---

[1] عنقریب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول آرہا ہے کہ یہ موضوع ہے۔

۷ حدیث ہفتم

[انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بلا انگوٹھی کی ستر نمازوں کے برابر ہے]

دوسری حدیث: «صلوة بخاتم تعدل سبعين بغير بخاتم. قال ابن حجر: موضوع، ونقله السخاوي (ص:٢٦٣) وارتضاه، وتبعهما المَنُوْفِي وعلي القاري في موضوعاته (ص:٤٥)». [انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بلا انگوٹھی کی ستر نمازوں کے برابر ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ موضوع ہے، سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نقل کیا اور اس پر رضامندی کا اظہار کیا ہے، اور دونوں کی اتباع مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ نے اور علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موضوعات میں کی ہے]۔[1]

اور تیسری حدیث وہی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی جو نمبر چار پر ابھی گذری ہے۔

۸ حدیث ہشتم

[عمامہ میں ایک نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے]

اور چوتھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: «الصلوة في العمامة تعدل عشرة آلالف حسنة». [عمامہ میں ایک نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے] حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موضوع، اور علامہ مَنُوفِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ باطل

---

[1] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعة" (۱/ ۲۴۲) میں، علامہ احمد بن عبدالکریم عامری رحمۃ اللہ علیہ نے "الجد الحثیث" (ص:۱۲۶، رقم:۲۳۰) میں، علامہ محمد الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (ص:۱۸۴، رقم:۸۱۸) میں، علامہ قاؤقجی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللؤلؤ المرصوع" (ص:۱۰۸، رقم:۲۹۶) میں اکتفاء کرتے ہوئے اسے من گھڑت کہا ہے۔

ہے، «وتبعهما علي القاري في موضوعاته» [اور علی قاری ؒ نے اپنی موضوعات میں ان دونوں کی اتباع کی ہے]۔ [1]

⑨ حدیث نہم

[عمامہ کے ساتھ کی دو رکعتیں، بلا عمامہ کی ستر رکعتوں سے افضل ہے]

«حديث جابر ؓ: ركعتان بعمامة أفضل من سبعين بغيرها. عزاه السخاوي في المقاصد(ص: ٢٩١) والسيوطي في الجامع الصغير إلى الديلمي في مسندالفردوس.

قال المُنَاوِي: في فيض القدير(ص: ٣٧،ج:٤): ورواه عنه أي: عن جابر أيضا أبو نعيم وعنه تلقاه الديلمي، فلو عزاه إلى الأصل لكان أولى، ثم إن فيه طارق بن عبد الرحمن، أورده الذهبي في الضعفاء وقال: قال النسائي: ليس بقوي، عن محمد بن عجلان ذكره [أي: محمد بن عجلان] البخاري في الضعفاء، وقال الحاكم: سيء الحفظ [2]، ومن

---

[1] اسی طرح علامہ عجلونی ؒ نے "کشف الخفاء" (٢/ ٨٤، رقم:١٧٨٣) میں، علامہ شوکانی ؒ نے "الفوائد المجموعۃ" (١/ ٢٣٥) میں، علامہ پٹنی ؒ نے "تذکرۃ الموضوعات" (ص:١٥٥) میں، علامہ قاوقجی ؒ نے "اللؤلؤ المرصوع" (ص: ١٠٨، رقم:٢٩٦) میں حافظ سخاوی ؒ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے اسے من گھڑت کہا ہے، نیز حافظ ابن حجر ہیتمی ؒ نے "الفتاوی الفقہیۃ الکبری" (١/ ١٧٠) میں اور حافظ محمد الحوت نے "اسنی المطالب" (ص:١٨٤، رقم:٨١٨) میں اور حافظ ابن عراق ؒ نے "تنزیہ الشریعۃ" (٢/ ١٢٢) میں اسے موضوع کہا ہے۔

[2] حافظ ذہبی ؒ نے "محمد بن عجلان المدنی" کا تذکرہ "الکاشف" (رقم:٥٠٤٦) میں ان الفاظ سے کیا ہے: "الفقيه الصالح، عن أبيه وأنس وخلق، وعنه شعبة ومالك والقطان وأبو عاصم، وثقه أحمد وابن معين، وقال غيرهما: سيء الحفظ، قال الحاكم: خرج له مسلم ثلاثة عشر

ثم قال السخاوي: هذا الحديث لا يثبت، انتهى[كلام المُنَاوِي].

[قال الشيخ الجونفوري] وأشار السخاوي إلى وهائه».

[عمامہ کے ساتھ ایک نماز بلا عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے]

«ونقل بعض المحققين ـ وهو العلامة ناصر الدين الألباني ـ عن الحافظ ابن رجب أنه قال في شرح الترمذي: سئل أبو عبد الله يعني الإمام أحمد بن حنبل عن شيخ نصيبي يقال له: محمد بن نعيم، قيل له: روى شيئا عن سهل عن أبيه عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: صلوة بعمامة أفضل من سبعين صلوة بغير عمامة. فقال هذا كذاب، هذا باطل، انتهى».

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا طرق اور اس کے علاوہ مزید ذکر فرمانے کے بعد لکھا ہے: «وبعضه أوهى من بعض اھ». احقر کا خیال بھی یہی ہے کہ اگر ''صلوة بالعمامة'' کی اتنی فضیلت واہمیت تھی تو جس طرح صلوۃِ جماعت، صفِ اول وغیرہ دیگر امور فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسانیدِ صحیحہ سے نقل کئے گئے ہیں، یہ امور بھی اسی طرح نقل ہوتے۔

⑩ حدیث دہم

[بے شک اللہ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن پگڑیوں والوں پر سلام بھیجتے ہیں]

ایک اور روایت اس مسئلے میں نقل کی جاتی ہے، اس کو نقل کر کے اس کی

حديثا كلها في الشواهد''. معلوم ہوا کہ اس روایت کو محمد بن عجلان کی وجہ سے معلل قرار دینا قرین قیاس نہیں ہے۔

حقیقت بتادینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

«أخرج الطَبَرَانِي عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله وملائكته يصلون على أصحاب العمائم يوم الجمعة. قال الهيثمي (ص: ١٧٦، ج:١): فيه أيوب بن مدرك، قال ابن معين: إنه كذاب، اهـ». [طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن پگڑیوں والوں پر سلام بھیجتے ہیں۔ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں ایوب بن مدرک ہے، جس کے بارے میں ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ جھوٹا ہے اھ][1]

ویسے بعض روایات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز عمامہ پہن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے:

«فأخرج مسلم(ص: ٤٤٠) عن عمرو بن حريث قال: كأني أنظر إلى رسول الله ﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفيها بين

---

[1] اس روایت کے بارے میں علامہ عبد الرؤف مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام کئی جہات سے جامع ہے، اور اسی میں اس روایت کے بارے میں دیگر ائمہ (حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ازدی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کے اقوال بھی موجود ہیں، جو اس کے موضوع، منکر، شدید ضعیف ہونے پر متفق ہیں، ملاحظہ ہو: ”(طب) عن محمد بن عبد الله الحضرمي، عن العلاء بن عمر الحنفي، عن أيوب ابن مدرك، عن مكحول، (عن أبي الدرداء). قال الزين العراقي: أيوب بن مدرك كذبه ابن معين. وقال تلميذه الهيثمي: فيه أيوب بن مدرك، قال ابن معين: كذاب اهـ وفي الميزان واللسان عن مرة: كذاب[كذا في الأصل] ، وعن النسائي: متروك، له مناكير، ثم عد من مناكيره هذا الحديث اهـ وأورده ابن الجوزي في الموضوعات وقال: لا أصل له، تفرد به أيوب، قال الأزدي: هو من وضعه، كذبه يحيى وتركه الدارقطني اهـ ولم يتعقبه المؤلف بشيء سوى أنه قال اقتصر على تضعيفه الزين العراقي وابن حجر ولم يزد على ذلك، وأنت خبير بما في هذا التعقب من التعصب“. (فیض القدیر: ۲/ ۲۷۰، رقم: ۱۸۱۷)

كتفيه». [گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے کالا عمامہ باندھ رکھا ہے جس کے دونوں کنارے آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان ہیں]

«وأخرجه أبوداود(ص:٥١،ج:٥) والنسائي (ص:٢٩٩،ج:٢) والترمذي في الشمائل وابن ماجه(ص:٧٩و٢٠٨،٢٦٤) وترجم عليه ابن ماجه (ص:٧٩): باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة».

اور جب خطبہ، عمامۂ سوداء کے ساتھ دیا گیا تو ظاہر ہے کہ نماز بھی اسی طرح پڑھی گئی۔

❷ دوسری بات تم نے جو پوچھی ہے، اگر اس سے مراد فضیلت عمامہ کی روایات میں جو آپ کے یہاں اختلاف ہوا ہے اس میں سے ایک کی رائے کی ترجیح مقصود ہے تو یہ بات تو ماقبل کی تفصیلات سے معلوم ہوگئی۔

احقر کی رائے میں یہ سب روایات ضعیف بلکہ واہی ہیں، حدیث چہارم و ششم کو تو ائمہ فن نے باطل قرادیا ہے، اور باقی روایات اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان کے مل جانے سے قوت پیدا ہو جائے۔

اور اگر تمہاری مراد اپنی اکابر کے عمل میں محاکمہ ہے تو عزیز من! یہ میرا کام نہیں ہے، احقر تو ان حضرات کا خوشہ چیں [وہ شخص جو کھیت کٹنے کے بعد گرے ہوئے خوشے چن لیتا ہے] ہے، ہاں! میں اپنے ذوق سے کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ صلوۃ فی العمامہ کی فضیلت کی روایات واہی ہیں، اس لئے اس کو کوئی فضیلت کا کام سمجھ کر کرنا تو بہت مشکل ہے، ثَبِّتِ الْعَرْش ثُمَّ انْقُشْ.

اور اگر اس نیت سے عمامہ باندھا جائے کہ حضور اقدس ﷺ سے متعدد مواقع پر عمامہ کا باندھنا ثابت ہے، اور آپ ﷺ نے عمامہ پہن کر خطبہ دیا ہے

اور یہ آپ کا لباس ہے تو ایک امرِ مستحسن ہو گا، اور قرب کا سبب بنے گا۔

❸ تیسری بات تم نے یہ پوچھی ہے کہ "مسند الفردوس" کا محدثین کے یہاں کیا مقام ہے؟

اس کا جو مقام احقر کے خیال میں ہے وہ یہ ہے کہ اس کی سب روایتوں کو باطل و موضوع نہیں کہہ سکتے ہیں۔۔۔

[یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے[1]، از مرتب]

❹ اس کے متعلق نہ تو پہلے سے اہتمام کیا اور نہ اس وقت کوئی خاص مقام مستحضر ہے۔۔۔"[2]

* * * * *

---

[1] یہ مضمون پہلے ص:۸۳ پر گزر چکا ہے۔

[2] الیواقیت الغالیہ: عمامہ پہن کر نماز پڑھانے کا ثواب، ۱/۳۶۷ - ۳۷۳۔

۲ – جزء: عربی زبان کے نو غیر معتبر فضائل

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ان تمام احادیث کا خلاصہ و حکم حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ سے ملاحظہ ہو]

① – روایت: "عربوں سے محبت کر، کیونکہ میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے"۔

محدثین کی ایک جماعت نے اسے من گھڑت کہا ہے۔

② – روایت: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے"۔

محدثین کی ایک جماعت نے اسے من گھڑت کہا ہے۔

③ – روایت: "جنت والوں کی زبان عربی ہے، اور آسمان والوں کی زبان عربی ہے، اور محشر والوں کی زبان عربی ہے"۔

حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے من گھڑت کہا ہے۔

④ – روایت: "تم میں سے جو شخص اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ فارسی زبان میں گفتگو نہ کرے، کیونکہ یہ نفاق کو جنم دیتا ہے"۔

بلاشبہ یہ منکر حدیث ہے۔

⑤ – روایت: "جو شخص فارسی زبان میں گفتگو کرے گا، یہ اس کے ہلکے پن میں اور اضافہ کرے گا، نیز اس کی مُروّت کو نقصان پہنچائے گا"۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نکارت کی جانب اشارہ کیا ہے۔

⑥ - حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفاً: "آدم علیہ السلام کی جنت میں عربی زبان تھی، جب آپ سے خطاء صادر ہوئی تو اللہ نے عربی زبان کو سلب فرمالیا اور وہ سریانی زبان میں بات چیت کرنے لگے، جب آپ نے توبہ فرمائی تو اللہ نے دوبارہ عربی زبان لوٹادی"۔

میرا گمان ہے کہ یہ بے اصل ہے۔

⑦ - روایت: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! تمہارا ناس ہو، عرب سے محبت کرو، تین وجوہات سے: تمہارا نبی عربی ہے، تمہارا قرآن عربی ہے، اور تمہاری جنت کی زبان عربی ہے"۔

اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "تاریخ کبیر" میں تعلیقًا لائے ہیں، [اس متن کو محدثین کی ایک جماعت نے من گھڑت کہا ہے]۔

⑧ - روایت: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اللہ نے اپنے نبی کے مابین ہمیشہ عربی میں وحی نازل کی ہے، پھر وہ نبی اپنی قوم کی زبان میں انہیں یہ وحی پہنچاتا ہے"۔

یہ حدیث واہی الاسناد ہے۔

⑨ - روایت: "ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جبریل علیہ السلام کی جانب عربی میں وحی بھیجی جاتی، اور وہ ہر نبی کی جانب ان کی زبان میں وحی پہنچاتے"۔

(اس کی سند میں موجود) ابو بکر بن عیاش سیء الحفظ راوی ہے، اور کلبی متہم ہے۔

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے سابقہ ذکر کردہ خلاصہ کی تفصیل ملاحظہ ہو]

"حدیث ①:

عن ابن عباس رضي الله عنهما مرفوعا: أَحِبَّ العرب لثلث، لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي. در منثور (٤/٣) وأخرجه العُقَيْلِي: وقال: منكر لا أصل له كما في فيض القدير(١/١٧٩) .

[پہلی حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: عربوں سے تین وجہوں سے محبت کر، کیونکہ میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے، در منثور۔ اور اس روایت کو عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کر کے لکھا ہے: یہ منکر، بے اصل روایت ہے۔ "فیض القدیر" میں اسی طرح ہے]

یہ روایت "مشکوۃ" (ص: ۵۵۳) میں بھی ہے، "رواہ البیہقی فی شعب الایمان" [اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں نقل کیا ہے]، اس میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ "در منثور" میں یہ لفظ مفرد ہے اور "مشکوۃ" میں جمع "أَحِبُّوْا" ہے۔

حدیث ②:

عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا: أنا عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي. در منثور(٤/٣)

[دوسری حدیث: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے، در منثور]

حدیث ۳:

[یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم طارق]

حدیث ۴:

عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا: كلام أهل الجنة بالعربية، وكلام أهل السماء وكلام أهل الموقف بالعربية بين يدي الله. موضوع، آفته عثمان. كما في اللآلي المصنوعة(۲/۱۵۱).

[چوتھی حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: جنت والوں کی زبان عربی ہے، اور بارگاہِ الٰہی میں آسمان والوں، نیز محشر والوں کی زبان عربی ہوگی، یہ من گھڑت ہے، اس میں آفت عثمان ہے۔ ”اللآلی المصنوعہ“ میں اسی طرح ہے]

حدیث ۵:

عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا: من أحسن منكم أن يتكلم بالعربية فلايتكلمن بالفارسية، فإنه يورث النفاق. قال الذهبي: عمر كذبه ابن معين وتركه الجماعة. (حوالہ بالا)

[پانچویں حدیث: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: تم میں سے جو شخص اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ ہرگز فارسی زبان میں گفتگو نہ کرے، کیونکہ یہ نفاق کو

جنم دیتا ہے۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (سند میں موجود راوی) عمر کو ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ نے جھوٹا کہا ہے، نیز محدثین کی جماعت نے اسے ترک کیا ہے۔ حوالہ بالا]

اس کو "مستدرک حاکم" میں بھی دیکھ لیں۔

حدیث ⑥:

عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعا: من يتكلم بالفارسية زادت في خِسَّتِه ونقصت من مُرُوْءَتِه. وتعقبه الذهبي وقال: إسناده واه بمرة. وقال الدَارَقُطْنِي: تفرد به طلحة، وهو منكر الحديث. (حوالہ بالا) واتهمه غيره بالوضع.

[چھٹی حدیث: انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: جو شخص فارسی زبان میں گفتگو کرے گا، تو یہ اس کے وزن کو اور ہلکا کر دے گی، اور اس کی مُرَوَّت میں بھی کمی کا باعث ہوگی۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تعاقب کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: اس کی سند "واہی بمرۃ" ہے، اور دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس کے نقل کرنے میں طلحہ متفرد ہے اور وہ منکر الحدیث ہے، حوالہ بالا۔ اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی اسے وضع حدیث میں متہم قرار دیا ہے]

اس حدیث کا مطلب مفتی محمود کے مشورہ سے وضاحت سے لکھیں۔

حدیث ⑦:

[یہ موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم محمد طارق]

حدیث ⑧:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: إن آدم علیہ السلام كان لغته في الجنة العربية، فلما عصى سلبه الله العربية فتكلم بالسريانية، فلما تاب رد الله عليه العربية. كذا في المزهر (ص:٣٠ /١)

[آٹھویں حدیث: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی، جب ان سے کوتاہی ہوگئی تو اللہ نے عربی زبان کو سلب فرمالیا اور وہ فارسی زبان میں بات چیت کرنے لگے، جب انہوں نے توبہ کرلی تو اللہ نے دوبارہ عربی زبان لوٹادی۔ اسی طرح "مزہر" میں ہے]

حدیث (⑨، ⑩، ⑪، ⑫، ⑬):

[یہ موضوع سے خارج ہیں، اس لئے حذف کردیا ہے، از راقم محمد طارق]

یہ فہرست میں نے اس واسطے بھیجی ہے تاکہ تم دوستوں کو مراجعت میں سہولت ہو۔

ان روایات کے متعلق کوئی توثیق یا تجریح ملے تو اس کا بھی اضافہ کردیں، اور بھی کوئی روایت ملے تو جلد لکھیں۔

حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب

جوابات:

حدیث ①:

حديث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعا: أَحِبُّوا العرب لثلث، لأني عربي والقرآن عربي وكلام أهل الجنة عربي.

أخرجه الطَبَرَانِي في الكبير والأوسط والحاكم في مستدركه (ص: ٤/٨٧) وعلوم الحديث(ص:١٦٢) له، والبيهقي في الشعب ومناقب الشافعي (ص: ٣٣ /١)، وتَمَّام في فوائده، و العُقَيْلِي في الضعفاء، كلهم من حديث العلاء بن عمرو الحنفي، حدثنا يحي بن يزيد الأشعري، عن ابن جريج، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنه به .

قال الحاكم: هذا حديث صحيح.

وقال الهيثمي (ص: ١٠/٥٢): العلاء بن عمرو الحنفي مجمع على ضعفه.

[قال الشيخ الجونفوري] قلت: وشيخه يحي بن يزيد الأشعري أيضا ضعيف، وقد تفردا به كما قاله الطَبَرَانِي والبيهقي.

قال ابن أبي حاتم في العلل: سألت أبي عن هذا الحديث فقال: هذا حديث كذب.

وقال العُقَيْلِي: حديث منكر، لا أصل له.

و أورده ابن الجوزي في الموضوعات(ص: ٢/٤١) وقال: يحي يروي المقلوبات عن الأثبات فبطل الاحتجاج به.

[قال الشيخ الجونفوري] وتعقب السيوطي في اللآلي(ص:٤٤٢) على ابن الجوزي بما لا يُجْدِي نفعا فقال:

إنما أورده العُقَيْلِي في ترجمة العلاء بن عمرو على أنه من مناكيره، وكذا صاحب الميزان، وقال الحافظ ابن حجر في اللسان: ذكره ابن

حبان في الثقات، وقال صالح جَزَرَة: لا بأس به، وقال أبوحاتم: كتبت عنه، وما أعلم إلا اخيرا، انتهى.

[قال الشيخ الجونفوري] قلت: لكن الحافظ ابن حجر ذكر الحديث في اللسان وختم كلامه بنقل كلام العُقَيِلي ولم يتعقبه لشيء، ولم يحكم العُقَيْلي بالنكارة فقط بل حكم عليه بأنه لا أصل له، وصرح الذهبي بأنه موضوع، وحكم عليه أبوحاتم الرازي بأنه كذب.

قال السيوطي: وقد تابع يحي محمدُ بن الفضل، أخرجه الحاكم.

[قال الشيخ الجونفوري] وتعقبه الذهبي في مختصر المستدرك فقال: محمد بن الفضل متهم. فلايصلح للمتابعات، قال: وأظن الحديث موضوعا.

قال السيوطي في التعقبات: والحديث ضعيف، لاصحيح ولا موضوع. وقال في اللآلي: وله شاهد فذكر حديث أبي هريرة الذي يأتي بعده .

[قال الشيخ الجونفوري] ونقل العلامة أحمد بن مبارك السِجِلْمَاسِي [المتوفى ١١٥٦ھ] في الإبْرِيْز (ص:١٠٨) عن شيخه العارف الكبير الشيخ السيد عبد العزيز الدباغ أنه ليس بحديث، لم يقله النبي ﷺ.

حديث ❷:

حديث عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا: أنا عربي إلخ، أخرجه

الطَبَرَانِي في معجمه الأوسط من حديث عبد العزيز بن عمران، حدثنا شِبْل بن العلاء، عن أبيه، عن جده، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا عربي والقرآن عربي ولسان أهل الجنة عربي.

قال الذهبي في المغني: شِبْل بن العلاء بن عبد الرحمن، قال ابن عدي: له مناكير.

وقال الهيثمي: (ص: ۱۰/۵۳) عبد العزيز بن عمران متروك.

وقال السخاوي في المقاصد (ص: ۲۳): هو مع ضعفه أصح من حديث ابن عباس رضي الله عنه.

وقال العراقي في مَحَجَّة الْقُرَب [في مَحَبَّة العَرَب]:

حديث أبي هريرة رضي الله عنه أصح من حديث ابن عباس رضي الله عنه، شِبْل بن العلاء احتج به ابن حبان في صحيحه وقال: إنه مستقيم الأمر في الحديث. لكن الراوي عنه عبد العزيز بن عمران الزهري متروك، قاله النسائي وغيره، فلايصح هذا الحديث، انتهى. كذا في تنزيه الشريعة (ص: ۲/۳۱).

[قال الشيخ الجونفوري] وهذا الحديث جعله السخاوي والسيوطي شاهدا لحديث ابن عباس رضي الله عنه.

(فائده) هكذا لفظ الحديث "أحبوا" بصيغة الجمع في المستدرك وعلوم الحديث ومناقب الشافعي للبيهقي، وكذا نقله الذهبي وابن حجر عن الضعفاء للعقيلي، وكذا نقله الهيثمي في مجمع الزوائد عن المعجم الكبير والأوسط للطبراني وصاحب المشكوة عن شعب

البيهقي، وهكذا ذكره العراقي في القرب والسخاوي في المقاصد والسيوطي في اللآلي والتعقبات، وتفرد السيوطي في الدر المنثور بإيراده أحب باللفظ المفرد .

حدیث③:

[یہ جواب ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم طارق]

حدیث④:

حديث عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا: كلام أهل الجنة بالعربية وكلام أهل السماء بالعربية وكلام أهل الموقف بالعربية.

[قال الشيخ الجونفوري] لم أجده في اللآلي ولافروعه كالتعقبات وتنزيه الشريعة، وذكره الذهبي في الميزان في ترجمة عثمان بن فائد برواية ابن حبان في الضعفاء، قال الذهبي: هذا موضوع، والآفة عثمان.

حدیث⑤:

حديث عن ابن عمر رضي الله عنه مرفوعا: من أحسن منكم أن يتكلم بالعربية فلايتكلمن بالفارسية فإنه تورث النفاق. أخرجه الحاكم في المستدرك(ص: ٤/٤٧) من طريق عمر بن هارون عن أسامة بن زيد الليثي، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنه به.

قال الذهبي: عمر كذبه ابن مَعِيْن، وتركه الجماعة.

قال المُنَاوِي في فيض القدير(ص: ٦/٣٨): فكان للمصنف أي: السيوطي حذفه أي: من الجامع الصغير، قال الذهبي في الميزان بعد نقل كلام أئمة الفن في تضعيف عمر بن هارون: كان من أوعية العلم على ضعفه وكثرة مناكيره، وما أظنه ممن يتعمد الباطل، انتهى.

[قال الشيخ الجونفوري] قلت:هذا الحديث منكر بلا شك، فالألسنة كلها من الرب تعالى، قال تعالى: واختلاف ألسنتكم وألوانكم .

حدیث ⑥:

حديث عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من يتكلم بالفارسية زادت في خِسَّتِه ونقصت من مُرُوْءَتِه. أخرجه الحاكم من طريق طلحة بن زيد، عن الأوزاعي، عن يحي بن أبي كثير، عن انس رضي الله عنه به.

قال الذهبي: ليس بصحيح، وإسناده واه بمرة.

وذكره الذهبي في الميزان، فأشار إلى نكارته .

(تنبيه) قوله: ”زادت في خِسَّتِه“. هكذا في تذكرة الموضوعات للفتني (ص: ١١٣)، وفي المستدرك: ”زادت في خبثه“. ولعله تصحيف، وأما: ”زادت في حَسَبِه أو حسنه“. فمصحَّف بلا شك .

حدیث ⑦:

[یہ جواب ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم محمد طارق]

حدیث ⑧:

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ: إن آدم علیہ السلام كان لغته في الجنة العربية، فلما عصى سلبه الله العربية فتكلم بالسريانية، فلما تاب رد الله العربية. أخرجه ابن عساكر كذا في المزهر (ص: ١/٣٠) [أي: المزهر في علوم اللغة وأنواعها للسيوطي].

[قال الشيخ الجونفوري] ولم أقف على إسناده، وظني أنه لا أصل له.

وفي البلغة في أصول اللغة [لأبي الطيب صديق خان القنوجي] قال ابن حبيب: كان اللسان الأول الذي نزل به آدم من الجنة عربيا إلى أن بعد العهد وطال فحرف سريانيا، والسريانية تشارك اللغة العربية في أشياء شركة ظاهرة، انتهى.

حدیث (⑨، ⑩، ⑪):

[یہ جوابات ہمارے موضوع سے خارج ہیں، اس لئے انہیں حذف کر دیا ہے، از راقم محمد طارق][1]

[پہلی حدیث:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: عربوں سے محبت کرو، کیونکہ میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: عربی زبان کی فضیلت پر کچھ روایتیں، ۱/۳۸۷ - ۳۹۳۔

اس کو تخریج کیا ہے....

حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ صحیح حدیث ہے۔

ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (سند میں موجود) علاء بن عمرو حنفی متفق علیہ ضعیف ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ علاء کے شیخ یحیی بن یزید اشعری بھی ضعیف ہیں، اور یہ دونوں ہی اس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہیں، جیسا کہ طَبَرانی رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹی حدیث ہے۔

عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ منکر، بے اصل حدیث ہے۔

اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اسے موضوعات میں لا کر فرماتے ہیں: (سند کا راوی) یحیی ثقہ راویوں کے انتساب سے مقلوب روایات لاتا ہے، چنانچہ اس سے استدلال باطل ہے۔

البتہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "لآلی" میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کیا ہے، لیکن یہ تعاقب سود مند نہیں، آپ فرماتے ہیں:

اس روایت کو عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہہ کر علاء بن عمرو کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ یہ روایت علاء کی منکر روایات میں سے ہے، اسی طرح صاحبِ میزان بھی لائے ہیں، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "لسان" میں فرماتے ہیں: علاء کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے "ثقات" میں ذکر کیا ہے، اور صالح جَزَرَہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں "لا بأس به" کہا ہے، اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے لکھا ہے، اور ان میں میں نے خیر ہی دیکھی ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "لسان" میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد اپنی گفتگو عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر ختم کی ہے، اور ان پر کوئی تعاقب نہیں کیا، اور عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر صرف نکارت ہی کا حکم نہیں لگایا، بلکہ اس پر بے اصل ہونے کا حکم لگایا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی صاف فرما چکے ہیں کہ یہ موضوع ہے، اور ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر جھوٹ ہونے کا حکم لگایا ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ (سند کے راوی) یحیی کی (ایک دوسرے راوی) محمد بن فضل نے متابعت کی ہے، جسے حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "مختصر المستدرک" میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: محمد بن فضل متہم ہے۔ لہذا یہ متابع بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے: میرے گمان کے مطابق یہ موضوع ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تعقبات" میں لکھا ہے: حدیث ضعیف ہے، نہ ہی صحیح ہے اور نہ موضوع۔ اور "لآلی" میں کہا ہے کہ اس کا شاہد بھی ہے، پھر انہوں نے حدیثِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کی، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) علامہ احمد بن مبارک سِجِلْمَاسی نے "اِبریز" میں اپنے شیخ عارف کبیر شیخ سید عبد العزیز دباغ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے [1]۔

---

[1] حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" (۱/ ۳۹۵) میں حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے موضوع کہا ہے، علامہ محمد بن محمد درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ نے "اسنی المطالب" (۱/ ۳۱) میں امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے موضوع کہا ہے، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (۲/ ۳۱) میں حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

دوسری حدیث:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: .... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عربی ہوں، اور قرآن عربی میں ہے، اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "المغنی" میں فرماتے ہیں: (سند کا راوی) شِبْل بن علاء بن عبد الرحمٰن کے بارے میں ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان کی مناکیر ہیں۔

ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (سند کا راوی) عبد العزیز متروک ہے۔

سخاوی رحمۃ اللہ علیہ "المقاصد" میں فرماتے ہیں: یہ سند باوجود ضعف کے حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اصح ہے۔

عراقی رحمۃ اللہ علیہ "محجّۃ القُرب" میں لکھتے ہیں: حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بمقابلہ حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصح ہے، شِبْل بن علاء سے ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں احتجاج کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث میں "مستقیم الامر" ہے، لیکن اس سے نقل کرنے والا راوی عبد العزیز بن عمران زہری متروک ہے، یہ بات نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کہی ہے، چنانچہ یہ حدیث "صحیح" نہیں ہے، انتہی۔ اسی طرح "تنزیہ الشریعہ" میں ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) سخاوی رحمۃ اللہ علیہ وسیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے شاہد قرار دیا ہے۔

(فائدہ) یہ حدیث جمع کے صیغہ "أحِبّوا" کے ساتھ (حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی) "مستدرک" و "علوم الحدیث" میں، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی "مناقب شافعی" میں ہے، اور اسی طرح ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

کے کلام کو ترجیح دی ہے، علامہ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے "کشف الخفاء" (۱/ ۶۹) میں اسے شدید ضعیف کہا ہے، تفصیل کے لئے کتاب "غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ" حصہ سوم (ص: ۲۳۴) ملاحظہ فرمائیں۔

وابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ کی ”ضعفاء“ سے نقل کی ہے، اور اسی طرح ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے طَبَرانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”معجم کبیر“ و ”معجم اوسط“ سے نقل کی ہے، نیز صاحبِ مشکوۃ نے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ”شعب“ سے اسی طرح نقل کیا ہے، عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”القُرَب“ میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”المقاصد“ میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”للآلی“ و ”تعقبات“ میں بھی اسی طرح ذکر کیا ہے، البتہ صرف سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”درمنثور“ میں ”أحِبّ“ لفظِ مفرد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تیسری حدیث:

.....[یہ جواب ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم طارق]

چوتھی حدیث:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً: جنت والوں کی زبان عربی ہے، اور آسمان والوں کی زبان عربی ہے، اور محشر والوں کی زبان عربی ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) مجھے یہ روایت ”للآلی“ اور اس کی فروع جیسے ”تعقبات“ و ”تنزیہ الشریعہ“ میں نہیں ملی، البتہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان“ میں عثمان بن فائد کے ترجمہ میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی ”ضعفاء“ میں موجود سند سے اسے ذکر کیا ہے، پھر ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ من گھڑت روایت ہے، اور اس میں عثمان آفت ہے[۱]۔

---

[۱] حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الموضوعات“ (۳/ ۷۱) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعۃ“

پانچویں حدیث:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: تم میں سے جو شخص اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ فارسی زبان میں گفتگو نہ کرے، کیونکہ یہ نفاق کو جنم دیتا ہے ....

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (سند میں موجود راوی) عمر کو ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ نے جھوٹا کہا ہے، اور محدثین کی ایک جماعت نے اسے ترک کیا ہے۔

مُنَاوی رحمۃ اللہ علیہ "فیض القدیر" میں لکھتے ہیں: مصنف یعنی سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اسے "جامع صغیر" سے حذف کرنا مناسب تھا، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "میزان" میں عمر بن ہارون کے بارے میں ائمہ ٔفن کے تضعیف کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: باوجود ضعف وکثرتِ مناکیر کے یہ شخص حامل علوم تھا، میرا خیال نہیں ہے کہ یہ جان بوجھ کر باطل روایات لاتا ہوگا، مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ منکر حدیث ہے، کیونکہ زبانیں تو سب رب تعالیٰ کی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا..."[1]۔

(۲/ ۲۸۱) میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (۱/ ۲۷۹) میں اس روایت کو من گھڑت کہا ہے، نیز علامہ برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے "الکشف الحثیث" (ص: ۱۸۱) میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے موضوع کہا ہے۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (۱/ ۲۷۹) میں، حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کرتے ہوئے اسے من گھڑت کہا ہے۔

[1] امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلی المصنوعۃ" (۲/ ۲۳۸) میں، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (۲/ ۲۹۱) میں اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفوائد المجموعۃ" (۱/ ۲۷۹) میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر

چھٹی حدیث:

انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص فارسی زبان میں گفتگو کرے گا، یہ اس کے ہلکے پن میں اور اضافہ کرے گا، نیز اس کی مُروّت کو نقصان پہنچائے گا....

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ صحیح نہیں، اس کی سند "واہی بمرۃ" ہے۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے اسے "میزان" میں ذکر کرکے اس کی نکارت کی جانب اشارہ کیا ہے[1]۔

(**تنبیہ**) روایت کے الفاظ: "یہ اس کے وزن کو ہلکا کرے گا"، پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی "تذکرۃ الموضوعات" میں اسی طرح ہے، البتہ "مستدرک" میں یہ الفاظ ہیں: "یہ اس کی خباثت میں اضافہ کرے گا"۔ شاید یہ الفاظ تبدیل شدہ ہوں۔

البتہ "یہ اس کے حَسَب یا حُسن میں اضافہ کرے گا"، یہ الفاظ بلاشبہ اصل سے تبدیل ہوئے ہیں۔

ساتویں حدیث:

....[یہ جواب ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم طارق]

اکتفاء کیا ہے، نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" (۶/ ۱۸۴) میں فرماتے ہیں اس کی سند واہی ہے۔

[1] حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ "الکامل" (۴/ ۱۰۹) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت اس سند سے باطل ہے، حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ "ذخیرۃ الحفاظ" (۴/ ۲۲۴۹، رقم: ۵۲۲۶) میں، حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ "الموضوعات" (۳/ ۷۱) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت باطل، من گھڑت ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" (۶/ ۱۸۴) میں فرماتے ہیں اس کی سند واہی ہے، علامہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے "تنزیہ الشریعۃ" (۲/ ۲۹۱) میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر اکتفاء کیا ہے۔

آٹھویں حدیث:

ابن عباس ؓ : آدم ؑ کی جنت میں عربی زبان تھی، جب آپ سے خطاء صادر ہوئی تو اللہ نے عربی زبان کو سلب فرمالیا اور وہ سریانی زبان میں بات چیت کرنے لگے، جب آپ نے توبہ فرمائی تو اللہ نے دوبارہ عربی زبان لوٹادی ....

(حضرت جونپوری ؒ فرماتے ہیں) میں اس کی سند پر واقف نہیں ہو سکا ہوں، میرا گمان ہے کہ یہ بے اصل ہے[1]۔

---

[1] حافظ ابن عساکر ؒ نے "تاریخ دمشق" (۷/۴۰۶) میں اس روایت کو سنداً تخریج کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"أنبأنا أبو طاهر الحِنَّائي وأبو محمد بن الأكفاني وابن السمرقندي، قالوا أنا أبو الحسن بن أبي الحديد وأخبرنا أبو الحسين بن أبي الحديد، أنا جدي أبو عبد الله، أنا أبي أبو الحسن، أنا أبو محمد بن أبي نصر، أنا عبد السلام بن أحمد بن محمد القرشي، أنا محمد بن إسماعيل التميمي، أنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الزاهد، نا موسى بن إبراهيم المَرْوَزِي، نا نوح بن دَرَّاج، عن أبي روق الهَمْدَاني، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن آدم كان لغته في الجنة العربية، فلما عصى ربه سلبه الله العربية فتكلم بالسريانية، فلما تاب الله عليه رد عليه العربية".

ہماری جستجو کے مطابق اس روایت کی سند میں دو راوی ایسے ملے ہیں جن پر معتدبہ ائمہ جرح وتعدیل نے جرح کے شدید صیغے استعمال فرمائے ہیں:

(۱) نوح بن درّاج (۲) موسی بن ابراہیم المروزی۔

ابو محمد نوح بن درّاج نخعی: یہ کذاب، خبیث ہے (امام یحیی بن معین ؒ)، زائغ (حافظ جوزجانی ؒ)، لیس بالقوی (امام ابوحاتم ؒ)، لیس بذاک (امام بخاری ؒ)، لایکون بہ بأس (حافظ ابوزرعہ ؒ)، ضعیف، متروک الحدیث (امام نسائی ؒ)، جھوٹا، احادیث گھڑتا تھا (امام ابوداؤد ؒ)، لاشئ (حافظ ساجی ؒ)، ثقہ (حافظ ابن نمیر ؒ)، ثقہ راویوں سے من گھڑت روایت نقل کرتا تھا (حافظ ابن حبان ؒ)، ثقہ راویوں سے من گھڑت روایت نقل کرتا تھا (امام حاکم ؒ)، یہ کثیر الحدیث نہیں، اس کی روایت لکھی جائے گی

"بلغۃ فی اصول اللغۃ" میں ہے کہ ابن حبیب نے کہا ہے: اولین زبان جو آدم علیہ السلام جنت سے لے کر تشریف لائے عربی ہے، یہاں تک کہ طویل زمانہ گذرنے کے بعد وہ تبدیل ہو کر سریانی زبان بن گئی، اور سریانی کا بہت سے الفاظ میں عربی کے مشابہ ہونا ظاہر بات ہے، ابن حبیب کا کلام مکمل ہوا۔

نویں، دسویں، گیارہوں حدیث .... (یہ موضوع سے خارج ہے، اس لئے حذف کر دیا ہے، از راقم محمد طارق)

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اس سے متصل تحریر فرماتے ہیں]

إضافه:

❶ قال مِحْجَن بن عبد الرحمن الكوفي أن النبي ﷺ خرج على أصحابه وهم يقولون لسلمان: مانسبك؟ فقال: ما نسبة رجل خلق من التراب وإلى التراب يعود، إن ثقلت موازيني فما أكرم نسبي، وإن خفت موازيني فما أذلّ لسبي [كذا في الأصل، والصحيح نسبي]، ثم تلا الآية: فمن ثقلت موازينه. فقال رسول الله ﷺ: ويحك! يا سلمان! أحبّ العرب لثلث، نبيك عربيّ وقرآنك عربيّ ولسانك في الجنة عربيّ.

(حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ)، لاشئ (حافظ ابو نعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ) (دیکھئے: تہذیب التہذیب: ۴/ ۲۴۵)۔

ابو عمران موسی بن ابراہیم مروزی: کذاب (امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ)، متروک (حافظ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ)، منکر الحدیث (حافظ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ)، مجہول شیخ، ثقہ راویوں سے منکر روایت نقل کرتا تھا (حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ) (دیکھئے: لسان المیزان: ۸/ ۱۸۷)۔ یہ غافل شخص ہے، اسے تلقین کی جاتی یہ اسے قبول کرلیتا، ترک کیے جانے کا مستحق ہے (حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ) (دیکھئے: الضعفاء والمتروکین لابن جوزی: ۳/ ۱۴۴)۔ واضح رہے کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موسی بن ابراہیم کی بعض دیگر بلایا بھی ذکر کی ہیں، دیکھئے: "میزان الاعتدال": ۴/ ۱۹۹۔ الحاصل یہ روایت اس سند سے شدید ضعیف ہے، اسے آپ ﷺ کی جانب منسوب کرنا درست نہیں ہے۔

هكذا أورده البخاري في تاريخه الكبير (٤/٤) تعليقا.

❷ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: والذي نفسي بيده ماأنزل الله وحيا قط على نبي بينه وبينه إلا بالعربية ثم يكون هو بعد يبلّغه قومه بلسانه.

رواه الطَبَرَانِي في الأوسط، وفيه سليمان بن أرقم متروك. كذا في مجمع الزوائد(١٠٥٣).

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات ونقل عن ابن عدي: لايصح، سليمان بن أرقم متروك ليس بشيء.

وتعقبه السيوطي في اللآلي(١/١١) بأن الشيخ بدر الدين الزركشي قال في نكته على ابن الصلاح: بين قولنا لم يصح وبين قولنا موضوع بون كبير، فإن الوضع إثبات الكذب والاختلاق، وقول: لم يصح لايلزم منه إثبات العدم، إنما هو إخبار عن عدم الثبوت. وفرق بين الأمرين، انتهى[أي: قول الزركشي]. وسليمان بن أرقم أخرج له أبوداود والنسائي والترمذي، وهو وإن كان متروكا فلم يتهم بكذب ولا وضع، انتهى [أي: قول السيوطي] .

وقال العراقي في القُرَب (ص: ١٤): رواه الطَبَرَانِي في المعجم الأوسط وقال حسن: رواته كلهم ثقات، انتهى. كذا في مختصر القرب.

[قال الشيخ الجونفوري]: وليراجع أصل القُرَب، فإن الحكم بكون الحديث حسنا لايصح، ولذا لم يحكم بحسنه أحد من الهيثمي والسيوطي وابن عرَّاق، والحديث واهي الإسناد فلا وجه لتحسينه.

❸ عن أبي بكر بن عياش عن الكلبي، عن أبي صالح، عن ابن عباس قال: كان جبريل عليه السلام يوحى إليه بالعربية وينزل هو إلى كل نبي بلسان قومه.

أخرجه ابن مردويه كذا في اللآلي(ص: ١١) والدر المنثور (ص: ٤/٧٠)، وجعله السيوطي في اللآلي وابن عَرَّاق في تنزيه الشريعة (١/١٤٠) شاهدا لحديث أبي هريرة السابق.

قلت [أي:الشيخ الجونفوري]: أبوبكر بن عياش سيء الحفظ، والكلبي متهم، فلا يُجْدِي الاستشهاد شيئا[1].

[اضافہ:

❶ مجن بن عبد الرحمن کوفی سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے، صحابہ رضی اللہ عنہم سلمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کر رہے تھے کہ آپ کا نسب کیا ہے؟ سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص کا کیا نسب ہو گا جو مٹی سے پیدا ہوا ہو اور مٹی میں لوٹ جائے گا؟ اگر میرے نیک اعمال کا وزن بھاری ہو گیا تو میرا کیا ہی اچھا نسب ہے، اور اگر میرے نیک اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گیا تو میرا نسب کس قدر حقیر ہے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (ترجمہ) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! تمہارا ناس ہو، عرب سے محبت کرو، تین وجوہات سے: تمہارا نبی عربی ہے، تمہارا قرآن عربی ہے، اور تمہاری جنت کی زبان عربی ہے۔

اسی طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ ”تاریخ کبیر“ میں تعلیقاً لائے ہیں۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: عربی زبان کی فضیلت پر کچھ روایتیں، ۱/۳۹۳-۳۹۴۔

② ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ نے اپنے نبی کے مابین ہمیشہ عربی میں وحی نازل کی ہے، پھر وہ نبی اپنی قوم کی زبان میں انہیں یہ وحی پہنچاتا ہے۔

اسے طَبرَانی رحمۃ اللہ علیہ نے "اوسط" میں نقل کیا ہے، اور (اس کی سند میں) سلیمان بن ارقم متروک راوی ہے، جیسا کہ "مجمع الزوائد" میں ہے، اور اسے ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ "الموضوعات" میں لائے ہیں، اور اسی کے بارے میں ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے: "لایصح"، (سند میں موجود راوی) سلیمان بن ارقم متروک، لیس بشیء ہے۔

اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "للآلی" میں تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: شیخ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (کے مقدمہ پر) اپنی "نکت" میں فرماتے ہیں: ہمارے قول "لایصح" اور "موضوع" کے درمیان بڑا فرق ہے، کیونکہ وضع، جھوٹ وایجاد کے اثبات کو کہا جاتا ہے، اور قائل کے قول "لم یصح" سے اثباتِ عدم لازم نہیں آتا، بلکہ اس میں تو صرف عدمِ ثبوت کی خبر ہے، اور دونوں میں فرق ہے، زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) سلیمان بن ارقم سے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث تخریج کی ہیں، یہ اگرچہ متروک ہے لیکن متہم بالکذب والوضع نہیں ہے، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) عراقی رحمۃ اللہ علیہ "القُرب" میں لکھتے ہیں: طَبرَانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "معجم اوسط" میں تخریج کیا ہے اور یہ روایت حسن ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) اسی طرح "مختصر القُرب" میں ہے،

اصل ''القُرَب'' کی جانب مراجعت کی ضرورت ہے، کیونکہ اس حدیث پر حسن کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عرَّاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر حسن ہونے کا حکم نہیں لگایا، اور یہ حدیث ''واہی الاسناد'' ہے، اس کے حسن ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

③ ابو بکر بن عیاش، عن الکلبی، عن ابی صالح، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (کی سند سے) مروی ہے: جبریل علیہ السلام کی جانب عربی میں وحی بھیجی جاتی، اور وہ ہر نبی کی جانب ان کی زبان میں وحی پہنچاتے۔

اسے ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے، اسی طرح ''للآلی'' اور ''در منثور'' میں ہے، اور اسے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''للآلی'' میں، ابن عرَّاق رحمۃ اللہ علیہ نے ''تنزیہ الشریعۃ'' میں سابقہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے بطور شاہد ذکر کیا ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ (سند میں موجود) ابو بکر بن عیاش سیء الحفظ راوی ہے، اور کلبی متہم ہے، لہٰذا اس سے استشہاد کا کوئی فائدہ نہیں]

* * * * *

۳ - اس کے تحت دو اجزاء ہیں

① **جزء روایت:**

"أول ماخلق الله نوري".

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے"۔

ظن غالب یہ ہے کہ یہ الفاظ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، بلکہ لوگوں کے ایجاد کردہ ہیں۔

② **جزءروایت:**

"إن رسول الله ﷺ لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر".

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ شمس و قمر میں دکھائی نہیں دیتا تھا"۔

قدِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں، اسانیدِ معتبرہ حسنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کے لئے سایہ و ظل ہونا مذکور ہے۔

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے سابقہ ذکر کردہ خلاصہ کی تفصیل ملاحظہ ہو]

"**سوال:** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور یہ ہے کہ قد مبارک کا سایہ

نہیں تھا، اس کی مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں۔

اول تو مشہور عند الناس یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نور سے پیدا ہوئے تھے، **قاضی عِیَاض** رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (ص: ۳۰۶): «ذكر أنه ﷺ لايرى ظلّ شخصه في شمس ولا قمر، لأنه كان نورا. انتهى، قال القاري: نقله الحليبي [كذا في الأصل، والصحيح الحلبي] عن ابن سبع». [مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا سایہ نہ سورج میں دکھائی دیتا تھا نہ چاند میں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے انتہی، قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسے **حلیبی** رحمۃ اللہ علیہ (اصل میں اسی طرح ہے، صحیح حلبی ہے) نے ابن سبع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے]

صاحبِ مواہب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

«قال السيوطي فى الخصائص (ص:١/٦٨): قال ابن سبع: من خصائصه أن ظلّه كان لايقع على الأرض، وأنه كان نورا، فكان إذا مشى فى الشمس والقمر لاينظر له ظلّ». [امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”خصائص“ میں فرماتے ہیں: ابن سبع رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورج، چاند (کی روشنی) میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا]

چنانچہ حدیث میں وارد ہے: «أول ماخلق الله نورى». [سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے]

مگر یہ حدیث جو بھی نقل کرتا ہے بے سند نقل کرتا ہے، جیسے مثال کے طور پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں (ص:۱/۱۴۰) یوں نقل فرمایا ہے: «روي: أن أول ماخلق الله نوري. وأن أول ماخلق الله

روحي». [مروی ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا ہے، اور سب سے پہلے اللہ نے میری روح پیدا کی ہے]

مگر یہ حدیث بایں لفظ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے، اور محض کسی ایک کا نقل کر دینا کافی نہیں جب تک کہ حدیث کی کسی معتبر کتاب کا حوالہ نہ دے، اور یا اپنی سند معتبر سے پیش کرے۔

علامہ قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب" میں نقل فرمایا ہے:

«وروى عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قلت: يا رسول الله! بأبي أنت وأمي، أخبرني عن أول شيء خلقه الله تعالى قبل أشياء، قال: يا جابر! إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله، ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا شمس ولا قمر ولا جني ولا إنسي، فلما أراد الله تعالى أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة أجزاء: فخلق من الجزء الأول القلم ومن الثاني اللوح ومن الثالث العرش، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول حملة العرش ومن الثاني الكرسي ومن الثالث باقي الملائكة، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول السماوات ومن الثاني الأرضين ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين ومن الثاني نور قلوبهم - وهي المعرفة بالله - ومن الثالث نور انسهم [كذا في الأصل] وهو التوحيد لاإله إلا الله محمد رسول

اللہ، الحدیث».

[عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اس بات کی خبر دیجئے کہ اللہ نے تمام اشیاء سے پہلے کس شئ کو پیدا کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا، پھر وہ نور، جہاں اللہ نے چاہا، اس کی قدرت سے چلتا رہا، اس وقت تک لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، زمین، آسمان، سورج، چاند، جن وانس کچھ نہ تھا، جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے چار حصے کیے: پہلے حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش کو پیدا کیا، چوتھے کے چار حصے کیے: پہلے سے عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو پیدا کیا، دوسرے سے کرسی کو، تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کیے، پھر چوتھے حصے کے چار حصے کیے: پہلے سے تمام آسمان، دوسرے سے تمام زمینیں، تیسرے سے جنت و جہنم کو بنایا، چوتھے کے چار حصے کیے: پہلے سے ایمان والوں کی آنکھوں کا نور پیدا کیا، دوسرے سے انکے دلوں کا نور – معرفت الٰہی – کو پیدا کیا، اور تیسرے حصے سے ––– توحید – لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ – کو پیدا کیا، الحدیث]

یہیں تک قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے، علامہ زَرقَانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: «ولم يذكر الرابع من هذا الجزء فليراجع من مصنف عبد الرزاق مع تمام الحديث، وقد رواه البيهقى ببعض مخالفة، انتهى».
[قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جزء کے چوتھے ٹکڑے کو ذکر نہیں کیا، "مصنف عبد الرزاق" سے پوری حدیث دیکھ لینی چاہئے، نیز بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کی ہے، انتہیٰ]

قَسطَلَّانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حدیث نقل کر دی اور عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا، نہ معلوم عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی کس تصنیف میں ہے، پھر اس کی سند ذکر نہیں کی۔

روایت کا طرز بتلاتا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃِ نبوت سے نہیں نکلی ہے، ہم کو باوجود تتبع کے اس حدیث کی سند نہیں ملی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جن کو اس قسم کی روایات ذکر کرنے میں انہماک ہے ان کی بھی کتاب ”خصائص“ میں تلاش سے نہ مل سکی، ظن غالب یہ ہے کہ یہ الفاظ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہیں، بلکہ معمول ومصنوع ہے، دورِ متأخر کے مشہور عالم الشیخ عبد الفتاح ابو غدّہ نے «التعلیقات الحافلہ علی الأجوبۃ الفاضلہ» (ص:۱۲۹) میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوقات ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور مجرد ہیں بلکہ آپ انسان تھے، تمام اوصافِ انسانیت آپ میں موجود تھے۔

[آگے جاکر حضرت جونپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں]

بعض حضرات نے استدلال میں ایک حدیث نقل فرمائی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”خصائص کبری“ (ص:۶۸،وص:۷۱) میں لکھتے ہیں:

«أخرج الحكيم الترمذى من طريق عبد الرحمن بن قيس الزعفراني، عن عبد الملک بن عبد الله بن الوليد، عن ذكوان رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يرى له ظل في شمس ولا قمر ولا أثر قضاء حاجة، انتهى.

قلت: عبد الرحمن بن قيس لايقبل عنه هذا الحديث، فقد

قال الذهبي في الميزان: كذبه ابن مهدي وأبوزرعة، وقال البخاري: ذهب حديثه، وقال أحمد: لم يكن بشيء، انتهى .

وذكر الجمال المِزّي في تهذيب الكمال، والحافظ ابن حجر في تهذيب التهذيب كلام الحفاظ فيه وجرحهم إياه، وقال الحافظ صالح بن محمد المعروف بجَزَرَة: كان يضع الحديث، وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: متروك، كذبه أبوزرعة وغيره، انتهى .

فكيف يقبل حديثه هذا، وأما عبد الملک بن عبد الله بن الوليد فلم أعرفه، وكذا ذكوان ينظر من هو؟ ففى الصحابة جماعة بهذا الاسم».

[حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بسند - عبد الرحمن بن قیس زعفرانی عن عبد الملک بن عبد اللہ بن ولید عن ذکوان - یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ شمس وقمر میں دکھائی نہیں دیتا تھا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قضائے حاجت کے نشانات نظر آتے تھے، انتہیٰ۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ (سند میں موجود) عبد الرحمن بن قیس کی یہ حدیث مقبول نہیں ہے۔۔۔

اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمن بن قیس کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوالِ جرح نقل کیے، جن میں بیشتر کا کلام شدید جرح پر مشتمل ہے، عربی متن میں ملاحظہ فرمالیں، آگے حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

تو کیسے یہ حدیث قبول کرلی جائے، نیز (سند میں موجود) عبد الملک بن عبد اللہ

بن ولید کو میں نہیں پہچانتا، اسی طرح (سند میں موجود) ذکوان کو بھی دیکھ لیا جائے، کیونکہ صحابہ میں اس نام کی ایک جماعت ہے]

بعض حضرات ایک دوسری حدیث نقل کرتے ہیں:

«قال القاضي عِيَاض (ص: ٣٠٦): ذكر أنه لا ظل شخصه في شمس ولا قمر لأنه كان نورا . قال الخَفَاجِي (ص:٣/٢٨٢): هذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظل، ولم يكن مع شمس إلا غلب ضوئه ضوئها، ولا مع سراج إلا غلب ضوئه ضوئه، انتهى».

[قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کا سایہ نہ سورج میں دکھائی دیتا تھا نہ چاند میں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ خَفَاجی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ صاحبِ "وفاء" نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورج (کی روشنی) میں ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب رہتی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چراغ (کی روشنی) میں ہوتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب رہتی]

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اس حدیث کی کوئی سند نہ تو خَفَاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی اور نہ ہی ہمیں اور کہیں اس کی سند ملی، ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بھی من جملہ روایاتِ ضعیفہ کے ایک روایت ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص" میں اس روایت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص میں روایات کے سلسلے میں بہت ہی تساہل سے کام لیا ہے، کہ اگر یہ کہا جائے کہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات ایسی ہیں جو تحقیق کے بعد کھری ثابت نہ

ہوں گی تو بیجا نہ ہوگا، اب ہم ایسی روایات پیش کریں گے جس سے ان شاء اللہ یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ قدِ انور کے لئے عام انسانوں کی طرح سایہ تھا، اور اس میں عقلی طور پر بھی کوئی استغراب واستعجاب نہیں ہے، اس لئے کہ آپ بشر تھے اور نہ ہی سایہ ہونا شان نبوت کے منافی ہے، جیسے دیگر لوازماتِ بشریت، منافی مقام نبوت نہیں ہیں:

❶ قال الإمام أحمد (ص: ١/٢٩٤، رقم الحديث ٢٥٠٥٥) وابن سعد (ص:٨/١٢٦) حدثنا عفان، حدثنا حماد، عن ثابت، عن شُمَيْسَة، عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في سفر له، فاعتلّ بعير لصفية رضي الله عنها، وفي إبل زينب رضي الله عنها فضل فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن بعيرا اعتلّ، فلو أعطيتها بعيرا من إبلك؟ فقالت: أنا أعطي تلك اليهودية؟ قال: فتركها رسول الله صلى الله عليه وسلم ذا الحجة والمحرم، شهرين أو ثلاثة لا يأتيها، قالت: حتى يئست منه وحولت سريري، قالت: فبينما أنا يوما بنصف النهار، اذا أنا بظل رسول الله صلى الله عليه وسلم مقبل. زاد أحمد، قال عفان: حدثنيه حماد، عن شميسة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، سمعتُه بعدُ يحدثه عن شميسة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي صلى الله عليه وسلم وقال: بعدُ في حج أو عمرة، قال: ولا أظنه قال: في حجة الوداع، [وفي نسختنا: ولا أظنه إلا قال: في حجة الوداع] انتهى .

وخرجه في موضع آخر (ص:٦/٢٦١) قال: حدثنا يونس، حدثنا، حماد يعني ابن سلمة، عن ثابت، عن شُمَيْسَة، عن عائشة رضي الله عنها إن بعيرا لصفية رضي الله عنها اعتلّ، وعند زينب رضي الله عنها فضل ظهر من الإبل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لزينب رضي الله عنها: إن بعير صفية رضي الله عنها قد اعتلّ، فلو أنك

أعطيتها بعيرا؟ قالت: أنا أعطي تلك اليهودية؟ فتركها فغضب رسول الله ﷺ شهرين أو ثلاثا حتى رفعت سريرها وظنت أنه لا يرضى عنها، قالت: فإذا أنا بظله يوما بنصف النهار، فدخل رسول الله ﷺ فأعادت سريرها.

ورجال الإسنادين ثقات، أما عفان فهو ابن مسلم من رجال الستة، ثقة ثبت، وأما حماد بن سلمة فهو من الثقات الأعلام، أثبت الناس في ثابت، و أما ثابت فهو ثقة ثبت من رجال الستة، ثم اعلم أن هذه السلسلة أعني: عفان، عن حماد، عن ثابت أخرج بها مسلم في صحيحه أحاديث (ص:١/١٠٥، ص: ١/١٠٤، ص: ١/١٠٥).

وأما يونس فهو يونس بن بكير بن وصل الشيباني أحد الأعلام وأئمة الأثر، صدوق وقد يخطئ، روى له الترمذي وأبو داود و النسائي وابن ماجه، قال الذهبي: وقد أخرج مسلم ليونس في الشواهد لا الأصول، وكذالك ذكره البخاري مستشهدا به وهو حسن الحديث، مات ستة [كذا في الأصل، والصحيح سنة] تسع وتسعين ومائة، انتهى.

وأما شميسة فهي شُمَيْسَة بالتصغير بنت عزيز العتكية البصرية، مقبولة من الثالثة كذا في التقريب، قال الذهبي في الميزان: وما علمت في النساء من اتهمت ولا من تركوها انتهى، فلذا قال الحافظ ابن حجر: إنها مقبولة. فالإسناد إذَنْ حسن .

وهذا الحديث أخرجه الطَبَرَانِي في الأوسط(ص:٣/٢٩٠) كما في مجمع الزوائد(ص:٤/٣٢٢) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ

في سفر ونحن معه فاعتلّ بعير لصفية رضي الله عنها، وكان مع زينب رضي الله عنها فضل فقال لها رسول الله ﷺ: إن بعير صفية رضي الله عنها قد اعتلّ، فلو أعطيتها بعيرا لك؟ قالت: أنا أعطي هذه اليهودية؟ فغضب رسول الله ﷺ وهجرها ذا الحجة ومحرم وصفر وأياما من ربيع الأول حتى رفعت متاعها وسريرها، وظنت أنه لا حاجة له فيها، فبينا هي ذات يوم قاعدة بنصف النهار، إذا رأت ظله قد أقبل، فأعادت سريرها ومتاعها، قال الهيثمي: رواه الطَبَرَانِي في الأوسط، وفيه سمية، روى لها أبو داود وغيره ولم يجرحها أحد، وبقية رجاله ثقات.

❷ قال الإمام أحمد(ص:١/٢٩٤ رقم الحديث٢٥٠٥٥) حدثنا عبد الرزاق، قال حدثنا جعفر بن سليمان، عن ثابت، شُمَيْسَة أو سُمَيْنَة، قال عبد الرزاق هو في كتابي سُمَيَّة، عن صفية رضي الله عنها بنت حُيَيّ أن النبي ﷺ حج بنسائه، فلما كان في بعض الطريق نزل رجل فساق بهن فأسرع، فقال النبي ﷺ: كذاك سوقك بالقوارير يعني النساء، فبيناهم يسيرون، بَرَكَ بصفية بنت حُيَيّ جملُها، وكانت من أحسنهن ظهرا، فبكت وجاء رسول الله ﷺ حين أخبر بذلك، فجعل يمسح دموعها بيده وجعلت تزداد بكاء وهو ينهاها، فلما أكثرت، زبرها وانتهرها، وأمر الناس بالنزول، فنزلوا ولم يكن يريد أن ينزل، قالت: فنزلوا و كان يومي، فلما نزلوا ضُرِبَ خِباء النبي ﷺ ودخل فيه، قالت: فلم أدر على ما أَهْجَمُ من رسول الله ﷺ؟ وخشيت أن يكون في نفسه شيء مني، فانطلقت إلى عائشة فقلت لها: تعلمين أني لم أكن أبيع يومي من رسول الله ﷺ بشيء أبدا، وإني قد هبت

يومي لك على أن تُرضي رسول الله ﷺ عني، قالت: نعم، قال: فاخذت عائشة ﵂ خمارا لها قد ثَرَدَتْه بزعفران، فرشَّتْه بالماء ليذكّي ريحه ثم لبست أثوابها، ثم انطلقت إلى رسول الله ﷺ فرفعت طرف الخِباء، فقال لها: ما لك يا عائشة ﵂! إن هذا ليس بيومك، قالت: ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء، فقال مع أهله، فلما كان عند الرواح قال لزينب بنت جحش: يا زينب! أفقري اختك صفية جملا وكانت من أكثرهن ظهرا، فقالت: أنا أفقِر يهوديتك؟ فغضب النبي ﷺ حين سمع ذلك منها، فلم يكلمها حتى قدم مكة وأيام منى في سفره حتى رجع إلى المدينة، والمحرم وصفر، فلم يأتها ولم يقسم لها ويئست منه، فلما كان في شهر ربيع الأول دخل عليها، فرأت ظله، فقالت: إن هذا لظل رجل، ما يدخل عليَّ النبي ﷺ، فمن هذا؟ فدخل النبي ﷺ، فلما رأته قالت: يا رسول الله ! ما أدري ما أصنع حين دخلتَ عليّ، قالت: وكانت لها جارية وكانت تخبؤها من النبي ﷺ، فقالت: فلانة لك، فمشى النبي ﷺ إلى سرير زينب وكان قد رفع، فوضعه بيده ثم أصاب أهله ورضي عنهم. رجال الإسناد ثقات، وشُمَيْسَة وكذا سميسة قد ذكرنا في الحديث الذي قبله.

وأما سمنية [كذا في الأصل، ولعل الصحيح: سُمَيْنَة، كما مر في السند] فالظاهر أنها هي سُمَيَّة، وجعفر بن سليمان، عن ثابت أخرج مسلم، عن هذه الترجمة (ص:١٨٨) .

❸ قال عبد الله بن وهب: أنبأنا معاوية بن الصالح، عن عيسى بن عاصم، عن زِر بن حُبَيْش، عن أنس بن مالك ﵁ قال:

صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم صلوة الصبح، ثم مد يده ثم أخّرها، فلما سلم قيل له: يا رسول الله! لقد صنعت في صلوتك شيئا لم تصنعه في غيرها، قال: إني رأيت الجنة، فرأيت حبّها دالية [كذا في الأصل، وفي نسختنا: فيها دالية]، قطوفها دانية، حبّها كالدُباء، فاردت أن أتناول منها فأوحى إلي أن أستأخر فاستأخرت، ثم رأيت النار فيما بيني وبينكم حتى لقد رأيت ظلي وظلكم، فأومات إليكم أن استأخروا، فأوحى إليّ أقِرّهم، فإنك أسلمت وأسلموا وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا، فلم أر لي عليكم فضلا إلا بالنبوة. كذا في حادي الأرواح للحافظ ابن القيم .

والحديث أخرجه الحكيم الترمذي في نوادر الأصول (ص:١٦٨) وابن خزيمة في صحيحه (ص:٢/٥١) والحاكم في المستدرك (ص: ٤/٤٥٦) والضياء في المختارة(ص:٧/١٣٨) من طريق بن وهب س [كذا في الأصل] صححوه، وهذا الإسناد حسن صحيح .

وابن وهب ثقة إمام، ومعاوية بن صالح الحمصي قاضي الأندلس، روى له مسلم والأربعة والطحاوي، وثقه أحمد وابن مهدي والعجلي والنسائي وأبوزرعة وابن سعد وغيرهم، وقد ينفرد بأشياء، وقال: ابن مَعِيْن: ثقة، وقال: مرة صالح، وقال: مرة ليس بمرضي، وقال يحي القطان: ماكنا نأخذ عنه، وقال ابن خراش: صدوق، وقال ابن عدي: له حديث صالح وما أرى بحديثه بأسا، وهو عندي صدوق إلا أنه يقع في حديثه أفرادات .

وأما عيسى بن عاصم الأسدي الكوفي، فأخرج له أبو داود

والترمذي وابن ماجه والبخاري في الأدب، قال أبو طالب: عن أحمد ثقة، وقال: أبو حاتم: صالح، وقال: النسائي: ثقة، وذكره ابن حِبَّان في الثقات، وقال الحاكم: كوفي ثقة، ووقع في النسخة المطبوعة من أعلام الموقعين: عيسى عن عاصم، وهو غلط .

وأما زِر بن حُبَيْش، فهو ثقة ثبت من رجال الستة".

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب وار "سایۂ رسول ﷺ" پر مشتمل تین روایتیں نقل کی ہیں:

❶ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے، دورانِ سفر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہوگیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زائد اونٹ تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: صفیہ کا اونٹ بیمار ہوگیا ہے، اگر تم اپنا ایک اونٹ انہیں دے دو، انہوں نے کہا: میں اس یہودیہ کو اونٹ دوں؟ اس بات پر نبی اکرم ﷺ نے انہیں ذی الحجہ، محرم، دوماہ یا تین ماہ چھوڑے رکھا، ان کے پاس نہیں گئے، وہ خود فرماتی ہیں: بالآخر میں ناامید ہوگئی اور اپنی چارپائی کی جگہ بدل لی، اچانک ایک دن نصفِ نہار کے وقت نبی اکرم ﷺ کا سایہ مجھے سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا (یعنی آپ ﷺ مجھ سے راضی ہوگئے)"۔

حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سند کے راویوں اور نفسِ روایت پر تفصیلی کلام کیا ہے، جس سے روایت کا قوی وحجت ہونا معلوم ہوتا ہے، عربی متن میں ملاحظہ فرمالیں۔

❷ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک جگہ ایک سوار نے اتر کر ازواج کی سواریوں کو تیز

تیز چلانا شروع کر دیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اونٹوں کو ایسے چلاؤ) جیسا کہ تم کانچ کی شیشیاں چلا رہے ہو، آپ ﷺ کی مراد (کانچ کی شیشوں سے) عورتیں تھیں (یعنی سواریوں کو نرمی سے چلاؤ، تاکہ عورتوں کو پریشانی نہ ہو)۔

چلتے چلتے اچانک حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیٹھ گیا، اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری سب ازواج سے زیادہ خوبصورت تھی، آپ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور اپنے ہاتھوں سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کو پونچھا، لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا رونا اور بڑھ گیا، آپ ﷺ نے اس سے منع کیا، جب آپ رضی اللہ عنہا نے زیادہ ہی رونا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹا، اور لوگوں کو یہیں پڑاؤ کا حکم دیا، حالانکہ آپ ﷺ کا یہاں پڑاؤ کا ارادہ نہ تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہیں پڑاؤ کر لیا، وہ دن میری باری کا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اترے اور آپ ﷺ کے لئے خیمہ لگایا، آپ ﷺ اس میں تشریف لے گئے، آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (میں سوچنے لگیں) معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کی جانب سے مجھے کیا پیش آئے؟ مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ ﷺ کے جی میں میرے بارے میں کچھ (خفگی وغیرہ) ہو، (یہ سوچ کر) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہا کہ آپ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہے کہ میں نے کسی بھی قیمت پر اپنی باری کسی دوسری بیوی کو کبھی نہیں دی، البتہ میں آج آپ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری اس شرط پر دیتی ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہا، اللہ کے رسول کو مجھ سے راضی کر دیجئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی زعفران میں بھگوئی ہوئی اوڑھنی لی اور اس پر پانی چھڑکا، تاکہ اس کی خوشبو مہکے، اور لباس تبدیل فرما کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، جب خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا، اے عائشہ! یہ کیا؟ آج تمہاری باری نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطاء فرماتا

ہے، آپ ﷺ اپنے اہل کے ساتھ رہے، جب کوچ کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا، اے زینب! تم ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہا کو عاریتاً دے دو، حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج کے مقابلے میں زیادہ اونٹ والی تھی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: میں آپ ﷺ کی یہودیہ کو اونٹ عاریتاً دے دوں؟ آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر غصہ ہوگئے۔

آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہ سے بات چیت چھوڑ دی، یہاں تک کہ مکہ تشریف لے آئے، اور سفر میں ایام منی بھی گذر گئے، مدینہ بھی واپس تشریف لے آئے، غرض یہ کہ محرم وصفر تک آپ ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں آئے، اور نہ ان کے لئے باری تقسیم فرمائی، (بالآخر) حضرت زینب رضی اللہ عنہ مایوس ہوگئیں، جب ماہ ربیع الاول آیا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے سایہ کو دیکھا تو سوچنے لگی کہ یہ تو کسی مرد کا سایہ ہے، نبی ﷺ تو (آج کل) تشریف نہیں لارہے، آخر یہ کون ہے؟ (دیکھا کہ) آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو دیکھا تو عرض کی، یارسول اللہ! میں سمجھ نہیں پارہی کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری (کی خوشی میں) میں کیا کروں؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی ایک باندی تھی جسے انہوں نے آپ ﷺ سے مخفی رکھا تھا، آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ فلانی (باندی) آپ ﷺ کی ہوگئی، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لے گئے اور زینب کی چارپائی کو۔ جو منتقل کردی گئی تھی - اپنے دستِ مبارک سے لاکر رکھ دیا، پھر اپنے گھر والوں سے ملے اور ان سے خوش ہوگئے۔

اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی تقویتی پہلوؤں کو ذکر کیاہے، متن میں ملاحظہ فرمائیں۔

③ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازِ فجر پڑھائی، (نماز میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا پھر پیچھے کر لیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! جس طرح آج کی اس نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور نماز میں نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنت کو دیکھا جس میں انگور کی بیل دیکھی، جس کے خوشے جھکے ہوئے تھے، میں نے خوشے سے انگور توڑنے چاہے تو مجھے پیچھے ہٹنے کو کہا گیا، میں پیچھے ہٹ گیا، پھر میں نے اپنے اور تمہارے درمیان جہنم کو دیکھا، حتیٰ کہ میں نے اپنے اور تمہارے سایہ کو بھی دیکھا، (اس لیے) پھر میں نے تمھیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا تھا، (لیکن) مجھے کہا گیا آپ انہیں (اپنی جگہ) رہنے دیں، کیونکہ آپ نے بھی اسلام قبول کیا، انہوں نے بھی، آپ نے بھی ہجرت کی ہے انہوں نے بھی، آپ نے بھی جہاد کیا ہے انہوں نے بھی، سو میں یہی سمجھا کہ میری تم پر فضیلت صرف نبوت کی ہے۔

اس روایت کے بعد بھی حسبِ سابق حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے حجت ہونے کو ذکر کیا ہے، متن میں ملاحظہ فرمائیں]

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہ احادیثِ ثلثہ یعنی حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حدیث ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وحدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اسانیدِ معتبرہ حسنہ سے مروی ہیں، جیسا کہ تفصیلی تحقیق سے معلوم ہو چکا، اور ہر ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کے لئے سایہ وظل ہونا مذکور ہے، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان «رأيت ظلّي وظلّكم» [میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا] صاف وارد ہوا ہے، پھر اس کے خلاف کی کیا گنجائش باقی

رہتی ہے، اور ہر کسی کو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ اثباتِ ظل منافی مقام نبوت ہے۔

اگر یہ بات ہوتی تو خود اللہ تعالیٰ اس کا ضمان لیتے اور صاف فرماتے کہ ہمارے رسول کے قد انور کا سایہ نہیں ہے، نیز اگر جسدِ انور کا سایہ نہ ہوتا تو جس طرح اور شمائل نبویہ بیان کئے جاتے ہیں اور روایاتِ صحیحہ معتبرہ میں وارد ہوئے ہیں اس کا بھی ذکر ہوتا، بلکہ یہ تو خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ قابل اہتمام ہوتا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے شق قمر [چاند شق ہونا]، نبع ماء[پانی کا پھوٹنا]، تسلیم حجر [جمادات کا آپ ﷺ پر سلام] وغیرہ ذکر فرماتے ہیں اسے بھی ذکر فرماتے، خاتَم نبوت [مہرِ نبوت] کا تذکرہ جس طرح احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے، اس کا تذکرہ بھی ہوتا، حالانکہ تحقیقی طور پر ایک روایت بھی نفی ظلِ نبوی میں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے، اصل فضائل وہ ہیں جو احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوئے ہیں، ان کمالات واوصاف کے لئے ”شمائلِ ترمذی“ وغیرہ دیکھی جائے، واللہ اعلم بالصواب[1]۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: حضور ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں؟ ۱/۶۳ - ۷۰۔

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ”الآثار المرفوعۃ“(ص:۴۴) میں مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وقد اشتهر بين القصاص حديث: أول ما خلق الله نوري، وهو حديث لم يثبت بهذا المبنى وإن ورد غيره موافقاً له في المعنى....“. قصہ گو میں یہ حدیث مشہور ہے: اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا ہے، حالانکہ یہ روایت اس بنیاد (ان الفاظ) سے ثابت نہیں ہے، اگرچہ اس کے ہم معنی دوسری روایت منقول (ثابت) ہے۔۔۔“۔

حضرت لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام ”اس کے ہم معنی دوسری روایت منقول (ثابت) ہے“ سے مراد یہ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ سے ثابت نہیں ہے، البتہ اس کی ہم معنی دیگر روایات منقول ہیں، جن میں آپ ﷺ کی

ایک دوسرے انداز سے

سُوال: «قال رسول الله ﷺ: أول ما خلق الله نوري». [آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا ہے] یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: یہ حدیث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقاۃ شرح مشکوۃ" میں (ص: ۱/۱۴۰)، اور شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے - جیسا کہ علامہ زَبِیدِی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف" (ص:۱/۴۵۳) میں نقل کیا ہے - بے سند نقل کی ہے، لیکن کتبِ حدیث میں ہماری معلومات میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، علامہ قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب لَدُنّیَہ" میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ مضمون وارد ہے، فرماتے ہیں:

«روى عبد الرزاق بسنده عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قلت: يا رسول الله! بأبي أنت وأمي، أخبرني عن أول شيء خلقه الله تعالى قبل الأشياء، قال: يا جابر! إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله، ولم

"اولیت" ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ سے ثابت ہے، مثلاً: چند سطر آگے علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ہی لکھتے ہیں: "نعم ثبت .... متى كنت نبيا؟ قال: و آدم بين الروح والجسد". البتہ یہ ثابت ہے .... آپ ﷺ نے فرمایا: میں نبی تھا در حالیکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

فائدہ: علامہ عبد اللہ بن صدیق غماری رحمۃ اللہ علیہ نے "المرشد الحائر لبیان وضع حدیث جابر" (ص:۹) میں اس روایت کو من گھڑت، بے اصل کہا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ روایت امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کی کسی تصنیف میں نہیں ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: "غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ"، حصہ دوم، ص:۱۵۳۔

يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا شمس ولا قمر ولا جني ولا إنسي، فلما أراد الله أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة أجزاء: فخلق من الجزء الأول القلم، ومن الثاني اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول حملة العرش، ومن الثاني الكرسي، ومن الثالث باقي الملائكة، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول السماوات، ومن الثاني الأرضين، ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع أربعة أجزاء: فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين، ومن الثاني نور قلوبهم، ومن الثالث نور انسهم، لاإله إلا الله محمد رسول الله» الحديث، انتهى. [اس کا ترجمہ گذر چکا ہے]

اتنی ہی حدیث قَسْطَلَّانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے اور اس کے شارح علامہ زَرْقَانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے، یعنی حدیث مکمل نہیں کی اور نہ ہی اس کی سند کے متعلق کچھ لکھا ہے۔

الفاظ کی ترتیب سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے، شیخ عبد الفتاح ابو غدہ الحلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”التعليقات الحافلة على الأجوبة الفاضلة“ (ص:۱۲۹) میں اپنے شیخ علامہ احمد بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ”المغير على الأحاديث الموضوعة في الجامع الصغير“ کے مقدمہ میں اس کے وضع کا حکم لگایا ہے، فرماتے ہیں: «وهوحديث موضوع، تقع في ورقتين بالقطع الكبير، مشتملة على ألفاظ ركيكة ومعاني منكرة». [یہ موضوع حدیث ہے، جو دو بڑے صفحوں

پر آتی ہے، (یہ حدیث) رکیک الفاظ اور منکر معانی پر مشتمل ہے]

اور دوسری روایاتِ معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوقات دوسری اشیاء ہیں: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ۔ ”مسند احمد“ و ”ترمذی“ وغیرہ میں ۔ «إن أول ماخلق الله القلم» [اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا] وارد ہوا ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریر طَبری رحمۃ اللہ علیہ، ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اسی روایت کی بناپر ”أول المخلوقات“ قلم کو مانتے ہیں۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ عرش، قلم سے بھی پہلے پیدا کیا گیا، حافظ ابو العلاء الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول جمہور سے نقل کیا ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”صحیحین“ میں «كان الله ولم يكن شيء غيره، وكان عرشه على الماء» [اللہ تھے، اس کے سوا کچھ نہ تھا، اور اس کا عرش پانی پر تھا] - وارد ہے، اور ”مسند احمد“ و ”ترمذی“ اور ”ابن ماجہ“ کی ایک روایت میں «خلق عرشه على الماء» [اللہ نے پانی پر اپنا عرش پیدا کیا] وارد ہے، اس کی بناء پر ایک جماعت کہتی ہے کہ پانی سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

بہر حال قدماء محدثین میں سے ابن جریر طَبِری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اور ان کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (ص:١/١٠٠)، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (ص: ١/٨) اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (ص:١/٩٨) وغیرہ نے «أول المخلوقات» کے متعلق علماء کے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں، لیکن کسی نے بھی اس حدیث سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء میں سب سے مقدم ہیں، اگر چہ بعثت میں سب سے مؤخر ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

«كنت أول النبيين في الخلق، وآخرهم في البعث. أخرجه الحسن بن سفيان وابن أبي حاتم و ابن مردويه وغيرهم كما في الدرالمنثور(ص:۱۸٤/٥)، قلت: فيه سعيد بن بشير وهو ضعيف، وقد رواه سعيد بن أبي عروبة عن قتادة مرسلا وهو أشبه، قاله ابن كثير (ص:٤٦٩/٣)، قلت: هذا المرسل أخرجه ابن جرير الطَبَرِي كما في الدر المنثور».[1]

[میں پیدائش میں انبیاء میں سب سے مقدم ہوں، اور لوگوں کی طرف بھیجے جانے میں سب سے آخری نبی ہوں۔ اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے مصادر اور اس پر ائمہ کا کلام نقل کیا ہے]

نئے فوائد کے ساتھ

سوال: «أول ماخلق الله نوري». [سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے] کیا حدیث ہے؟

جواب: اور حدیث «أول ماخلق الله نوري». [سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے] کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ہے، قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مواہب لَدُنّیَہ“ میں ایک حدیث بحوالہ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا، کی تحقیق، ۲۰۸/۲، ۲۰۶۔

سے نقل کی ہے جس میں ”یا جابر! أول ماخلق اللہ نور نبیك“ [اے جابر! اللہ نے سب سے پہلے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا ہے]ہے، اس کی سند باوجود تتبع بلیغ کے نہیں ملی، الفاظ کی بندش یہ بتاتی ہے کہ موضوع ہے، قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد پر بہت سے لوگ نقل کرتے ہیں، لیکن قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ ناقدین حدیث میں نہیں ہیں، اور اگر بالفرض ہوتے تو بھی دوسروں کے اختلاف کی گنجائش ہوتی[1]۔

ایک دوسرے انداز سے

”حدیث:

«أول ما خلق الله نوري».

«هذا حديث مشهور على ألسنة العوام، يذكره القُصَّاص والوُعَّاظ، وقد ذكره علي القاري في المرقاة، ولم يذكر من خرجه.

وذكر القَسْطَلَّانِي فى المواهب حديث جابر بن عبد الله قال: قلت يا رسول الله! بأبي أنت وأمي، أخبرني عن أول شيء خلقه الله تعالى قبل الأشياء، قال: يا جابر! إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيك ﷺ من نوره، فذكر حديثا طويلا وعزاه لعبد الرزاق، ورِكَّة لفظه تدل على أنه موضوع، و إن سلمه القَسْطَلَّانِي و الزَرْقَانِي، وذهبا يؤلان [كذا في الأصل] ما ورد في الأخبار الأخر في أشياء أخرى أنها أول المخلوقات.

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: أول ماخلق اللہ نوری کیا حدیث ہے، ۲/ ۴۱۲، ۴۱۱۔

وذكر في العَرْف الشذي أن حديث أولية النور أرجح من حديث: أول ما خلق الله القلم، الذي خرّجه الترمذي وغيره وهو من غير مسلم [كذا في الأصل]، وقد كنت أتقاعد عن حكم الوضع حتى وقفت على التعليقات الحافلة للشيخ عبد الفتاح، فقد صرح فيها بكون الحديث موضوعا، والعلم عند الله». [1]

نئے اسلوب سے

”**سُؤال:** مجھ کو آپ نہیں جانتے، لیکن مجھ کو ایک ثقہ راوی کی معرفت معلوم ہے کہ آپ شیخ الحدیث نہیں بلکہ ابو الحدیث ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا یہاں بدعتیوں کے مکتب پر مبارک پور کے شیخ الحدیث عبد العزیز صاحب کی تشریف آوری ہوئی، دورانِ میلاد فرماگئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، میں نے ثبوت طلب کیا تو ڈیڑھ دو ماہ کے بعد خط آیا کہ ”شفاء قاضی عِیَاض“ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، یہ الفاظ انہیں کی تحریر کے ہیں، اب میرے لئے بڑی مشکل ہے کہ وہ کتاب میں نے پڑھی نہیں ہے، نہ ہی وہ حدیث میری نظر سے گذری ہے، میں اس کی نوعیت کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکتا ہوں، اب یہاں آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے برائے کرم اس سلسلے میں آپ جو میری مدد کرسکتے ہوں دریغ نہ کریں۔

جَوَاب: ابھی ابھی آپ کا کارڈ ملا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ قدِ اقدس کا سایہ نہ تھا، اور واقعی قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ نے ”شفا“

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: الصلوة معراج المؤمن، الخ، ۶۲/۲ - ۶۶۔

میں لکھا ہے کہ: «ذكر أن رسول الله لايرى ظلّ شخصه في شمس ولا قمر، لأنه كان نورا». [مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ شمس وقمر میں دکھائی نہ دیتا تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے] **ملا علی قاری** رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: «نقله الحلبي عن ابن سبع، وقال الخَفَاجي: رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ». [حلبی نے اسے ابن سبع سے نقل کیا ہے، اور خفَاجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے کہ صاحبِ وفاء نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے] لیکن کسی نے اس کی سند نقل نہیں کی اور سند ہی پر دارو مدار ہے، محض کسی عالم کا اس قسم کی بات کا بے سند نقل کرنا جس کا تعلق نقل وروایت سے ہو کافی نہیں ہے، جب تک کہ سند نہ ذکر کی جائے۔

"مسند احمد" جس کا درجہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں ابوداؤد کے برابر بلکہ افضل ہے، اس میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل ہے، اس میں قد انور کے سایہ کا ذکر ہے: "قال(ص:٦/٦١): حدثنا يونس، ثنا حماد، عن ثابت، عن شُمَيْسَة، عن عائشة أن بعيرا لصفية اعتلّ، وعند زينب فضل ظهر من الإبل، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لزينب: إن بعير صفية اعتلّ، فلو أنک أعطيتها بعيرا، قالت: أنا أعطي تلك اليهودية؟ فتركها فغضب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بشهرين أو ثلثا حتى رفعت سريرها، وظنت أنه لا يرضى عنها، قالت: فإذا أنا بظله يوما بنصف النهار فدخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فأعادت سريرها". [ترجمہ گذر چکا ہے] بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس حدیث کے رجال معروف ہیں، شُمَیْسَہ کے بارے میں حافظ نے کہا ہے: مقبولة. اس لئے اگر کہا جائے کہ یہ سند حسن ہے تو بجا ہوگا[1]۔

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ، ١/٢٩٨۔

نئے طرز پر

"**سوال**: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا؟

بعد سلام مسنون مودبانہ گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب بحوالہ تحریر فرمائیں۔

ہمارے گاؤں میں ایک بریلوی عالم نے تقریر کی، اور اس نے درمیان تقریر یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو [كذا في الأصل] سایہ نہیں تھا، اور اس کے استدلال میں اس نے ایک حدیث پیش کی، اور اس نے کہا کہ یہ حدیث "صحیحین" میں موجود ہے، اور اس نے اس حدیث کو مستدل بنایا اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں ہیں، اور مزید اس نے یہ کہا کہ ہر جسم والی چیز کا خاصہ ہے کہ اس کو سایہ ہو اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسم والے تھے تو آپ کا سایہ ہونا ضروری ہے، اور مقرر کی استدلال کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہیں تھا، کیا یہ حدیث صحیحین یا دوسری حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ حدیث کیسی ہے؟ اور محدثین کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں اور اس کے بارے میں محدثین کی رائے اظہار فرمائیں۔

جواب: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی حدیث صحاح ستہ اور مسانیدِ مشہورہ و "مصنف ابن ابی شیبہ" و "مصنف عبد الرزاق" اور دیگر کتب مشہورہ میں نہیں ہے، قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بعض ایسی روایتیں لکھی ہیں لیکن وہ ساری معلول اور غیر معتبر ہیں، "مسند احمد" میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی روایت موجود ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: «فبينما أنا يوما بنصف

النهار، وإذا أنا بظل رسول الله ﷺ مقبل». مسند أحمد (ص:٦/١٣١) [ایک دن اچانک نصفِ نہار کے وقت آپ ﷺ کا سایہ آتا ہوا دکھائی دیا]“[1]۔

ایک نئے انداز پر

”**سوال:** کیا سرورِ کائنات ﷺ کا سایہ پڑتا تھا؟ والسلام!

جواب: قدِ انور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی روایات غیر مستند ہیں، اگرچہ انہیں قاضی عِیَاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ (ص:۱۳۱/۶) پر بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا قول منقول ہے: «فبينما أنا يوما بنصف النهار إذا أنا بظل رسول الله ﷺ مقبل». [ایک دن نصفِ نہار میں اچانک رسول اللہ ﷺ کا سایہ آتے ہوئے دکھائی دیا] ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے «حادي الأرواح» میں ایک روایت نقل کی ہے اس میں حضور پاک ﷺ کا ارشاد «حتى رأيت ظلي وظلكم» [حتیٰ کہ میں نے اپنے اور تمہارے سایہ کو دیکھا] وارد ہے اور اس کے رجال مستند ہیں، درجۂ حسن کی حدیث ہے[2]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: کیا حضور ﷺ کا سایہ تھا، ۲/ ۳۷۳، ۳۷۴۔

[2] الیواقیت الغالیۃ: سرور کائنات ﷺ کا سایہ، ۲/۲۴۶۔

۴ - جزء روایت

«لولاك لما خلقت الأفلاك».

یہ لفظ کہیں ثابت نہیں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی روایت اس مضمون کی ثابت نہیں ہے۔

”**سؤال**: ایک مسئلہ دریافت [كذا في الأصل] ہے کہ میں نے ایک جید عالم سے سنا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب یہ دعا کی کہ اے اللہ! تو میری خطا کو اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بخش دے، دعا قبول ہوگئی، اللہ جل جلالہ نے فرمایا تم ان کا نام کیسے جانتے ہو؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب میرے اندر روح پھونکی گئی تو لوح محفوظ میں ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا دیکھا۔

میں نے تقریر میں اسے بیان کیا تو ایک اہل حدیث نے انکار کیا کہ یہ حدیث نہیں ہے، اس کا حوالہ کہاں ہے؟ احقر محمد عبد القیوم مظاہری، آمد خط بر حضرت شیخ مدظلہ۔

بندہ تو مراجعتِ کتب سے معذور ہے، آپ کا خط اپنے مدرسہ کے موجودہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں بھیج رہا ہوں، وہ جواب لکھ کر روانہ کریں گے۔ حضرت شیخ (محمد زکریا) مدظلہ۔

جواب: حدیث مذکور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”كفاية اللبيب“ (ص:۱/۶) میں لکھی ہے، فرماتے ہیں:

«أخرج الحاكم(ص:۲/۶۱۵) والبيهقي والطَبَرَانِي في الصغير

(ص:۲/۸۳) وأبو نعيم وابن عساكر عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب ! بحق محمد لما غفرت لي، قال: وكيف عرفت محمدا؟ قال لأنك لما خلقتني بيدك ونفخت في من روحك رفعت رأسي، فرأيت على قوائم العرش مكتوبا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، قال: صدقت يا آدم! لولا محمد ما خلقتك اھ» .

[(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے) حاکم رحمۃ اللہ علیہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”صغیر“ میں، ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام سے خطاء صادر ہوگئی تو عرض کیا، اے پروردگار! بحق محمد، میری بخشش فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ آپ، محمد کو کیسے جانتے ہیں؟ آدم علیہ السلام نے کہا: جب آپ نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح میں سے پھونکا تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا، نظر آیا کہ پایائے عرش پر لکھا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، میں جان گیا کہ آپ نے اپنی محبوب ترین مخلوق کا نام ہی اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا، اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا، اھ]

اس کے بعد یہ حدیث ”معجم صغیر للطبرانی“ میں مع السند والمتن ملی، ولفظه(ص:۲۰۶) (ص:۲/۸۲):

«حدثنا محمد بن داود بن أسلم الصَدَفِي المصري، ثنا أحمد بن سعيد المدني الفِهْرِي، ثنا عبد الله بن إسماعيل المدني، عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن جده، عن عمر بن

الخطاب ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: لما أذنب آدم الذنب الذي أذنبه رفع رأسه إلى العرش، فقال: أسئلك بحق محمد إلا غفرت لي، فأوحى الله إليه: ما محمد؟ ومن محمد؟ فقال: تبارك اسمك، لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشك، فإذا فيه مكتوب: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم عندك قدرا ممن جعلت اسمه مع اسمك، فأوحى الله عزوجل إليه: يا آدم! إنه آخر النبيين من ذريتك، وإن أمته آخر الأمم من ذريتك، ولولاه يا آدم! ما خلقتك. قال الطَبَرَانِي: لايروى إلا بهذا الإسناد، وتفرد به أحمد بن سعيد، انتهى.

وقال القَسْطَلاَّنِي في المواهب(ص:۱/٦۲، شرح): رواه البيهقي في دلائله من حديث عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، وقال: تفرد به عبد الرحمن. رواه الحاكم وصححه اهـ.

قلت: عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف، وقال الذهبي: إنه موضوع، وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم واه، وعبد الله بن مسلم لا أدري من ذا [انتهى كلام الذهبي].

وأخرجه الحاكم في المستدرك(ص:۲/۱۱٥) من طريق محمد بن إسحاق بن راهويه، قال ثنا أبو الحارث عبد الله بن مسلم الفِهْرِي، ثنا إسماعيل بن مسلمة، أنبأنا عبد الرحمن بن زيد إلى آخره. وعلم بذاك أنه وقع في إسناد الطَبَرَانِي سقط، وهو من الكاتب»[1].

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: پیارے حبیب کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا دعا کرنا، ۱/۲٦۸، ۲٦۹۔

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی "معجم صغیر" سے روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت اسی سند سے مروی ہے، جس میں احمد بن سعید (نقلِ روایت میں) متفرد ہے، انتہیٰ۔

قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مواہب" میں لکھا ہے: بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "دلائل" میں یہ روایت عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی سند سے تخریج کی ہے، (قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے (نقلِ روایت کے بعد) فرمایا کہ (اس روایت کو نقل کرنے میں) عبد الرحمن متفرد ہے، (علامہ قَسطَلّانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تخریج کر کے صحیح کہا ہے۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم ضعیف راوی ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے: یہ موضوع ہے، اور عبد الرحمن بن اسلم واہی ہے، اور (سند میں موجود راوی) عبد اللہ بن مسلم معلوم نہیں کون ہے؟

اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی سند میں موجود کاتب کی ایک غلطی کی طرف اشارہ فرمایا ہے]۔

سابقہ روایت مزید فوائد کے ساتھ

"**سُؤَال**: ایک تکلیف آپ کو دے رہا ہوں، "فضائل ذکر" مؤلفہ حضرت الحاج الحافظ مولانا زکریا صاحب دام فیضہم کے مطالعہ کے دوران ایک اشکال سامنے آیا، مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں آپ سے رجوع کروں، آپ ان شاء اللہ اس اشکال کو رفع کریں گے، اسی وجہ سے میں آپ کو تکلیف

دے رہا ہوں، مجھے آپ سے قوی امید کہ آپ اس اشکال کو رفع فرما کر مجھے ایک خلجان سے نجات دیں گے اور عند اللہ ماجور ہوں گے، اشکال یہ ہے کہ:

فضائل ذکر ”فصل سوم“ حدیث نمبر ۲۸، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب وہ گناہ صادر ہو گیا جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیجے گئے تو ہر وقت روتے تھے....[كذا في الأصل] وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے،اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

«أخرجه الطَبَرَانِي في الصغير والحاكم وأبو نعيم والبيهقي كلاهما في الدلائل، وابن عساكر في الدر، وفي مجمع الزوائد: راوه الطَبَرَانِي في الأوسط والصغير، وفيه من لم أعرفهم، قلت: ويؤيد الأخر الحديث المشهور: لولاك لما خلقت الأفلاك. قال القاري في الموضوعات الكبير: موضوع، لكن معناه صحيح، وفي التشرف: معناه ثابت».

مشہور حدیث:

«لولاك لما خلقت الأفلاك». کو سب ہی نے موضوع کہا ہے، بلکہ مشہور محدث شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتاوی عزیزی“ میں تحریر فرمایا ہے کہ میں نے یہ حدیث نہیں دیکھی، یہاں تک تو درست، مگر یہ کیا

کہ حدیث تو موضوع - جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں تحریر فرمایا - مگر مضمون جو اس موضوع حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ صحیح ہے اور ثابت ہے، یہ ہے اشکال جو درپیش ہے۔

اس حدیث کے مضمون کی صحت کے اثبات میں کیا کوئی نص قطعی ہے، قرآن سے یا حدیث سے؟ اگر ہے تو ازراہِ نوازش بیان فرماکر مشکور فرمائیں، چونکہ یہ معاملہ عقائد سے متعلق ہے، اس لئے نص قرآنی یا حدیث متواتر کا حوالہ درکار ہوگا، نص قرآنی کی صورت میں متقدمین کی کسی تفسیر سے وضاحت مزید تقویت کا باعث ہوگی۔

جواب: «حديث لولاك» بلفظہ کہیں نہیں ملتی، اسی لئے حسن بن محمد صَغَانی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوع کہا ہے، لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل بن محمد عجلونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی صحیح ہیں، عجلونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «أقول: معناه صحيح وإن لم يكن حديثا». [میں کہتا ہوں کہ اگرچہ حدیث نہیں ہے، لیکن معنی صحیح ہے]اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی کی صحت کا اس لئے دعویٰ کیا ہے کہ متعدد روایتوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، بندہ کی معلومات میں یہ مضمون حضرت ابن عباس و عمر و حضرت سلمان رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں وارد ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرک" میں «فلولا محمد ماخلقت آدم ولولا محمد ماخلقت الجنة ولا النار» کے لفظ سے وارد ہے، روایت کی ہے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «هذاحديث صحيح الإسناد». [اس حدیث کی سند صحیح ہے]۔

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر نقد کیا ہے اور فرماتے ہیں: «أظنه

موضوع»۔ [میرا گمان ہے کہ یہ من گھڑت ہے] اور ”میزان الاعتدال“ میں اس روایت کے راوی عمرو بن اوس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: «يجهل حاله والخبر منكر، وأظنه موضوع»۔ [عمرو بن اوس مجہول الحال ہے، اور خبر منکر ہے، اور گمان ہے کہ یہ من گھڑت ہے] اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”لسان المیزان“ میں اس پر [یعنی حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر] کوئی نقد نہیں کیا ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”معجم صغیر“ میں اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”مستدرک“ میں اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”دلائل النبوۃ“ میں روایت کی ہے، اور اس میں «ولولا محمد ماخلقتك» کا لفظ وارد ہے، حاکم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «صحيح الإسناد»۔ [اس کی سند صحیح ہے]۔

لیکن ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: «بل موضوع»۔ [بلکہ یہ من گھڑت ہے] اور اس کے راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے متعلق لکھتے ہیں: «واهٍ»۔ یعنی بہت ضعیف ہیں، اور عبد اللہ بن اسلم فِہرِی کے متعلق فرماتے ہیں: «لا أدري من ذا؟» [نہ جانے یہ کون ہے] اور ”میزان الاعتدال“ میں لکھتے ہیں: «خبر باطل، ورواه البيهقي في دلائل النبوة»۔ [یہ باطل خبر ہے، اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دلائل النبوۃ میں تخریج کیا ہے] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”لسان المیزان“ میں ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل فرمایا ہے، لیکن اس پر بھی کوئی نقد نہیں کیا۔

اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الموضوعات“ میں روایت کی ہے اور ان کے الفاظ: «لولاك يا محمد! ماخلقتك الدنيا»۔ ہیں، فرماتے ہیں:

«هذاحديث موضوع لا شك فيه، وفي إسناده مجهولان وضعفاء، قال الدَارَقُطْنِي: أبو السكين ضعيف، وإبراهيم بن اليسع ويحيي البصري متروكان». [بلا شبہ یہ من گھڑت روایت ہے، اور اس کی سند میں مجہول وضعیف راوی ہیں، دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (سند میں موجود) ابو سکین ضعیف ہے، اور ابراہیم بن یسع ویحیٰ بصری متروک ہیں]

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ روایت محدثانہ حیثیت سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی، مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے چونکہ ان روایات کی اسانید نہیں ہیں، اسی لئے انہوں نے «حسن ظن بالمُخَرِّجِيْن» [روایت تخریج کرنے والوں کے بارے میں حسن ظن] کرتے ہوئے حدیث مشہور کی صحت کا دعوی کر دیا، اور جن حضرات نے بھی صحت کا دعویٰ کیا ہے ان کو بھی یہی صورت پیش آئی، یا پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد کیا۔

اب اس کے بعد یہ عرض ہے کہ اس حدیث کے مضمون کو کسی نے عقیدہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اگر ثابت ہو تو اس سے آپ کی «أولیت في الخلق» کا علم ظنی ہوتا ہے، عقیدہ کے لئے دلیل کی قطعیت ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے، والعلم عند الله سبحانه[1]۔

ایک نئے طرز پر

سُوَال: «لولاك لما خلقت الأفلاك».

جَوَاب: «لولاك لما خلقت الأفلاك». یہ لفظ حدیث کی کسی کتاب میں

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: حدیث لولاک لما خلقت الافلاک، ۲/۲۰۵، ۲۰۳۔

نہیں ہے، بلکہ صَغَانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موضوع ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل جرّاحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی صحیح ہیں، پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ایسی روایتیں ذکر کی ہیں، جس میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی روایت اس مضمون کی ثابت نہیں ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ”مستدرک حاکم“ میں وارد ہے، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «منكر، وأظنه موضوع». [یہ منکر ہے، اور میرا گمان ہے کہ یہ موضوع ہے] حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ”طبرانی صغیر“ اور ”مستدرک“ وغیرہ میں ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باطل ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الموضوعات“ میں روایت کر کے اس کے وضع کا حکم لگایا ہے[1]۔

نئے انداز سے

”**سوال**: «لولاك لما خلقت الأفلاك» کی تخریج۔

جواب: «لولاك لما خلقت الأفلاك» یہ حدیث بہت مشہور ہے مگر یہ لفظ کہیں ثابت نہیں، ”مستدرک حاکم“ (ص:۶۱۵/ ۲) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں «يا آدم! لولا محمد! ما خلقتك» ہے، اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”معجم صغیر“ میں (ص:۸۳/ ۲) «لولاه يا آدم! ما خلقتك» ہے، «قال الحاكم: صحيح الإسناد، وقال الذهبي: بل موضوع، وعبد الرحمن أي: ابن زيد بن أسلم واه». حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں حضرت ابن

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: لولاك لما خلقت الأفلاك، کی تحقیق، ۲/ ۲۰۸، ۲۰۶۔

عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں «لولا محمد ما خلقت الجنة والنار» ہے اور فرماتے ہیں: «صحيح الإسناد». ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «أظنه موضوعا، وقال في الميزان: والخبر منكر وأظنه موضوعا. وأقره ابن حجر في اللسان»[1]۔

سابقہ روایت ایک دوسرے انداز سے

سؤال: «لولاك لما خلقت الأفلاك والأرضين». **حوالہ کی ضرورت ہے۔**

جواب: «حديث: لولاك لما خلقت الأفلاك. قال الصغاني في الأحاديث الموضوعة له: موضوع. قال علي القاري في موضوعاته الكبير (ص:٥٩): لكن معناه صحيح، فقد روى الديلمي عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعا: أتاني جبرائيل فقال: يا محمد! لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار. وفي رواية ابن عساكر: لولاك ما خلقت الدنيا، انتهى.

قلت: هذا المعنى يروى عن ابن عباس رضي الله عنه وعمر بن الخطاب رضي الله عنه وسلمان الفارسي رضي الله عنه وغيرهم، لا يثبت ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم.

فأما حديث ابن عباس رضي الله عنه فأخرجه الحاكم في مستدركه (ص:٦١٥/٢) من طريق عمرو بن أوس، ثنا ابن أبي عروبة، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أوحى الله إلى عيسى، يا عيسى! آمن بمحمد وأمر من دركه من أمتك أن يؤمنوا به، فلولا محمد ماخلقت آدم، ولولا محمد ماخلقت الجنة ولا النار،

---

[1] اليواقيت الغالية: لولاك لما خلقت الأفلاك کی تخریج، ۲/ ۴۱۲، ۴۱۱۔

ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب، فكتبت عليه لا إله إلا الله محمد رسول الله فسكن. وعزاه في شرح المواهب(ص:١/٤٤) لأبي الشيخ [كذا في الأصل] في طبقات الأصفهانيين. وقال الحاكم: هذاحديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وأقره التقي السبكي في شفاء السِقَام (ص:١٦٢) والبُلْقِيْني في فتاويه، لكن قال الحافظ الذهبي في مختصره: أظنه موضوعا على سعيد. وأورده في الميزان في ترجمة عمرو بن أوس وقال: يجهل حاله والخبر منكر وأظنه موضوعا. وأقره الحافظ ابن حجر في اللسان، ولم ينفرد به عمرو بن أوس، فقد أخرجه أبو الشيخ في طبقات الأصفهانيين(ص:٣/٢٨٧) من طريق سعيد بن أوس الأنصاري عن سعيد بن أبي عروبة، ولكنه موقوف عنده .

وأما حديث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فأخرجه الطبراني في الصغير(ص:٢/٨٣)، و الحاكم في المستدرك (ص:٢/٦١٥)، والبيهقي في الدلائل(ص:٥/٤٨٩)من طريق أبى الحارث عبد الله بن مسلم الفِهْرِي، عن إسمعيل بن مسلمة، عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن جده، عن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب! أسألك بحق محمد لما غفرت لي، فقال الله: يا آدم! وكيف عرفت محمدا ولم أخلقه قال: يا رب! لأنك لما خلقتني بيدك ونفخت فيّ من روحك رفعت رأسي، فرأيت على قوائم العرش مكتوبا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال الله: صدقت يا آدم! إنه لأحب الخلق إليّ، ادعني بحقه، فقد غفرت لك، ولولا محمد

ماخلقتك .

قال الطَبَرَانِي: لا يروى عن عمر رضي الله عنه إلا بهذا الإسناد. قال الحاكم: هذاحديث صحيح الإسناد. وتعقبه الذهبي في مختصر المستدرك فقال: بل موضوع، وعبد الرحمن واه، وعبد الله بن مسلم الفِهْرِي لا أدري من ذا؟ وقال في الميزان في ترجمة الفِهْرِي: خبر باطل، رواه البيهقي في دلائل النبوة. وأقره ابن حجر في اللسان، ونقل ابن القيم في رسالة له (ص:٧٨) عن الإمام تيمية: أنه موضوع ووافقه.

تنبيه: صورة الإسناد هكذا في المستدرك، وأما الطَبَرَانِي فقال: حدثنا محمد بن داود بن أسلم الصَدَفِي المصري، حدثنا أحمد بن سعيد المدني الفِهْرِي، حدثنا عبد الله بن إسمعيل المدني، عن عبد الرحمن الخ، وكأنه وقع سقوط في هذا الإسناد، والله أعلم.

وأما حديث سلمان رضي الله عنه فأخرجه ابن الجوزي في الموضوعات (ص:١/٢٨٩)، وهو حديث طويل في صفحة، وفي آخره: ولولاك يا محمد! ما خلقت الدنيا. ثم قال: هذاحديث موضوع، لا شك فيه، وفي إسناده مجهولون وضعفاء، والضعفاء: أبو السكين يعني محمد بن عيسى المدائني، وإبراهيم بن اليسع، ويحي البصري، قال الدَارَقُطْنِي: أبو السكين ضعيف، وإبراهيم ويحي البصري متروكان، قال أحمد بن حنبل: خرقنا حديث يحي البصري، وقال الفلاس: كان كذابا يحدث أحاديث موضوعة، وقال الدَارَقُطْنِي: متروك، انتهى.

ملاحظه: وليس شيء من الخلق سببا لتخليق الخلق، بل السبب

الأصلي لذلك اتصافه تعالى بصفات عالية، فلا بد من ظهور تلك الصفات وظهور أثرها، وذلك بإيجاد الخلق، و الله على ما يشاء قدير، و الله سبحانه وتعالى أعلم»[۱]۔

سابقہ روایت نئے فوائد کے ساتھ

”**حديث**: «لولاك لما خلقت الأفلاك. وهو حديث مشهور على الألسنة لايعرف له إسناد بهذا اللفظ، وقد ورد بلفظ آخر ولكنه ليس بثابت، وذكر العلامة محمد بن طاهر الفَتَنِي الگجراتي [كذا في الأصل] في كتابه تذكرة الموضوعات هذا الحديث وقال: قال الصَغَاني: موضوع، انتهى .

وأخرج ابن الجوزي في الموضوعات في آخر حديث طويل أخرجه عن سلمان رضي الله عنه مرفوعا: لولاك لما خلقت الأفلاك. قال ابن الجوزي: موضوع، أبو السكين، وإبراهيم، ويحي البصري ضعفاء متروكون، وقال الفلاس: يحي كذاب يحدث بالموضوعات، كذا في اللآلي (ص:۲۷۲/).

وفي الخصائص للسيوطي(ص:۷/ ۱) أخرج الحاكم وصححه عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أوحى الله إلى عيسى عليه السلام: آمن بمحمد، ومُرْ من أدركه من أمتك أن يومنوا به، فلولا محمد، ماخلقت آدم ولا الجنة ولا النار، ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب، فكتبت

---

[۱] اليواقيت الغالية: چند احادیث کا ثبوت، ۱۸۹/۲، ۱۹۴۔

عليه: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فسكن . قال الذهبي: في سنده عمرو بن أوس لا يدرى من هو، انتهى .

وأخرج الحاكم والبيهقي والطَبرَانِي (ص:٢٠٧) وأبو نعيم عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه مرفوعا: قال ـ أي: الله ـ يا آدم! صدقت، ولولا محمد ماخلقتك. ذكره السيوطي في خصائصه(ص:٦/ ١)، وأنكره ابن تيمية (ص:٩٦/ ١١) أن يكون حديثا، قال الطَبرَانِي في الصغير: حدثنا محمد بن داود بن أسلم الصَدَفِي المصري، حدثنا أحمد بن سعيد المدني الفِهْرِي، حدثنا عبد الله بن إسماعيل المدني، عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن جده، عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. قال الطَبرَانِي: لا يروى عن عمر إلا بهذا الحديث، تفرد به أحمد بن سعيد، انتهى»[1].

* * * * *

---

[1] اليواقيت الغالية: الصلوة معراج المؤمن، الخ، ۶۲/۲ - ۶۶۔

۵ - جزء روایت

«اطلبوا العلم ولو بالصين»

روایت: ”علم حاصل کرو، خواہ چین سے ہو“، روایت ہذا کے ثبوت کی کوئی صورت نہیں ہے۔

سؤال: حدیث «اطلبوا العلم» کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے درست ہے، مگر اس کی حمایت میں اتنا تو کم از کم ملتا ہے کہ اس کی بنیاد پر اس کو بے اصل نہیں کہہ سکتے، جیسا کہ اگلے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے:

«حكم ابن الجوزي بوضعه، ونُوزع بقول المِزِّي: له طرق ربما يصل بمجموعها إلى الحسن، ويقول الذهبي في تلخيص الواهيات: روي من عدة طرق واهية، وبعضها صالح اھ (فيض القدير ص:١/٥٤٤)».

[اس روایت پر ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کا حکم لگایا ہے، اور مزّی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام کے ذریعہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے معارضہ کیا گیا ہے (مزّی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہ ہے): اس روایت کے کئی طرق ہیں، یہ روایت ان مجموعہ طرق سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے، نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ”تلخیص الواہیات“ میں فرماتے ہیں: یہ روایت متعدد واہی طرق سے مروی ہے، جن میں بعض صالح ہیں]

جواب: حدیث «أطلبوا العلم ولو بالصين» کی تائید میں جو عبارت بحوالہ ”فیض القدیر“ آپ نے لکھی ہے وہ میرے سامنے ہے، مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوگیا، اس جملہ کے متعلق امام مِزّی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی تحسینی کلمہ نہیں کہا ہے، بلکہ اس کے دوسرے جزء کے متعلق ان سے تحسینی کلام نقل کیا

جاتا ہے:

«قال أبو الحسن علي بن محمد بن عَرَّاق الكِنَاني (م ٩٦٣ ھ) في تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة(ص:٢٥٨):

حديث: أطلبوا العلم ولو بالصين فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. أخرجه ابن عدي و العُقَيْلِي من حديث أ نس رضي الله عنه، وفيه أبو عاتكة طَرِيف بن سليمان منكر الحيث، وقال ابن حِبَّان: حديث باطل لا أصل له، وتعقب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذي ولا يجرح بكذب ولا تهمة، وأخرج البيهقي في الشعب الحديث من طريقه وقال: متن مشهور واسناد ضعيف، انتهى.

قلت: كونه لم يجرح ممنوع كما يعلم من ترجمته في مقدمة تنزيه الشريعة (ص:٦٩): طَرِيف بن سليمان[وفي نسختنا: سلمان] وقيل بالعكس أبو عاتكة وهو بالكنية أشهر، قال الذهبي في الكنى من الميزان: عده أحمد بن علي السليماني فيمن عرف بوضع الحديث.

وله متابع أخرجه أبو يعلى وابن عبد البر في العلم من طريق كثير بن شِنْظِير، عن ابن سيرين عن أنس رضي الله عنه، وأخرجه ابن عبد البر من طريق يعقوب بن إسحاق العسقلاني، عن عبيد بن محمد الفِرْيَابي، عن ابن عيينة، عن الزهري، عن أنس رضي الله عنه، لكن يعقوب رمي بالكذب، ووثقه مسلمة بن القاسم، وحكى توثيقه عن بعضهم.

ونصفه الثاني أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المِزِّي الشافعي: وله طرق كثيرة عن أنس رضي الله عنه، يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقي في الشعب أيضا من حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

قلت: وأخرجه الحافظ العراقي الشافعي في أماليه من حديث أنس رضي الله عنه، من غير طريق ابن ماجه، ثم قال: حديث غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنس رضي الله عنه، رويناه من رواية عشرين رجلا من التابعين عنه، قال وقد ضعف جماعة من الأئمة طرقه كلها، فقال أحمد: لا يثبت عندنا في هذا الباب شيء، وكذا قال أبو علي النيسابوري الشافعي والبيهقي وابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح في علوم الحديث مثالا للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى.

وفي تلخيص الواهيات للذهبي: روي عن علي وابن مسعود وابن عمر وابن عباس وجابر وأنس وأبي سعيد رضي الله عنهم، وبعض طرقه أوهى من بعض وبعضها صالح، والله أعلم».

[(علامہ جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا حاصل یہ ہے) ابن عرّاق "تنزیہ الشریعۃ" میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث - علم حاصل کرو اگرچہ چین سے ہو، کیونکہ علم ہر مسلمان پر فرض ہے - کو ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور عُقَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے، اور اس روایت کی سند میں ابوعاتکہ طَرِیف بن سلیمان منکر الحدیث ہے، اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ یہ باطل، بے اصل حدیث ہے اور تعاقب کیا گیا ہے کہ ابوعاتکہ رجال ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے، اور ان پر جھوٹ و تہمت کی جرح نہیں ہے، اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعاتکہ کے طریق سے یہ روایت "شعب" میں تخریج کر کے کہا ہے کہ اس کا متن مشہور اور سند ضعیف ہے، انتہیٰ۔

میں (حافظ ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: ابوعاتکہ پر جرح کا نہ ہونا تسلیم نہیں

ہے- جیسا کہ "تنزیہ الشریعہ" کے مقدمہ میں ابوعاتکہ کے ترجمہ میں ہے -: طَرِیف بن سلیمان- بعض کے نزدیک نام اس کے برعکس ہے - ابوعاتکہ- یہ کنیت سے مشہور ہیں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "میزان" میں "کُنیٰ" کے تحت لکھتے ہیں: احمد بن علی سلیمانی نے انہیں معروف بالوضع لوگوں میں شمار کیا ہے۔

(حافظ ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں) ابوعاتکہ کے متابع بھی ہیں، چنانچہ (ایک متابع تو) ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر بن شِنظِیر عن سیرین عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے تخریج کیا ہے، اور (دوسرا متابع) ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے یعقوب بن اسحاق عسقلانی عن عبید عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے تخریج کیا ہے، لیکن سند میں موجود یعقوب کو جھوٹا کہا گیا ہے، اور مسلم بن قاسم نے یعقوب کو ثقہ کہا ہے، نیز بعض محدثین سے ان کی توثیق نقل کی ہے۔

حدیث کے دوسرے آدھے حصے کو ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے، حافظ مِزّی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس روایت کے انس رضی اللہ عنہ سے کئی طرق ہیں، جن سے یہ روایت مجموعی طور پر درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے اور اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بطریق ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ "شعب" میں تخریج کیا ہے۔

میں (حافظ ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ حافظ عراقی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اپنی "اَمَالِی" میں انس رضی اللہ عنہ سے، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسری سند سے تخریج کی ہے، پھر حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اس طریق سے غریب ہے، اور فرمایا کہ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے، ہم نے بیس تابعین سے یہ روایت نقل کی ہے جو انس رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں، اور فرمایا کہ ائمہ کی ایک جماعت نے ان تمام طرق کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس باب میں کچھ ثابت نہیں ہے، اور اسی طرح ابو علی نیشاپوری شافعی رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، نیز ابن صلاح نے ”علوم الحدیث“ میں اس روایت کو مشہور غیر صحیح کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے، انتہیٰ۔

(حافظ ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ”تلخیص الواہیات“ میں ہے: یہ روایت علی، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، جابر، انس، اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، اس کے بعض طرق بعض سے بڑھ کر واہی ہیں، البتہ بعض طرق صالح ہیں، واللہ اعلم]

ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ کا سارا کلام بلفظہ اس لئے نقل کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حافظ مِزّی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جزءِ ثانی سے متعلق ہے، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مِزّی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جزءِ ثانی کے تحت ذکر کیا ہے، اور جزءاول کے ذیل میں نہیں ذکر کیا جیسا کہ مُناوِی رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا، اسی طرح اسماعیل جرّاحی رحمۃ اللہ علیہ کو ”کشف الخفا“ (ص:١٣٨) میں وہم ہو گیا، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے تحت ”تدریب الراوی“ میں لکھتے ہیں (ص: ٢/١٧٤):

«مثاله وهو حسن حديث: طلب العلم فريضة على كل مسلم. فقد قال المِزِّي: إن له طرقا يرتقي بها إلى رتبة الحسن اهـ».

[مشہور کی مثال جو حسن ہو یہ روایت ہے: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مِزّی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس روایت کے کئی طرق ہیں، جن کی وجہ سے یہ درجہ حسن تک ترقی کر جاتی ہے، اھ]

«وهو حسن» کے معنی یہ ہیں کہ حدیث مشہور کبھی صحیح ہوتی ہے کبھی حسن کبھی ضعیف، یہ حدیث مشہور حسن کی مثال ہے۔

«وسئل النَوَوِي (ص:٢٧٦) عن هذا الحديث فقال في فتاويه (ص:٢٧٦): هو حديث ضعيف وإن كان معناه صحيحا، وقال في مقدمة شرح المهذب (ص:١/٢٤): هذا الحديث وإن لم يكن ثابتا فمعناه صحيح.

قال السندي في تعليقه على ابن ماجه (ص:٥١) تحت حديث طلب العلم: قال السيوطي: سئل النَوَوِي، فذكر كلامه ثم قال: وقال تلميذه جمال الدين المِزِّي: هذا الحديث روي من طرق تبلغ رتبة الحسن وهو كما قال، فإني رأيت له نحو خمسين طرقا وقد جمعتها في جزء، انتهى.

وقد ذكر الغزالي حديث: طلب العلم، ثم حديث: أطلبوا العلم. وذكر الزَبِيدِي في الإتحاف (ص:١/٩٨) كلام المِزِّي تحت حديث طلب العلم، والله الموافق للصواب».

[اور نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے ”فتاویٰ“ میں کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ اس کا معنیٰ صحیح ہے اور نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ ”شرح المہذب“ میں کہا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں ہے، لیکن اس کا معنیٰ ثابت ہے۔

سندھی رحمۃ اللہ علیہ حدیث «طلب العلم» کے تحت ”سنن ابن ماجہ“ پر موجود اپنے ”حاشیہ“ میں لکھتے ہیں: سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، پھر انہوں نے نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل کیا، پھر فرمایا: نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد جمال الدین مِزّی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ایسے کئی طرق سے مروی ہے جن کا رتبہ درجۂ حسن ہے۔

بات ایسی ہی ہے جیسا کہ مِزّی نے کہا، کیونکہ میں نے اس کے پچاس طریق دیکھے ہیں، جسے میں نے ایک جزء میں جمع کیا ہے، انتہیٰ۔

اور غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث «طلب العلم» پھر «اطلبوا العلم» ذکر کی ہے، اور زَبِیدِی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف" میں حدیث «طلب العلم» کے تحت مزی کا کلام ذکر کیا ہے، **واللہ الموافق للصواب**]

کثیر بن شِنْظِیر کے طریق میں «أطلبوا العلم» کا اضافہ ہماری معلومات میں نہیں ہے، اس طریق میں صرف «طلب العلم فریضۃ» ہے۔

«فقد أخرج ابن ماجه في سننه(ص:۲۰) وحمزة السَهْمِي في تاريخ جُرجان (ص:۳٤۹) و ابن الجوزي في العلل (ص:٥۹) من طريق حفص بن سليمان، عن كثير بن شِنْظِير، عن محمد بن سيرين، عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله: طلب العلم فريضة على كل مسلم. زاد ابن ماجه وحمزة [أي: السَهْمِي]: وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب.

حفص بن سليمان هو القاري المشهور ضعيف جدا، قال أحمد: متروك الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لا يصدق، وقال ابن خِرَاش: كذاب يضع الحديث، وقال الذهبي في ترجمة كثير بن شِنْظِير: حفص واه.

وأما كثير بن شِنْظِير فقال ابن حجر: صدوق يخطئ.

ولم ينسبه إلى أبي يعلى أحد سوى السيوطي في التعقبات (ص:٦٠) وتبعه ابن عَرَّاق، نعم أخرج أبو يعلى حديث ابن مسعود رضي الله عنه كما ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (ص:۱/۱۱۹) وابن حجر في المطالب

العالية (ص:٣/١٣٠) وليس فيه: أطلبوا العلم ولو بالصين. فكلام ابن عَرَّاق وهم».

[ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی “سنن” میں، حمزہ سہمی رحمۃ اللہ علیہ نے “تاریخ جرجان” میں، اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے “العلل” میں، طریق بن سلیمان، عن کثیر بن شِنْظِیر، عن محمد بن سیرین، عن انس رضی اللہ عنہ مرفوعاً تخریج کیا ہے: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

نیز ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ و حمزہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے: نااہلوں کو علم سے نوازنے والا ایسا ہے جیسے خنزیروں کو جوہر، موتی اور سونے کا ہار پہنانے والا۔

(سند میں موجود) حفص بن سلیمان شدید ضعیف ہے، احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ متروک الحدیث ہے، ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے: یہ متروک ہے، سچ نہیں بولتا، ابن خِرَاش کا فرمان ہے: یہ جھوٹا ہے، حدیث گھڑتا ہے، اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر بن شِنظِیر کے ترجمہ میں کہا ہے: حفص واہی ہے، رہی بات کثیر بن شِنْظِیر کی، ان کے بارے میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ صدوق ہے، خطاء کرتا ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے “تعقبات” میں اسے ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب کیا ہے، اور ابن عرّاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں ایسے ہی لکھا ہے، لیکن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور نے ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب اسے منسوب نہیں کیا، البتہ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی مرفوع حدیث تخریج کی ہے، لیکن اس میں “علم حاصل کرو، خواہ چین ہی جانا پڑے” کے الفاظ نہیں ہیں، جیسا کہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے “مجمع الزوائد” میں اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے “المطالب العالیہ” میں ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس طرح (یعنی ولو بالصین کے بغیر) نقل کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ کا کلام وہم پر مبنی ہے]

اب مختصر طور سے حدیث: «أطلبوا العلم» کے متعلق سن لیجئے۔

«أخرجه ابن عدي في الكامل و ابن عبد البر في الجامع(ص: ۹) والخطيب في تاريخه (ص:۹/۳٦٤) والرحلة (ص: ۷۲) وابن الجوزي في الموضوعات (ص:۱/۲۱۵) وأبو حفص السُهْرَوَرْدِي في العوارف (ص:۱/۲۳٤) من طريق الحسن بن عطية، عن أبي عاتكة، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: أطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. ولم يزد ابن الجوزي في أحد طريقيه والسُهْرَوَرْدِي: فإن طلب العلم، الحديث.

قال الخطيب في تاريخه: لا أعلم أحدا رواه عن أبي عاتكة غير الحسن بن عطية.

وقال ابن عدي: قوله: ولو بالصين. ما أعلم يرويه غير الحسن بن عطية، عن أبي عاتكة، عن أنس رضي الله عنه.

وقال الحاكم أبو عبد الله النيسابوري: تفرد به الحسن بن عطية.

قلت: تابعه حماد بن خالد الخَيَّاط، أخرجه العُقَيْلِي في الضعفاء، ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات (ص:۱/۲۱۵)، قال العُقَيْلِي: ولا يحفظ: ”ولو بالصين“ إلا عن أبي عاتكة، وهو متروك الحديث، و فريضة على كل مسلم، الرواية، فيها لين، متقاربة في الضعف [انتهى كلام العُقَيْلِي].

وأخرجه البخارى من هذا الوجه فى تاريخه الكبير (ص:۲/۲۵۷)

مقتصرا على قوله: طلب العلم فريضة، وقال: أبو عاتكة منكر الحديث.

وقال ابن حِبَّان(ص:١/٣٨٢) طَرِيف بن سليمان أبو عاتكة منكر الحديث جدا، يروي عن أنس رضي الله عنه ما لا يشبه حديثه، وربما روى ماليس من حديثه، روى عن أنس رضي الله عنه، عن النبى صلى الله عليه وسلم: أطلبوا العلم ولو بالصين .

قال السيوطي في اللآلي(ص:١/١٩٣): والحديث أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، وتَمَّام من طرق عن الحسن، قال ابن الجوزي في الموضوعات (ص:١/٢١٦): قال ابن حِبَّان: هذا الحديث باطل لا أصل له، وللحديث طريق آخر، أخرجه ابن عبد البر في الجامع(ص:١٠) من جهة يعقوب بن إسحاق العسقلاني، عن عبيد بن محمد الفِرْيَابِي، عن ابن عينية، عن الزهري، عن أنس رضي الله عنه. و يعقوب العسقلاني، قال الذهبي في الميزان: كذاب، وقال ابن حجر في اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم في الصلة، وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه، وهو عندي صالح، جائز الحديث. وقد ورد من حديث أبي هريرة رضي الله عنه، قال الذهبي في الميزان في ترجمة أحمد بن عبد الله الجُوَيْبَارِي الكذاب: ابن كَرَّام، حدثنا أحمد، عن الفضل بن موسى، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه حديث: أطلبوا العلم ولو بالصين. قال ابن عدي الجُوَيْبَارِي: كان يضع الحديث لابن كَرَّام على مايريده [انتهى كلام السيوطي وقد لخّصه الشيخ الجونفوري]»[1].

---

[1] اليواقيت الغالية: اطلبوا العلم ولو بالصين پر مفصل کلام، ۲/۴۳۰ - ۴۲۶۔

سابقہ روایت ایک دوسرے انداز سے

’’«هذا الحديث رواه ابن عدي في الكامل، والبيهقي في الشعب، وأبو نعيم في أخبار أصبهان (ص:٢/١٠٦)، وأبو القاسم القُشَيْرِي في الأربعين، والخطيب في التاريخ (ص:٩/٣٦٤) وفي كتاب الرحلة (ص: ٧٢)، وابن عبد البر في جامع بيان العلم (ص:٩)، و ابن الجوزي في الموضوعات (ص:١/٢١٥)، والضياء في المنتقى من مسموعاته بمَرْو، وأبو حفص السُهْرَوَرْدِي في العوارف (ص:١/٢٣٤)، كلهم من طريق الحسن بن عطية، ثنا أبو عاتكة طَرِيف بن سليمان، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. ولم يذكر السُهْرَوَرْدِي هذه الزيادة .

وقال ابن عدي: قوله: ولو بالصين. ما أعلم يرويه غير الحسن بن عطية. وكذا قال الخطيب، ومن قبله الحاكم كما نقل عنه ابن الجوزي وغيره، واستغربه ابن الجوزي من الحاكم، فقد أخرجه العُقَيْلِي في الضعفاء من جهة حماد بن خالد الخَيَّاط، قال: حدثنا طَرِيف بن سليمان أبو عاتكة به، وقال: ولا يحفظ ’’ولو بالصين‘‘ إلا عن أبي عاتكة، وهو متروك الحديث، و ’’فريضة على كل مسلم‘‘ الرواية، فيها لين أيضا، متقاربة في الضعف [انتهى كلام العُقَيْلِي].

وأخرجه البخاري من هذا الوجه في تاريخه الكبير(ص:٢/٢٥٧ ق ٢) مقتصرا على قوله: طلب العلم فريضة، وقال: أبو عاتكة منكر الحديث.

فمدار الحديث على أبي عاتكة وهو متفق على جرحه، وقد تقدم جرح البخاري الشديد، وقال أبو حاتم: ذاهب الحديث، وقال النسائي: ليس بثقه، وقال الدَارَقُطْنِي: ضعيف، وقال ابن حِبَّان (ص: ١/٣٨٢): منكر الحديث جدا، يروي عن أنس رضي الله عنه ما لا يشبه حديثه، وربما روى ما ليس من حديثه، روى عن أنس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: أطلبوا العلم ولو بالصين [انتهى كلام ابن حِبَّان]. وذكره السليماني فيمن عرف بوضع الحديث.

وذكر ابن قدامة في المنتخب عن الدُوْرِي أنه قال: وسألت يحي بن معين عن أبي عاتكة فلم يعرفه، وعن المروزي [كذا فيه، وفي نسختنا: المَرُّوْذِي، وهو الصحيح] أن أبا عبد الله يعني الإمام أحمد ذكر له هذا الحديث فأنكره انكارا شديدا.

وأورده ابن الجوزي في الموضوعات (ص:١/٢١٥) من الطريقين، وقال: هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال ابن حِبَّان: وهذا الحديث باطل لا أصل له .

وأقره [أي: قول ابن الجوزي وابن حِبَّان] السخاوي في المقاصد (ص:٦٣) .

وذكره أبو الفضل بن طاهر في تذكرة الموضوعات (ص:٢٩)، و أعله بأبي عاتكة بأنه منكر الحديث .

وللحديث طريقان آخران:

الأول: ما أخرجه ابن عبد البر في الجامع(ص:١٠) من حديث

يعقوب بن إسحاق العسقلاني، عن عبيد بن محمد الفِرْيَابِي، عن ابن عينية، عن الزهري، عن أنس رضي الله عنه مرفوعا.

والثاني: ماذكره الذهبي في الميزان في ترجمة أحمد بن عبد الله الجُوَيْبَارِي: روى ابن كَرَّام، حدثنا أحمد، عن الفضل بن موسى، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه حديث: أطلبوا العلم ولو بالصين .

وهذان الطريقان ذكرهما السيوطي في اللآلي(ص:١/١٩٣) متعقبا على ابن الجوزي ولكنهما واهيان، فيعقوب العسقلاني قال الذهبي: كذاب، وقال ابن حجر في اللسان: ذكره مسلمة بن قاسم في الصلة، وذكر له جماعة من الشيوخ، وقال: كتبت عنه، و اختلف فيه أهل الحديث فبعضهم يضعفه، وبعضهم يوثقه، ورأيتهم يكتبون عنه فكتبت عنه، وهو عندي صالح، جائز الحديث .

ومال ابن حجر إلى قول الذهبي، فذكر حديثا وقال: هذا من أباطيل يعقوب، وقال: وقد وجدت له حكاية يشبه أن يكون من وضعه.

وأحمد بن عبد الله الجُوَيْبَارِي [أي: في الطريق الثاني] دجال وضاع، قال النسائي و الدَارَقُطْنِي: كذاب، وقال ابن حِبَّان: دجال من الدجاجلة، وقال ابن عدي: كان يضع الحديث لابن كَرَّام على مايريده، قال الذهبي في الميزان: الجُوَيْبَارِي ممن يضرب المثل بكذبه.

وقال السيوطي في التعقبات على الموضوعات(ص:٦): أخرجه البيهقي في شعب الإيمان من طريق أبي عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأبو عاتكة من رجال الترمذي، لم يجرح بكذب

ولا تهمة. وقد وجدت له متابعا عن أنس رضي الله عنه أخرجه أبو يعلى و ابن عبد البر في العلم من طريق كثير بن شِنْظِير، عن ابن سيرين، عن أنس رضي الله عنه به مرفوعا، وأخرجه ابن عبد البر أيضا من طريق عبيد بن محمد الفِرْيَابِي، عن سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن أنس رضي الله عنه. ونصفه الثاني أخرجه ابن ماجه، وله طرق كثيرة عن أنس رضي الله عنه، يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، قال الحافظ المزي: وأورده البيهقي في الشعب من أربع طرق عن أنس رضي الله عنه، ومن حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، انتهى [أي: كلام السيوطي] .

وقال ابن عَرَّاق في تنزيه الشريعة(ص:٢٥٨): حديث: أطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. رواه ابن عدي و العُقَيْلِي من حديث أ نس رضي الله عنه، وفيه أبو عاتكة طَرِيف بن سليمان منكر الحيث، وقال ابن حِبَّان: حديث باطل لا أصل له، وتعقب بأن أبا عاتكة من رجال الترمذي، ولا يجرح بكذب ولا تهمة، وأخرج البيهقي في الشعب الحديث من طريقه وقال: متن مشهور واسناد ضعيف، انتهى .

قال ابن عَرَّاق: لم يجرح ممنوع كما يعلم من ترجمته في مقدمة، وذكر في المقدمة أن أبا عاتكة، قال الذهبي في الكنى من الميزان: عده أحمد بن علي السليماني فيمن عرف بوضع الحديث .

قال ابن عَرَّاق: وله متابع، فذكر طريق كثير بن شِنْظِير وطريق يعقوب العسقلاني كما تقدم في كلام السيوطي، وقال[أي: ابن عراق]: ولكن يعقوب رمي بالكذب، ووثقه مسلمة بن القاسم، وحكى توثيقه

عن بعضهم .

[قال ابن عَرَّاق] ونصفه الثاني أخرجه ابن ماجه، قال الحافظ المِزِّي: وله طرق كثيرة عن أنس رضي الله عنه، يصل مجموعها إلى مرتبة الحسن، وأخرجه البيهقي في الشعب أيضا من حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، قلت [أي: ابن عرَّاق]: وأخرجه الحافظ العراقي في أماليه من حديث أنس رضي الله عنه، من غير طريق ابن ماجه، ثم قال: حديث غريب من هذا الوجه، قال: وهو مشهور من حديث أنس رضي الله عنه، رويناه من رواية عشرين رجلا من التابعين عنه، قال: وضعف جماعة من الأئمة طرقه كلها، فقال أحمد: لا يثبت عندنا في هذا الباب شيء، وكذا قال أبو علي النيسابوري والبيهقي و ابن عبد البر، وذكره ابن الصلاح في علوم الحديث مثالا للحديث المشهور غير الصحيح، انتهى. [قال ابن عرَّاق] وفي تلخيص الواهيات للذهبي: روي عن علي و ابن مسعود و ابن عمر و ابن عباس وجابر وأنس وأبي سعيد رضي الله عنهم، وبعض طرقه أوهى من بعض، وبعضها صالح، والله أعلم[انتهى كلام ابن عرَّاق] .

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: للحديث طرفان: الأول: أطلبوا العلم ولو بالصين. والثاني: طلب العلم فريضة على كل مسلم .

فأما الجزء الأول: فزعم السيوطي وتبعه ابن عراق أن البيهقي أخرجه من طريق أبي عاتكة، وقال: متن مشهور وإسناد ضعيف، وأن أبا عاتكة لم يجرح بكذب، وأن له متابعا، ابنَ سيرين من رواية كثير بن شِنْظِيْر عند أبي يعلى و ابن عبد البر، والزهري عند

ابن عبد البر.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: لم أر أحدا ممن تكلم على الطرف الأول أنه ذكر أن البيهقي أخرجه في شُعَبِه، وتكلم عليه بما تقدم، بل ذكروا كلامه في الطرف الثاني.

قال صاحب المشكاة(ص:٣٤) عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب. رواه ابن ماجه، وروى البيهقي في شعب الإيمان إلى قوله: مسلم، وقال: هذا متنه مشهور وإسناده ضعيف، وقد روي من أوجه كلها ضعيف، انتهى.

وهكذا نقل السخاوي كلام البيهقي المذكور في النصف الثاني، لا في النصف الأول، ودعوى السيوطي أن أبا عاتكة لم يجرح بكذب، رده ابن عرَّاق، وسبق كلام أئمة الفن فيه.

وأما المتابعان، فلم أجد في روايتهما الطرف الأول، وليس الطريق إليهما سالما، فقد أخرج ابن ماجه(ص:٢٠)، وحمزة السَهْمِي في تاريخ جرجان (ص:٣٤٩)، و ابن عبد البر في جامع العلم (ص:١/١١)، و ابن الجوزي في العلل (ص:١/٥٩) من طريق حفص بن سليمان، عن كثير بن شِنْظِيْر، عن محمد بن سيرين، عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم. زاد ابن ماجه وحمزة السهمي: وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب. حفص بن سليمان هو القاري المشهور، ضعيف جدا، قال أحمد: متروك

الحديث، وقال أبو حاتم: متروك لا يصدق، وقال ابن خِرَاش: كذاب يضع الحديث، وقال الذهبي في ترجمة كثير بن شِنْظِيْر: حفص واه.

[قال الشيخ الجونفوري]: و كثير بن شنظير صدوق يخطئ .

ولم أجد أحدا نسبه لأبي يعلى غيرَ السيوطي و ابن عرَّاق، ولم يذكره الهيثمي في مجمع الزوائد، ولا ابن حجر في المطالب العالية، ولو كانت هذه الزيادة عند أبي يعلى لذكراه، وإنما أخرج أبو يعلى حديث ابن مسعود رضي الله عنه، كما ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد(ص:۱/۱۱۹) و ابن حجر فى المطالب العالية (ص:۲/۱۳۰) مقتصرا على قوله: طلب العلم فريضة على كل مسلم.

ومتابعة الزهري أخرجها ابن عبد البر من طريق يعقوب بن إسحاق العسقلاني، عن عبيد بن محمد الفِرْيَابِي، عن ابن عينية، عن الزهرى، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اطلبوا العلم ولو بالصين، فإن طلب العلم فريضة على كل مسلم. وقد تقدم الكلام على يعقوب العسقلاني، وأنه كذاب، وشيخه عبيد بن محمد الفِرْيَابي لم يعرف حاله.

إذا عرفت ذلك فقد علمت أن راوي «أطلبوا العلم ولو بالصين» إما أبو عاتكة وإما يعقوب العسقلاني، والأول متهم، والثاني كاذب، وفي طريق أبي هريرة رضي الله عنه الجُوَبْيَارِي، وهو أيضا كذاب، فلاوجه لادعاء ثبوته، وكلام المِزِّي والذهبي متعلقان بالجزء الثاني، وقد نقلهما ابن عرَّاق تحت الجزء الثاني، ووهِم المُنَاوِي في فيض

القدير، فظن أنهما يتعلقان بالحديث كله .

(فائده): قال الزَبِيْدِي(ص:١/٩٩): وقد روى هذا الحديث عن أبي عاتكة ستة: محمد بن غالب التمتام، وجعفر بن هاشم، والحسن بن علي بن عباد، وأبو بكر الأعين، والعباس بن طالب، والحسن بن عطية، وقد أخرج الخطيب في رحلته من طريق هؤلاء .

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: هذا وهْم، فالخمسة الأول يروون عن الحسن بن عطية.

وأما الجزء الثاني:...... ».[1]

[حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ساری بحث کے بعد آخر میں یہ خلاصہ لکھا ہے: یہ ساری تفصیل جان لینے کے بعد آپ کو علم ہو گیا ہو گا کہ "اطلبوا العلم ولو بالصین" کا راوی یا تو ابوعاتکہ ہے، یا یعقوب عسقلانی ہے، پہلا متہم ہے اور دوسرا جھوٹا ہے، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند میں جُوَیْبارِی ہے، یہ بھی کذاب ہے، چنانچہ روایت ہذا میں دعویٰ ثبوت کی کوئی صورت نہیں ہے، نیز مِزّی رحمۃ اللہ علیہ و ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام حدیث کے دوسرے جزء سے متعلق ہے، اور ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان دونوں کا کلام دوسرے جزء کے تحت نقل کیا ہے، البتہ "فیض القدیر" میں مناوی رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا ہے کہ انہیں خیال ہوا کہ ان دونوں (مِزّی رحمۃ اللہ علیہ و ذہبی رحمۃ اللہ علیہ) کا کلام پوری حدیث (یعنی دونوں جزء) سے متعلق ہے]

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: اطلبوا العلم ولو بالصین کی مزید تخریج، ۲/۴۳۰ - ۴۳۵۔

ایک دوسرے انداز سے

”سؤال: «أطلبوا العلم ولو بالصين». حدیث ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کیا درجہ ہے؟

جواب: یہ حدیث بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الإیمان“ اور الخطیب رحمۃ اللہ علیہ نے ”الرحلة“ اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ”الجامع“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے، لیکن اس کی سند غیر معتبر ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «باطل لا أصل له». اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات“ میں ذکر کیا ہے[1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیة: اطلبوا العلم ولو با لصین، ۱۸۴/۲۔

٦ – جزء: صلوة الرغائب

روایتِ صلوۃ الرغائب (رجب کے پہلے ہفتہ میں پڑھی جانے والی ایک مخصوص نماز) اور پندرہ شعبان کی شب پڑھی جانے والی مخصوص نماز والی روایت محققین کے نزدیک من گھڑت ہے۔

”حنفیہ میں سے صاحب ”الدر المختار“ نے (ص: ۴۲۰ ج: ۱) عیدین، نصف شعبان، رمضان کے عشرہ اخیرہ اور ذی الحجہ کے عشرہ اولیٰ کی شب بیداری کو مندوبات میں شمار کیا ہے، علامہ محمد امین بن عمر عابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ص: ۴۶۰ ج: ۱): «قد بسط الشُرُنْبُلاَلِي في الإمداد ما جاء في فضل هذه الليالي كلها». [ان تمام راتوں کی فضیلت میں جو کچھ آیا ہے شُرُنبُلَالِی رحمۃ اللہ علیہ نے ”امداد“ میں اسے تفصیل سے لکھا ہے]

لیکن مسجد میں اجتماع اور جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، صاحب ”امداد الفتاح“ نے فُرادیٰ یعنی تنہا پڑھنے کے ساتھ مقید کیا ہے، صاحب نور الایضاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد». [مساجد میں ان راتوں میں عبادت کے لئے جمع ہونا مکروہ ہے]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ص: ۴۶۱ ج: ۱):

«و صرح بكراهة ذالك في الحاوي القُدْسِي وقال: وما روي من الصلوات في هذه الأوقات يصلى فرادى غير التراويح. قال في البحر: ومن ههنا يعلم كراهة الاجتماع على صلوة الرغائب التي تفعل في رجب في أول جمعة و أنها بدعة، ومايحتاله أهل الروم مِنْ

نذرِها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل اهـ.

قال ابن عابدين: وقد صرح بذلك في البزازية، وقد بسط الكلام عليها شارحا المنية، وصرحا بأن ماروي فيها باطل موضوع، وللعلامة نور الدين المَقْدِسِي فيها تصنيف حسن سماه «ردع الراغب عن صلوة الرغائب»، أحاط فيه بغالب كلام المتقدمين والمتأخرين من المذاهب الأربعة اهـ».

[اس کے مکروہ ہونے کی صراحت ”الحاوی القُدُسی“ میں کی گئی ہے، اور کہا ہے: ان اوقات میں تراویح کے علاوہ منقول نمازیں تنہا پڑھی جائیں گی، ”بحر“ میں کہا ہے: یہاں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رجب کے پہلے جمعہ میں پڑھی جانے والی صلوۃ الرغائب کے لئے جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ کہ یہ بدعت ہے، اور رومیوں کا نفل و کراہت سے نکلنے کے لئے ان نمازوں کی نذر ماننے کا حیلہ باطل ہے، اھ۔

ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بزازیہ“ میں اس کی صراحت کی گئی ہے، ”منیہ“ کے دونوں شارحین نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اور صاف کہا ہے کہ اس بارے میں منقول روایت باطل، موضوع ہے، علامہ نورالدین مَقدِسی کی ان نمازوں کے بارے میں ایک اچھی تصنیف ہے، جس کا نام ہے «ردع الراغب عن صلوۃ الرغائب»، اس میں مصنف نے مذاہبِ اربعہ کے متقدمین ومتاخرین کے اکثر کلام کا احاطہ کرلیا ہے]

صلوۃ الرغائب کا بدعت ہونا تقریباً متفق علیہ ہے، حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ اولاً یہی [یعنی بدعت ہونا] کہتے تھے پھر رجوع کرلیا اور استحباب کے قائل ہو گئے، شیخ عزالدین بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے اور منع کے

قائل تھے، اس سلسلہ میں بعض حدیثیں بھی نقل کی جاتی ہیں مگر وہ باطل ہیں، سارے محققین فرماتے ہیں کہ صلوۃ الرغائب بدعت ہے، اور اس سلسلہ میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے وہ موضوع ہے، ابو اسماعیل الانصاری رحمۃ اللہ علیہ، ابو بکر السمعانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو الفضل بن ناصر رحمۃ اللہ علیہ، ابو الفرج بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ، نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ (ص: ۳۶۱ج: ۱) ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے اس کی تصریح کی ہے[1]۔

ایک نئے طرز پر

”اب ایک اور بات قابل تنبیہ ہے، وہ یہ کہ اب تک تو گفتگو تھی کہ شبِ براءت میں خاص طور سے اجتماعاً یا انفراداً بیدار رہنا کیسا ہے؟ اس کے بعد یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اس رات میں مخصوص طریقے پر نماز پڑھی جاتی ہے اور اس میں متعدد روایات نقل کی جاتی ہیں، مگر وہ سب بے اصل و باطل ہیں، روایات مستقل فصل میں آرہی ہیں، شیخ ابن حجر المکی رحمۃ اللہ علیہ ”تحفۃ المحتاج“ میں لکھتے ہیں (ص: ۲۳۹/ ۲):

«والصلوة المعروفة ليلة الرغائب ونصف شعبان بدعة قبيحة، وحديثها موضوع، وبين ابن عبد السلام وابن الصلاح مكاتبات وافتاءات متناقضة، بيّنتُها مع مايتعلق بها في كتاب مستقل سميته ”الإيضاح والبيان لما جاء في ليلتي الرغائب والنصف من شعبان“، انتهى[أي: كلام ابن حجر المكي].

وقال التقي السبكي في تقييد التراجيح: الاجتماع لصلوة ليلة

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: صلوۃ الرغائب کا حکم، ۲/ ۳۲۲۔

النصف من شعبان ولصلوة الرغائب بدعة مذمومة [انتهى كلام السبكي].

وقال النَوَوِي في شرح المهذب (ص:٤/٥٦): الصلوة المعروفة بصلوة الرغائب وهي ثنتي عشرة ركعة، تصلى بين المغرب والعشاء ليلة أول جمعة في رجب، وصلوة ليلة نصف شعبان مائة ركعة، وهاتان الصلوتان بدعتان ومنكرتان قبيحتان، ولا يُغْتَرُّ بذكرهما في كتاب قُوْتُ القلوب وإحياء علوم الدين ولا بالحديث المذكور فيهما، فإن كل ذلك باطل، ولا يُغْتَرُّ ببعض من اشتبه عليه حكمهما من الأئمة، فصنف ورقات في استحبابهما، فإنه غالط في ذلك، وقد صنف الإمام أبو محمد عبد الرحمن بن إسمعيل المقدسي كتابا نفيسا في إبطالهما، فأحسن فيه وأجاد، رحمه الله[انتهى كلام النووي].

وقال النَوَوِي كما ذكر الزَبِيْدِي في الإتحاف (ص: ٤٢٧ج: ٣): هاتان الصلوتان بدعتان موضوعتان منكرتان قبيحتان، ولا يُغْتَرُّ بذكرهما في كتاب القُوْت والإحياء، وليس لأحد أن يستدل على شرعيتهما بقوله ﷺ: الصلوة خير موضوع، فإن ذلك يختص بصلوة لا تخالف الشرع بوجه من الوجوه، وقد صح النهي عن الصلوة في الأوقات المكروهة اهـ[1]».

[شبِ رغائب ونصف شعبان کی مشہور نمازیں قبیح بدعت ہیں، اور ان کی احادیث من گھڑت ہیں، اور اس بارے میں ابن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان خط وکتابت، نیز مخالف فتاویٰ کا سلسلہ رہا ہے، جنہیں میں ان کے متعلقات

---

[1] اليواقيت الغالية: شب براءۃ میں مخصوص نمازوں کا حکم، ۲/ ۳۲۳۔

سمیت ایک مستقل کتاب بنام «الإيضاح والبيان لما جاء في ليلتي الرغائب والنصف من شعبان» میں بیان کر چکا ہوں، انتہیٰ (یعنی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوگیا)

"تقیید تراجیح" میں تقی سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نصف شعبان کی رات، نیز صلوۃ الرغائب کے لئے لوگوں کا جمع ہونا مذموم بدعت ہے، انتہیٰ (یعنی تقی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)

نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ "شرح المہذب" میں لکھتے ہیں: صلوۃ رغائب کے نام سے مشہور نماز بارہ رکعتوں والی نماز ہے، جو رجب کے پہلے شب جمعہ میں مغرب وعشاء کے درمیان پڑھی جاتی ہے، اور نصف شعبان کی رات والی نماز کی ایک سو رکعتیں ہیں، اور یہ دونوں نمازیں بدعت ہیں، منکر و قبیح ہیں، اور ان دونوں نمازوں کے "قوت القلوب" و "احیاء علوم الدین" میں مذکور ہونے کی وجہ سے، نیز ان کے بارے وارد ہونے والی احادیث کی وجہ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، کیونکہ یہ سب باطل ہیں، اور ائمہ میں بعض حضرات پر ان کا حکم مشتبہ ہوگیا ہے، ان کے اقوال سے بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے، جس نے ان کے مستحب ہونے پر چند صفحات تصنیف کیے ہیں، کیونکہ وہ اس بارے میں غلطی کا شکار ہوگئے ہیں، ان نمازوں کے باطل کہلانے کے بارے میں امام ابو محمد عبد الرحمن بن اسماعیل مَقدِسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نفیس کتاب تصنیف کی ہے، اور مصنف نے اس میں بہت اچھا اور عمدہ کلام کیا ہے، اللہ ان پر رحمت فرمائے، انتہیٰ (یعنی امام نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا)۔

نَوَوِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں - جیسا کہ زَبِیدِی رحمۃ اللہ علیہ نے "اتحاف" میں کہا ہے -: یہ دونوں نمازیں بدعت، موضوع، منکر، قبیح ہیں، اور کسی کو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ یہ نمازیں تو "قوت" و "احیاء" میں مذکور ہیں، اور کوئی شخص آپ ﷺ کے

اس ارشاد سے بھی استدلال نہیں کر سکتا کہ ”نماز مقررہ چیزوں میں سب سے بہتر ہے“، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایسی نماز کے ساتھ مخصوص ہے جو کسی بھی درجہ میں بھی شریعت کے مخالف نہ ہو، اور صحیح روایت ہے کہ مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اھ]

دوسرے انداز سے

”فصل ثالث:

ان بعض روایتوں کے بیان میں جن میں مخصوص نمازوں کا اس رات میں تذکرہ ہے۔

الصورة الأولى:

«أخرج ابن الجوزي في الموضوعات (ص:۲/۱۲۷) فقال: أخبرنا محمد بن ناصر الحافظ، أنبأنا أبو علي الحسن بن أحمد بن الحسن الحَدَّاد، أنبأنا أبو بكر أحمد بن الفضل بن محمد المقري، أنبأنا أبو عمرو عبد الرحمن بن طلحة الطَلْحِي، أنبأنا الفضل بن محمد الزعفراني، حدثنا هارون بن سليمان، حدثنا علي بن الحسن، عن سفيان الثوري، عن ليث، عن مجاهد، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: يا علي! من صلى مائة ركعة في ليلة النصف من شعبان، يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وقل هو الله أحد عشر مرات، قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا علي! ما من عبد يصلي هذه الصلوات إلا قضى الله عزوجل له كل حاجة طلبها تلك الليلة، قيل: يارسول الله! وإن كان الله جعله شقيا

أيجعله سعيدا؟ قال: والذي بعثني بالحق يا علي! إنه مكتوب في اللوح أن فلان بن فلان خلق شقيا، يمحوه الله عزوجل ويجعله سعيدا، ويبعث الله إليه سبعين ألف ملك، يكتبون له الحسنات، ويمحون عنه السيئات، ويرفعون له الدرجات إلى رأس السنة، ويبعث الله عزوجل في جنات عدن سبعين ألف ملك، أو سبع مائة ألف ملك، يبنون له المدائن والقصور ويَغْرِسون له الأشجار، ما لا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب المخلوقين مثل هذه الجنان، في كل جنة على ما وصفت لكم من المدائن والقصور و الأشجار، فإن مات من ليلته قبل أن يحول الحول مات شهيدا، ويعطيه الله عزوجل بكل حرف مِن قل هو الله أحد في ليلته من ذلك سبعين ألف حوراء، لكل حوراء وصيف ووصيفة، وسبعون ألف غلمان، وسبعون ألف ولدان، وسبعون ألف قَهَارِمَة، وسبعون ألف حجاب، وكل من قرأ قل هو الله أحد في تلك الليلة، يكتب له أجر سبعين شهيدا، وتقبل صلوته التي صلاها قبل ذلك، ويقبل ماصلى بعدها، وإن كان والداه في النار دعا لهما، أخرجهما الله من النار بعد أن لم يشركا بالله شيئا، ويدخلان الجنة، ويشفع كل واحد منهما في سبعين ألفا الى آخر ثلث مرات، والذي بعثني بالحق، إنه لا يخرج من الدنيا حتى يرى منزله من الجنة كما خلقه الله أويرى له، والذي بعثني بالحق، إن الله يبعث في كل ساعة من ساعات الليل والنهار، وهي أربع وعشرون ساعة، سبعين ألف ملك، يسلمون عليه، ويصافحونه، ويدعون له، إلى أن ينفخ في الصور، ويحشريوم القيامة مع الكرام

البررة، ويأمر الكاتبين على أن لا تكتبوا على عبدي سيئة، واكتبوا الحسنات إلى أن يحول عليه الحول، ومن صلى هذه الصلوة وهويريد الصلوة والدار الآخرة يجعل الله له نصيبا من عنده تلك الليلة.

وأخرج الجَوْزَقَانِي في الأباطيل، ومن طريقه ابن الجوزي في الموضوعات (ص:١٢٨/٢):أنبأنا محمد بن جابان المُذَكِّر، أنبأنا أبو بكر محمد بن علي زِيْرَك، أنبأنا أبو سهل عبيد الله بن محمد بن زِيْرَك، أنبأنا أبو بكر بن أبي زكريا الفقيه، حدثنا إبراهيم بن محمد الدَرْبَنْدِي، حدثنا أحمد بن أصرم المُزَنِي، حدثنا أبو إبراهيم التَرْجُمَانِي، حدثنا صالح الشامي، عن عبد الله بن ضرار، عن يزيد بن محمد، عن أبيه محمد بن مروان، عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرة (قل هو الله أحد) في مائة ركعة، لم يخرج من الدنيا حتى يبعث الله إليه في منامه مائة ملك، ثلاثون يبشرونه بالجنة، وثلاثون يؤمنونه من النار، وثلثون يعصمونه من أن يخطئ، وعشر يكيدون من عاداه.

وأخرج ابن الجوزي (ص: ١٢٨ج: ١) قال: أخبرنا محمد بن ناصر، أنبأنا أبو علي بن البَنَّاء، أنبأنا أبو عبد الله الحسين بن عمر العَلاَّف، حدثنا أبو القاسم الفَامِي، حدثنا علي بن بُنْدَار البَرْدَعِي، حدثنا أبو يوسف يعقوب بن عبد الرحمن، حدثنا محمد بن عبيد الله قال: سمعت أبي يقول: حدثنا علي بن عاصم، عن عمرو بن مِقْدَام، عن جعفر بن محمد، عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ ليلة النصف من شعبان ألف مرة (قل هو الله أحد) في مائة ركعة، في كل

ركعة الحمد مرة و (قل هو الله أحد) عشر مرات، لم يمت حتى يبعث الله إليه مائة ملك، ثلاثون يبشرونه بالجنة، وثلاثون يؤمنونه من النار، وثلاثون يقومونه أن يخطئ، وعشرة أملاك يكتبون أعداءه .

قال ابن الجوزي: هذا حديث لا نشك أنه موضوع، وجمهور رواته في الطرق الثلاثة مجاهيل، وفيهم ضعفاء بمرّة، والحديث محال قطعا، وقد رأينا كثيرا ممن يصلي هذه الصلوة يتفق قصر الليل، فينامون عقيبها فتفوتهم صلوة الفجر، ويصبحون كسالى، وقد جعلها جهلة أئمة المساجد مع صلوة الرغائب ونحوها من الصلوات شَبَكَة لمجمع العوام وطلبا للرياسة والتقدم، وملأ بذكرها القصاص مجالسهم، وكل ذلك عن الحق بمَعْزِل، انتهى .

وقد وافق ابنَ الجوزي السيوطي في اللآلي (ص: ٥٠و٥١ج:٢) وابن عرَّاق في تنزيه الشريعة (ص: ٩٣ج:٢)، وذكر الذهبي الطريق الأول في الميزان في ترجمة علي بن الحسن بن يَعْمَر السامي الراوي عن الثوري، وقال: وهو باطل. ووافقه الحافظ ابن حجر في اللسان.

وعلي بن الحسن[أي: في السند الأول] كذبه الدَارَقُطْنِي، وقال ابن حِبَّان: لا يحل كتب حديثه إلا على جهة التعجب. وقال الحاكم وأبو سعيد النَقَّاش: روى أحاديث موضوعة .

الصورة الثانية:

قال ابن الجوزي (ص: ١٢٩ج: ١) قال: أخبرنا محمد بن ناصر، أنبأنا أبو علي بن البَنَّاء، أنبأنا أحمد بن علي الكاتب، أنبأنا أبو سهل

عبد الصمد بن محمد القَنْطَرِي، حدثنا أبو الحسن علي بن أحمد البُزْنَانِي، حدثنا أحمد بن عبد الله بن داود، حدثنا محمد بن جبهان، حدثنا عمر بن عبد الرحيم، حدثنا محمد بن وهب بن عطية الدِمَشْقِي، عن بقية بن الوليد، عن ليث بن أبي سليم، عن القعقاع بن مِسْوَر الشيباني، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: من صلى ليلة النصف من شعبان ثنتي عشرة ركعة، يقرأ في كل ركعة (قل هو الله أحد) ثلاثين مرة، لم يخرج حتى يرى مقعده من الجنة، ويشفع في عشرة من أهل بيته كلهم وجبت لهم النار.

قال ابن الجوزي: هذا موضوع أيضا، وفيه جماعة مجهولون قبل أن يصل إلى بقية وليث، وهما ضعفاء فالبلاء من قبله[وفي نسختنا:ممن قبلهم]. وأقرّه السيوطي في اللآلي(ص:٢/٥٩) وابن عرَّاق في تنزيه الشريعة (ص:٩٣) والزَبِيْدِي في الإتحاف (ص:٣/٤٢٦) .

الصورة الثالثة:

وأخرج الجَوْزَقَانِي ومن طريقه ابن الجوزي(ص:١٢٩ج:٢): أنبأنا أبو الحسين علي بن الحسن ابن محمد الكَرَجِي، حدثنا: أبو عبد الله الحسين بن علي بن محمد الخطيب، أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحُسُكَانِي، حدثني أبو القاسم عبد الخالق بن علي المؤذن، حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القُوْمَسِي، حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر، حدثنا أحمد بن عبد الكريم، حدثنا خالد الحِمْصِي، عن عثمان بن سعيد بن كثير، عن محمد بن المهاجر، عن الحكم بن عتيبة،

عن إبراهيم، قال: قال علي بن أبي طالب رضي الله عنه: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة النصف من شعبان قام فصلى أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأم القران أربع عشرة مرة، و (قل هو الله أحد) أربع عشرة مرة، و (قل أعوذ برب الفلق) أربع عشرة مرة، و (قل أعوذ برب الناس) أربع عشرة مرة، وآية الكرسي مرة، و(لقد جاء كم رسول) الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عما رأيت من صنيعة، فقال: من صنع مثل الذي رأيت كان له كعشرين حجة مبرورة وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح في ذلك اليوم صائما كان له كصيام سنتين، سنة ماضية وسنة مستقبلة. قال ابن الجوزي: هذا موضوع. وأقره السيوطي وابن عرَّاق والزَبِيْدِي، وقد تقدم الكلام عليه»[1].

* * * * *

---

[1] اليواقيت الغالية: فصل الثالث، ۲/۳۲۴ - ۳۲۷۔

۷ - جزء نصف شعبان روزے کی فضیلت

خاص نصف شعبان کے روزے کی فضیلت پر مشتمل مشہور روایت کو اگرچہ قطعی طور پر موضوع نہ کہا جاسکے لیکن بطریق ظن غالب اس کو موضوع کہا جاسکتا ہے، اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے تو بھی یہ حدیث شدید ضعیف ہونے کی وجہ سے نا قابلِ عمل ہے۔

"**سوال**": مندرجہ ذیل مسئلہ میں علماء تحقیق کی کیا رائے ہے؟

شعبان کی ۱۵ تاریخ یعنی شب برأت کو روزہ رکھنا ہم مستحب سمجھتے ہیں اور امت کا ایک بڑا طبقہ اس پر عمل کرتا چلا آرہا ہے، مگر ایک غیر مقلد عالم اس روزہ کو بدعت اور معصیت قرار دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شعبان کی ۱۴، ۱۳ تاریخوں کے ساتھ ۱۵ تاریخ کو ملا کر تین روزے ایام بیض کے بنالئے جائیں تو درست ہے، ورنہ صرف ۱۵ تاریخ کا ایک روزہ ممنوع اور بدعت ہو گا۔

"مشکوۃ شریف" (۱۱۵) پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ جو روایت آئی ہے: «إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، الحديث». [جب نصف شعبان ہو جائے تو اس کی رات میں نماز پڑھو اور دن میں روزہ رکھو، الحدیث] اور صاحبِ مشکوۃ نے اس روایت کو ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ سے لیا ہے اس روایت کو غیر مقلد عالم موضوع بتاتے ہیں، اور دلیل میں "ترمذی" کے شارح مولانا عبد الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (جو خود بھی غیر مقلد تھے) کی تصنیف "تحفۃ الاحوذی" کی (۲/۵۳) پر آئی ہوئی یہ عبارت پیش کرتے ہیں:

«وفي سنده أبوبكر بن عبد الله بن محمد بن أبي سَبْرَة القرشي العامري المدني، وقيل: اسمه عبد الله، وقيل: محمد، وقد ينسب إلى جده، رموه بالوضع إلخ».

[اور اس کی سند میں ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابو سَبرَہ قرشی عامری مدنی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام عبد اللہ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ محمد ہے، اور یہ شخص کبھی دادا کی جانب منسوب ہو جاتا ہے، محدثین نے اس پر وضع حدیث کی جرح کی ہے الخ]

اور فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بالا میں ابو بکر بن عبد اللہ راوی واضع الحدیث تھا، اس لئے یہ روایت موضوع ٹھہری، پس شب برأت کا روزہ ثابت بالحدیث نہیں، اس لئے اب یہ روزہ بدعت ہے۔

اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

❶ کہ روایت مذکورہ موضوع ہے یا ضعیف؟

❷ ضعیف اور موضوع روایتوں کا اعمال میں کیا حکم ہے؟

❸ ابو بکر بن عبد اللہ راوی کیا متفق علیہ واضع الحدیث تھے؟

❹ صاحب "تحفۃ الاحوذی" کی تحقیق کیا صحیح ہے؟

❺ شب برأت کا روزہ کیا بدعت ہے؟

جواب:

❶ حدیث مذکورہ "ابن ماجہ" (۱۰۰) اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں تخریج کی ہے:

«قال ابن ماجه: (۱۰۰) باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان،

حدثنا الحسن بن علي الخلال، ثنا عبدالرزاق، أنبأنا ابن أبي سَبْرَة، عن إبراهيم بن محمد، عن معاوية بن عبدالله بن جعفر، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا فيقول: ألا من مستغفر فأغفرله، ألامسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا، ألا كذا، حتى يطلع الفجر.

قال السيوطي: في الدر المنثور(٦/٢٦): أخرجه ابن ماجه والبيهقي في شعب الإيمان .

قال الزَبِيْدِي في الإتحاف(٣/٤٢٥): وأخرجه عبدالرزاق في مصنفه.

قلت: لم أجده في المصنف، وقد ترجم في مصنفه في كتاب الصوم(٤/٣١٦) باب النصف من شعبان، ولم يذكر فيه هذه الرواية.

قال العراقي في تخريج الإحياء(١/١٨٢): إسناده ضعيف، وأشار إليه المنذري في ترغيبه(٢/٢٢٩) إذ صدره بلفظة: روي، ولم يذكر الكلام في آخره بتصحيح ولا تحسين، قال في مقدمة الترغيب: فيكون للإسناد الضعيف دلالتان، تصديره بلفظة: روي، وإهمال الكلام عليه في آخره.

وقال السندي(١/٢١٧): في الزوائد: إسناده ضعيف لضعف ابن أبي سَبْرَة، قال فيه أحمد وابن معين: يضع الحديث اهـ».

[ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔۔۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے

نقل کرتے ہیں کہ جب نصف شعبان ہو تو رات کو نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے وقت آسمانِ دنیا پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، اور فرماتے ہیں: غور سے سنو! کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کر دوں، توجہ کرو! کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسے عافیت دیدوں، توجہ کرو! کیا کوئی اس طرح ہے، توجہ کرو! کیا کوئی اس طرح ہے، حتی کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ”در منثور“ میں فرماتے ہیں: اسے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ”شعب الایمان“ میں تخریج کیا ہے۔

زَبیدِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اسے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ”مصنف“ میں تخریج کیا ہے۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں: مجھے مصنف میں یہ روایت نہیں ملی، اور عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں ”کتاب الصوم، نصف شعبان کا باب“ عنوان قائم کیا ہے، لیکن یہ روایت ذکر نہیں کی۔

عراقی رحمۃ اللہ علیہ ”تخریج احیاء“ میں لکھتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے، اور اس ضعف کی جانب منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”ترغیب“ میں اشارہ کیا ہے، کیونکہ وہ اس روایت کو لفظِ ”رُوِیَ“ سے لائے ہیں اور آخر میں روایت کی تصحیح یا تحسین کا کوئی کلام نہیں فرمایا، اور منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ترغیب کے مقدمہ میں کہا ہے: ضعیف سند پر دو چیزیں دلالت کریں گی، ایک لفظِ ”رُوِیَ“ کے ساتھ اسے ذکر کرنا اور دوسرا آخر میں اس پر کلام نہ کرنا۔

اور سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ابن ابو سَبرَہ ضعیف راوی ہے، جن کے بارے میں احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن مَعین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے

کہ یہ حدیث گھڑتا تھا، اھ]

اس حدیث کا دار و مدار ابراہیم بن محمد اور اس کے تلمیذ ابو بکر بن ابی سَبُرَہ پر ہے، ابراہیم بن محمد کون ہے؟ کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، ظاہر تو یہ ہے کہ یہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، اور محتمل ہے کہ کوئی اور ہو۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (۲۲۵/۱) نے اپنے والد ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک راوی کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

«إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب الهاشمي روى عن أبيه، روى عنه سعد بن زياد أبو عاصم مولى بني هاشم وابن عيينة ويعقوب بن عبدالرحمن الإسكندراني».

[ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب ہاشمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، اور ان سے سعد بن زیاد ابو عاصم مولی بنی ہاشم، ابن عیینہ اور یعقوب بن عبد الرحمن اسکندرانی روایت نقل کرتے ہیں]

حافظ جمال الدین المزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كأنه هو. یعنی راوی حدیث غالباً وہی راوی ہے جس کا تذکرہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کتاب ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ میں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، فرماتے ہیں:

«إبراهيم بن محمد عن بعض التابعين وهو معاوية بن عبد الله بن جعفر عن أبيه في ليلة النصف، وعنه ابن عيينة وأبوبكر بن

أبي سَبْرَة، فإن كان إبراهيم بن محمد بن علي بن عبد الله بن جعفر بن أبي طالب فقال فيه ابن أبي حاتم: روى عن أبيه وعنه سعد بن زياد وابن عيينة ويعقوب بن عبدالرحمن [انتهى كلام ابن أبي حاتم].

[قال الذهبي] ولعله ابن أبي يحيي، وإلا فليس بالمشهور، انتهى [كلام الذهبي] ».

[ابراہیم بن محمد ایک تابعی سے، اور وہ معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ کی سند سے نصف شعبان والی روایت نقل کرتے ہیں، اور اس ابراہیم سے ابن عیینہ اور ابو بکر بن ابو سَبُرَہ نے روایت نقل کی ہے، اگر یہ ابراہیم، ابن محمد بن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے تو ابن ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں کہا ہے: یہ اپنے والد سے، اور ان سے سعد بن زیاد، نیز ابن عیینہ ویعقوب بن عبد الرحمن نے روایت نقل کی ہے، ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

(ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں) شاید یہ ابراہیم، ابن ابی یحیی ہو، ورنہ پھر یہ مشہور روای نہیں ہے، ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«أظنه ابن أبي يحيي وهو من أقران ابن أبي سَبْرَة، انتهى». [میرا گمان ہے کہ یہ ابن ابی یحیی ہے جو ابن ابی سَبُرَہ کا قرین ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا]

احقر کا گمان بھی یہی ہے کہ یہ راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی ہے، اگر دوسرا ہے، جس کا اوپر ذکر ہوچکا تو اس کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب

”الثقات“ میں ذکر کیا ہے، اور اگر ابن ابی یحییٰ ہے تو یہ راوی جمہور علماء کے نزدیک مجروح متروک اور متہم بالکذب ہے۔

صرف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حمدان بن محمد الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ابوسعید احمد بن محمد بن سعید الشہیر بابن عُقْدَہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابواحمد عبد اللہ بن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تقویت کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «لأن يَخِرُّ إبراهيم من بُعْد أحَبُّ إليه من أن يكذب، وكان ثقة في الحديث». [میرے نزدیک ابراہیم کا دور دراز مقام سے نیچے گرنا، ان کے جھوٹ بولنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، وہ حدیث میں ثقہ ہیں]

ابواحمد بن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

«سألت أحمد بن محمد بن سعيد يعني بن عُقْدَة فقلت له: تعلم أحدا أحسن القول في إبراهيم غير الشافعي؟ فقال: نعم، حدثنا أحمد بن يحيي الأودي سمعت حمدان بن محمد الأصبهاني قلت: أَتَدِيْنُ بحديث إبراهيم بن أبي يحيي؟ قال: نعم، قال لي أحمد بن محمد بن سعيد: نظرت في حديث إبراهيم كثيرا وليس بمنكر الحديث».

[میں نے احمد بن محمد بن سعید یعنی ابن عُقْدَہ سے پوچھا کہ کیا شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جن کی ابراہیم کے بارے میں اچھی رائے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہمیں احمد بن یحییٰ اودی نے بتایا کہ میں نے حمدان بن محمد اصبہانی سے یہ سنا - جبکہ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ ابراہیم بن ابویحییٰ کی احادیث کو اختیار کرتے ہیں-انہوں نے کہا کہ ہاں، (حافظ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) مجھے

احمد بن محمد بن سعید نے کہا کہ میں نے ابراہیم کی احادیث کو بہت دیکھا اور وہ منکر الحدیث نہیں ہے]

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

«وهذا الذي قاله كما قال: وقد نظرت أنا أيضا في حديثه الكثير فلم أجد فيه منكرا إلا عن شيوخ يحتملون، وإنما يروى المنكر من قبل الراوي عنه أو من قبل شيخه، وهو في جملة من يكتب حديثه».

[یہ تو وہ بات تھی جو انہوں نے کہی، اور پھر میں نے بھی ابراہیم کی احادیث کو خوب دیکھا، میں نے ان احادیث میں صرف وہی منکر روایات پائی ہیں جو ان کے ایسے شیوخ سے منقول ہیں جو منکر احادیث نقل کرتے ہیں، نے روایت کی ہیں، نیز منکر روایت یا تو ان سے نقل کرنے والے کی جانب سے ہوتی ہے، یا اس نقل کرنے والے کے شیخ کی جانب سے ہوتی ہے، البتہ ابراہیم بذاتِ خود ان لوگوں میں سے ہے جن کی احادیث لکھی جائیں گی]

لیکن ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عبد الرحمن بن ابی جابر البیاضی کے ترجمہ میں ان کو ضعیف کہا ہے، اور محققین علماء نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔

یحیٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ، یحیٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ”كذاب“.

بشر بن المفضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «سألت فقهاء أهل المدينة فكلهم يقولون كذاب». [میں نے اہل مدینہ کے فقہاء سے سنا، جو سب کے سب کہتے تھے کہ یہ جھوٹا ہے]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «تركه ابن المبارك والناس». ابن مبارک اور دوسرے لوگوں نے اسے ترک کر دیا تھا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ، یعقوب بن سفیان الفَسَوِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «متروك الحديث».

یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «سألت مالكا عنه أكان ثقة؟ قال: لا، ولاثقة في دينه». [میں نے مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ ثقہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ تو دین میں بھی ثقہ نہیں ہے]

یحییٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «ليس بثقة».

بلکہ حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "التمہید" میں لکھا ہے: «أجمعوا على تجريح ابن أبي يحيى إلا الشافعي اهـ». [شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام علماء کا ابن ابی یحییٰ پر جرح میں اتفاق ہے]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "تقریب التہذیب" میں فرماتے ہیں: «متروك».

اور ان کے تلمیذ ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سَبرَۃ القرشی اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (۱/۱۷۸)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۹)، ابو بشر الدولابی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۱)، خلیفہ بن خیاط رحمۃ اللہ علیہ (۴۳۷)، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور ابو بکر الخطیب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴/۳۶۷) نے ان کا کوئی نام نہیں بتایا۔

ابو احمد الحاکم رحمۃ اللہ علیہ اور ابو محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ (۳۰۶/۴، ق: ۲) ابو سعد السمعانی رحمۃ اللہ علیہ (۷/۵۹) کہتے ہیں کہ ان کا نام محمد ہے۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: محمد ان کے بھائی کا نام ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”میزان الاعتدال“ میں ان کا نام عبد اللہ لکھا ہے، یہی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تہذیب التہذیب“ میں بعض علماء سے نقل کیا ہے۔

اپنے زمانہ کے مشہور علماء اور اہل فتویٰ میں شمار ہوتے تھے: «قال مصعب الزبيري: كان من علماء قريش، ولاه المنصور القضاء، كذا نقله الخطيب (١٤/٣٦٨)». [مصعب زبیری فرماتے ہیں کہ یہ علماء قریش میں سے ہیں، منصور نے انہیں قاضی بنایا تھا، اسی طرح خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے]

یعقوب بن سفیان الفَسَوِی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”تاریخ“ (١/٦٨٥) میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

«قال: لما لقيت أبا جعفر قال لي: يا مالك! من يفتي بالمدينة من المشيخة؟ قال: قلت: يا أمير المؤمنين! ابن أبي ذئب وابن أبي سلمة وابن أبي سَبْرَة».

[وہ فرماتے ہیں کہ جب میں ابو جعفر سے ملا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اے مالک! مشائخ میں سے کون کون مدینہ میں فتویٰ دیتے ہیں، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ابن ابی ذئب، ابن ابی سلمہ اور ابن ابی سَبْرَہ]

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے حارث بن محمد بن سعد سے نقل کیا ہے: «كان كثير العلم والسماع والرواية، ولي قضاء مكة لزياد بن عبد الله، وكان يفتي بالمدينة». [بہت زیادہ علم والے، کثرتِ سماع وروایت والے شخص تھے، زیاد بن عبد اللہ کے زمانے میں مکہ کے قاضی مقرر ہوئے، اور مدینہ میں فتویٰ دیتے تھے]

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «كان مفتي أهل المدينة». [مدینہ

والوں کے مفتی تھے]

لیکن اس علم وفضل اور تفقہ کے باوجود نقل احادیث میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے، تمام اہل فن ان کی تضعیف اور ان کے غیر معتبر ہونے پر یک زبان ہیں۔

امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن مَعِین رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف الفاظ ان کی تضعیف کے متعلق نقل کئے جاتے ہیں:

«قال في رواية عبد الله بن شعيب: ضعيف الحديث، وقال في رواية العباس الدوري ومعاوية بن صالح: ليس حديثه بشيء، وقال في رواية ابن أبي مريم: ليس بشيء .

وقال علي بن المَدِيْنِي: كان ضعيفا في الحديث، وقال مرة: كان منكر الحديث، وهو عندي نحو ابن أبي يحيى.

وقال الجُوزجاني: يضعف حديثه.

وقال البخاري في الكنى(٩) والضعفاء الصغير(١٢٤): ضعيف، وقال في التاريخ الصغير(٢/١٨٤): منكر الحديث.

وقال النسائي في الضعفاء والمتروكين(١١٥) وعبد الحق في أحكامه: متروك الحديث.

وقال أبو إسحاق الحربي: غيره أوثق منه.

وقال أبوأحمد الحاكم: ليس بالقوي عندهم.

وقال البزار: لين الحديث.

وقال أبوبكر المروزي عن أحمد بن حنبل: ليس هو بشيء .

وقال عبدالله بن أحمد في العلل(١٧٨): سمعت أبي: أبوبكر بن أبي سَبْرَة يضع الحديث، ثم قال: قال حجاج: قال لي أبوبكر السَبْرِي: عندي سبعون ألف حديث في الحلال والحرام. قال أبي: وليس حديثه بشيء، كان يكذب ويضع الحديث.

وقال ابن أبي حاتم: حدثنا صالح بن أحمد بن حنبل قال أبي: ابن أبي سَبْرَة يضع الحديث.

وقال ابن عدي: عامة مايرويه غير محفوظ، وهو من جملة من يضع الحديث.

وقال أبو حاتم بن حبان البستي(٣/١٤٧): كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات، لايحل كتابة حديثه ولا الاحتجاج به بحال.

[قال الشيخ الجونفوري] وكذا قال السمعاني في أنسابه تبعا لابن حبان من غير تصريح باسمه كما هو عادته في الأنساب ينقل كثيرا كلام ابن حبان ولاينسب إليه.

وقال الحاكم أبوعبد الله: يروي الموضوعات عن الأثبات.

وقال الذهبي في المغني: كذبه ابن حنبل. وقال في كنى المغني: تركوه.

وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: رموه بالوضع، وقال مصعب الزبيري كان عالما اهـ».

[(یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ، ابن ابی سَبْرَہ کو) عبد اللہ بن شعیب کی روایت میں ضعیف الحدیث، اور عباس دُورِی رحمۃ اللہ علیہ ومعاویہ بن صالح کی روایت میں «لیس حدیثه بشيء»

کہا ہے، اور ابن ابی مریم کی روایت میں «لیس بشيء» کہا ہے۔

علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث میں ضعیف تھا، اور ایک مرتبہ آپ نے یوں کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے، اور میرے نزدیک یہ ابن ابی یحیی کی طرح ہے۔

جُوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث کی تضعیف کی جاتی ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”کُنیٰ“ و ”ضعفاء صغیر“ میں اسے ضعیف، اور ”تاریخ صغیر“ میں منکر الحدیث کہا ہے۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ ”ضعفاء ومتروکین“ میں، اور عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ ”احکام“ میں اسے متروک الحدیث کہتے ہیں۔

ابو اسحاق حربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے علاوہ لوگ زیادہ ثقہ ہیں۔

ابو احمد الحاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک یہ ثقہ نہیں ہے۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ لین الحدیث ہے۔

ابو بکر مَروَزِی، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: یہ لیس بشیء ہے۔

عبد اللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ ”علل“ میں لکھتے ہیں: میں نے اپنے والد سے سنا کہ ابو بکر بن ابی سَبرَہ حدیث گھڑتا تھا، پھر فرمایا کہ حجاج نے کہا کہ مجھ سے ابو بکر سَبرِی نے کہا تھا کہ میرے پاس حلال وحرام کی ستر ہزار احادیث موجود ہیں، میرے والد نے مجھے کہا کہ اس کی احادیث کچھ نہیں، یہ جھوٹ بولتا تھا، اور احادیث گھڑتا تھا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھے میرے والد نے کہا کہ ابن ابی سَبرَہ حدیث گھڑتا تھا۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی اکثر احادیث محفوظ نہیں ہیں، یہ من جملہ حدیث گھڑنے والوں میں سے ہے۔

ابو حاتم ابن حبان بُستِی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ثقہ لوگوں کے انتساب سے من گھڑت روایات نقل کرتے تھے، بہر صورت اس کی حدیث لکھنا اور اس سے احتجاج جائز نہیں ہے۔

(حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع میں سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے "انساب" میں اسی طرح کہا ہے، لیکن ان کا نام نہیں لیا، جیسا کہ "انساب" میں ان کی عام عادت ہے کہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بہت سے مقامات پر ان کی جانب انتساب کیے بغیر نقل کر دیتے ہیں۔

ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ثقہ راویوں کے انتساب سے من گھڑت روایات نقل کرتا تھا۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "مغنی" میں کہا ہے کہ ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جھوٹا کہا ہے، اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے "المغنی" کے "کُنیٰ" میں لکھا ہے: محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "تقریب" میں لکھتے ہیں: محدثین نے اسے وضعِ حدیث کے قول سے مجروح کیا ہے، اور مصعب زبیری کہتے ہیں کہ یہ عالم تھا، اھ]

موصوف کے متعلق محدثین ناقدین کے زبان و قلم سے بارہ الفاظ نکلے ہیں:

❶ لين الحديث، قاله البزار.

❷ ليس بالقوي عندهم، قاله أبوأحمد الحاكم.

❸ يضعف حديثه، قاله الجُوزجاني.

❹ غيره أوثق منه، قاله الحربي.

❺ ضعيف الحديث، قاله ابن المَدِيْنِي وابن معين والبخاري.

❻ ليس بشيء، قاله ابن معين. ليس هوبشيء، ليس حديثه بشيء، قالهما أحمد .

یہ تینوں کلمات متقارب بلکہ اول دونوں تو ایک ہی ہیں، فرق یہ ہے کہ ایک میں ضمیر مظہر کا ذکر ہے اور دوسرے میں نہیں، اور تیسرا پہلے دونوں کے معنی میں ہے اس لئے کہ کسی کی حدیث کا بے اعتبار ہونا خود اس کے بے اعتبار ہونے کی دلیل ہے، اس لئے تینوں کلمات ایک ہی درجہ میں رکھے گئے۔

❼ منكر الحديث، قاله علي بن المَدِيْنِي والبخاري.

❽ متروك الحديث، قاله النسائي وعبد الحق.

❾ لاتحل كتابة حديثه.

❿ ولا الاحتجاج به، قالهما ابن حبان.

⓫ كان يكذب، قاله الإمام أحمد .

⓬ يضع الحديث، قاله أحمد، ونحوه قول ابن عدي: هو في جملة من يضع الحديث، وقول ابن حبان والحاكم: يروي الموضوعات عن الأثبات.

راوی مذکور کی روایت کا مقام تو اس کے متعلق ناقدین کے الفاظ مذکورہ سے خود متعین ہو جاتا ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرات محدثین نے جرح و تعدیل کے الفاظ کی شدت و خفت کے پیشِ نظر ان کے مختلف درجات و مراتب متعین کئے ہیں۔۔۔۔

[راقم الحروف طارق کہتا ہے کہ حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مراتبِ جرح و تعدیل، نیز مراتبِ محدثین سے فارغ ہو کر لکھتے ہیں]

راوی ابن ابی سبرہ

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کے راوی ابن ابی سبرہ کے اندر ساتویں مرتبہ کے علاوہ باقی سارے مراتب جرح پائے جاتے ہیں، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس راوی پر متشددین نے کلام کیا ہے، اس لئے کہ تینوں قسم کے ناقدین نے کلام کیا ہے اور کذب، وضع کا الزام متشدد و متساہل و معتدل سبھی قسم کے لوگوں نے لگایا ہے۔

نیز متشددین کا کلام وہاں محل غور ہوتا ہے جہاں کوئی دوسرا ناقد فن مخالفت کرے، اور اگر موافقت کرے پھر تو نقد اور قوی ہو جاتا ہے اور راوی پر کذب و وضع کا الزام لگایا گیا ہو اس کی روایت ناقابل اعتبار ہوگی اور عمل کے لائق نہیں ہوگی، کیونکہ بابِ عمل میں کسی حدیث کے مقبول ہونے کی چھ شرائط ہیں:

① اتصال السند ② والعدالة ③ والضبط ④ نفي الشذوذ ⑤ نفي العلة القادحة ⑥ العاضد عند الاحتجاج إليه، كما في شرح الألفية للعلامة السخاوي والزين زكريا الأنصاري (ص:١/١١٢).

اس روایت میں عدالت بھی مفقود ہے اور کوئی عاضد یعنی مقوی و مؤید تابع یا شاہد بھی نہیں ہے، اس لئے کہ إحياء ليلة النصف من شعبان کے متعلق اگرچہ بعض روایتیں ملتی ہیں جیساکہ آگے آرہا ہے لیکن صوم نصف شعبان کی اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں ہے، ایک روایت آگے آرہی ہے جس میں صوم کا ذکر ہے لیکن وہ موضوع ہے، اور علت قادحہ بھی موجود ہے کہ اس کا راوی بالاتفاق مجروح ہے اور ائمہ فن نے اس پر شدید جرح کی ہے، کذب اور وضع حدیث کا الزام لگایا ہے، اور جس حدیث کا راوی کاذب ہو متہم بالوضع ہو وہ موضوع کہلاتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ طعن فی الراوی کے اسبابِ عشرہ لکھتے ہوئے "شرح النخبۃ" (۸۰) میں لکھتے ہیں:

«فالطعن بكذب الراوي في الحديث النبوي هو الموضوع، والحكم عليه بالوضع إنما هو بطريق الظن الغالب لا بالقطع، إذ قد يصدق الكذوب، لكن لأهل العلم بالحديث ملكة قوية يميزون بها ذلك، وإنما يقوم بذلك منهم من يكون اطلاعه تاما، وذهنه ثاقبا، وفهمه قويا، ومعرفته بالقرائن الدالة على ذلك متمكنة اهـ».

[حدیثِ نبوی میں کذب بولنے کی وجہ سے (محدثین کا) طعن کرنا، (اس روایت کے) موضوع (ہونے کا موجب) ہے، اور اس روایت پر وضع کا حکم ظن غالب کے طور پر ہے نہ کہ قطعی طور پر، کیونکہ خوب جھوٹ بولنے والا بھی کبھی کبھی سچ بولتا ہے، لیکن علماءِ حدیث کو ایک قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے جس کی بدولت وہ ان میں فرق کر لیتے ہیں، اور محدثین میں یہ کام صرف وہی کر سکتے ہیں جس کی معلومات کامل ہوں، ذہن روشن، فہم قوی ہو، اور ان چیزوں پر دلالت کرنے والے قرائن کی معرفت انہیں اس

امر پر قادر بنادیتی ہے، اھ)]

اب نتیجہ کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ یہ روایت اگرچہ قطعی طور پر موضوع نہ کہی جاسکے لیکن بطریق ظن غالب اس کو موضوع کہا جاسکتا ہے، اور موضوع روایت سے بالاجماع کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر اس کو ضعیف ہی قرار دیا جائے جیساکہ منذری رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ، بُوصِیرِی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے تو بھی یہ حدیث ناقابلِ عمل ہے، اس لئے کہ حدیث ضعیف اگرچہ باب فضائل میں جمہور علماء نے معتبر مانی ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو، مثلا اس کا راوی کذاب یا متہم بالکذب، فاحش الغلط نہ ہو، اس کے علاوہ اور بھی بعض شرائط ہیں جو آگے آرہے ہیں، اور یہ حدیث شدید الضعف ہے۔

ایک اور روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن وہ بھی غیر معتبر ہے:

«قال ابن الجوزي في كتاب الموضوعات(٢/١٢٩): أنبأنا إبراهيم بن محمد الأَزْجِي، قال أنبأنا الحسين بن إبراهيم، أنبأنا أبو الحسين علي بن الحسن بن محمد الكَرْجِي، حدثنا أبو عبد الله الحسين بن علي بن محمد الخطيب، أنبأنا الحاكم أبو القاسم عبد الله بن أحمد الحُسْكَانِي، حدثني أبو القاسم عبد الخالق بن علي المؤذن، حدثنا أبو جعفر محمد بن بسطام القُوْمَسِي، حدثنا أبو جعفر أحمد بن محمد بن جابر، حدثنا أحمد بن عبد الكريم، حدثنا خالد الحِمْصِي، عن عثمان بن سعيد بن كثير، عن محمد بن المهاجر، عن الحكم بن عتيبة،

عن إبراهيم، قال: قال علي بن أبي طالب رضي الله عنه رأيت رسول الله ﷺ ليلة النصف من شعبان قام فصلى أربع عشرة ركعة، ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بأم القرآن أربع عشرة مرة، وقل هو الله أحد أربع عشرة مرة، وقل أعوذ برب الفلق أربع عشرة مرة، وقل أعوذ برب الناس أربع عشرة مرة، وآية الكرسي مرة، و لقد جاء كم رسول الآية، فلما فرغ من صلوته سألته عما رأيت من صنيعه، فقال: من صنع مثل الذي رأيت كان له كعشرين حجة مبرورة، وكصيام عشرين سنة مقبولة، فإن أصبح في ذلك اليوم صائما كان له كصيام سنتين، سنة ماضية، وسنة مستقبلة.

قال ابن الجوزي(٢/١٣٠): هذا موضوع أيضا، وإسناده مظلم، وكان واضعه يكتب من الأسماء ما وقع له، ويذكر قوما ما يعرفون، وفي الإسناد محمد بن المهاجر، قال ابن حنبل: يضع الحديث، انتهى .

قال السيوطي في اللآلي(٢/٦٠): أخرجه البيهقي في الشعب: أنبأنا عبد الخالق به، وقال: يشبه أن يكون هذا الحديث موضوعا، وهو منكر، وفي رواته قبل عثمان بن أبي سعيد مجهولون، انتهى.

قلت [أي: الشيخ الجونفوري]: والحسين بن إبراهيم شيخ شيخ ابن الجوزي هو الجَوْزَقَانِي أورد هذا الحديث في كتاب الأباطيل.

فهولاء ثلاثة من الأئمة اتفقوا على كون هذا الحديث موضوعا، وقد تبعهم السيوطي في اللآلي وغيره من كتبه وابن عراق في تنزيه الشريعة (٢/٩٤) والزَبِيْدِي في إتحاف السادة (ص:٣/٤٢٦)».

[ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الموضوعات" میں فرماتے ہیں: ۔۔۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف شعبان کی رات کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ رکعات نماز پڑھی، پھر نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ کر چودہ مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی، سورۂ اخلاص چودہ مرتبہ پڑھی، سورۂ فلق چودہ مرتبہ پڑھی، سورۂ الناس چودہ مرتبہ پڑھی، آیت الکرسی ایک مرتبہ پڑھی، آیت شریفہ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ الخ پڑھی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اس کے متعلق دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو تو نے دیکھا ہے اگر کوئی اس طرح کرے تو اس کے لئے بیس مقبول حج، اور بیس سال کے مقبول روزہ کی طرح ثواب لکھا جائے گا، پھر اگر وہ روزہ کی حالت میں صبح کرے تو اس کے لئے دو سال کے روزوں کا اجر ہے، ایک گزشتہ سال، اور ایک آئندہ سال۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ بھی من گھڑت ہے، اور اس کی سند تاریک ہے، اس روایت کے گھڑنے والے کو جو سمجھ میں آیا سند کے راویوں کا نام لکھ دیا ہے، اور یہ ایسے لوگوں کا نام ذکر کرتا ہے جو پہچانے نہیں جاتے، اور اس کی سند میں محمد بن مہاجر ہے، جن کے بارے میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث گھڑتا تھا، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "لآلی" میں فرماتے ہیں: اسے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں عبد الخالق کی سند سے تخریج کیا ہے، اور فرماتے ہیں: یہ حدیث موضوع کے مشابہ ہے اور یہ منکر ہے، اور اس روایت میں عثمان بن ابو سعید سے پہلے راوی مجہول ہیں، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمل ہوا۔

میں (حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الشیخ حسین

بن ابراہیم جَوُزَقانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو ”کتاب الاباطیل“ میں لائے ہیں۔

یہ تینوں ائمہ اس حدیث کے موضوع ہونے پر متفق ہیں، اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ”لآلی“ وغیرہ کتب میں ان کی اتباع کی ہے، اور اسی طرح ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ نے ”تنزیہ الشریعہ“ میں، زَبیدی نے ”اتحاف السادۃ“ میں ان کی اتباع کی ہے]

[اس کے بعد حضرت جونپوری رحمۃ اللہ علیہ مطلق ماہِ شعبان کے روزوں، نیز ضعیف و موضوع روایتوں کا اعمال میں حکم پر بحث کے بعد لکھتے ہیں]

۱۵/ شعبان کے روزہ کا حکم

⑤ - پانچواں جزء یہ ہے کہ شب برأت کا روزہ کیا بدعت ہے؟

میری معلومات میں متقدمین فقہاء نے اس روزہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی موجودہ کتابوں ”کتاب الاصل، جامع صغیر، کتاب الآثار، کتاب الحج، کتاب السیر الکبیر“ اور متون معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، متأخرین نے بھی نصف شعبان کے روزہ کی تصریح نہیں کی ہے۔

البتہ مطلقاً صوم شعبان کو مرغوبات میں شمار کیا ہے:

«قال في الفتاوى العالمكيرية (١/١٠٣): المرغوبات من الصيام أنواع: أولها: صوم المحرم، والثاني: صوم رجب، والثالث: صوم شعبان، وصوم عاشوراء هو اليوم العاشر من المحرم عند عامة العلماء والصحابة، كذا في الظهيرية، انتهى».

[فتاویٰ عالمگیریہ میں فرمایا: مرغوب روزوں کی کئی قسمیں ہیں: پہلا محرم کا روزہ، دوسرا رجب کا، تیسرا شعبان کا، چوتھا عاشورہ جو اکثر علماء وصحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک دس محرم ہے، اسی طرح ظہیریہ میں ہے، انتہیٰ]

مطلقاً صوم شعبان کے استحباب کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کثرت سے اس ماہ میں روزہ رکھنے کا ذکر وارد ہوا ہے، اور یہ کہ آپ کل شعبان کا اور گاہے اکثر کا روزہ رکھتے تھے، کما تقدم۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح سفر السعادۃ" (۳۱۰) میں مطلقاً شعبان کے روزہ کا استحباب ذکر کیا ہے اور صوم نصف شعبان کا کوئی ذکر نہیں ہے، "أشعة اللمعات" (۱/۵۴۹) میں صرف "ابن ماجہ" کی حدیث سابق کے ترجمہ پر اکتفاء کیا ہے، اسی طرح "ماثبت بالسنة" (۱۹۹) میں بھی صرف "ابن ماجہ" کی روایت ذکر کی ہے اور اس حدیث کا حال معلوم ہو چکا ہے۔

اسی طرح حنابلہ کی موجودہ کتب "مختصر الخرَقي" اس کی شرح "المغني، المقنع" اس کی شرح "الشافي" میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شافعیہ کی کتب مشہورہ جیسے "كتاب الأم للشافعي، المهذب للشيرازي، شرح المهذب للنووي اور المنهاج، المنهج، تحفة المحتاج" میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، البتہ عبد الحمید الشروانی نے "تحفة المحتاج" کے حاشیہ میں اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مالکیہ کی کتابوں میں سے "مختصر الخليل" اور اس کی شرح "جواهر الإكليل"، "رسالة ابن أبي زيد".

اس کی شرح "كفاية الطالب" اور کفایہ کے حاشیہ مصنفہ علامہ علی

صعیدی عدوی میں بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس لئے جہاں روایتی حیثیت سے خاص پندرہویں شعبان کا روزہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا وہیں فقہاء کے کلام سے بھی کوئی ثبوت نہیں نکلتا ہے، اور غالباً حضرات فقہاء نے روایت کے غیر معتبر ہونے سے سکوت فرمایا ہے۔

اور بعض متأخرین شافعیہ نے جو اس کو مندوب کہہ دیا یا یوں کہیے کہ اس کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا بظاہر انہوں نے سندِ روایت پر نظر نہیں کی ہے، یا اگر نظر کی تو تحقیق سے کام نہیں لیا۔

اگر پندرہویں دن سے قطع نظر کر لیا جائے تو پھر شعبان کے روزے کا ثبوت ان روایات صحیحہ وحسنہ سے ہوتا ہے جو ماقبل میں سوال کے جزء اول کے جواب کے اخیر میں گزر چکی ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعبان میں بلا تحدید روزہ رکھنا مندوب ہے اتباعا للنبي ﷺ.

صاحبِ ظہیریہ وغیرہ فقہاء احناف نے صیامِ مندوبہ میں جو شعبان کا تذکرہ کیا ہے اس سے یہی صورت مراد ہے، ورنہ اگر خاص نصف شعبان کا روزہ مراد ہوتا تو اس کی تصریح کر دیتے۔

اب بظاہر یہی صواب معلوم ہوتا ہے کہ نصف شعبان کا خاص کرنا اور صرف اس کا روزہ رکھنا بدعت ہے الا یہ کہ ۱۳، ۱۴ کا روزہ بھی رکھا جائے تا کہ ایام بیض کے روزے ہو جائیں۔

یہاں تک لکھنے کے بعد علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”فیض القدیر“ (۲/۳۱۷) میں ایک عبارت ملی جو ماقبل کی تحقیق کے لئے متن کا درجہ رکھتی ہے، فرماتے ہیں:

«قال المجد بن تيمية: صوم شعبان جاء في فضلها أخبار صحيحة، وأما صوم يوم نصفه مفردا فلا أصل له، بل يكره، قال: وكذا اتخاذه موسما تصنع فيه الأطعمة والحلوى، وتظهر فيه الزينة، وهو من المواسم المحدثة المبتدعة التي لا أصل لها، انتهى».

[مجد ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبان کے روزہ کی فضیلت بہت سی احادیث میں آئی ہے، البتہ خاص نصف شعبان کا روزہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے۔ نیز فرمایا کہ اس میں کھانے اور حلوے بنانے کی، اظہارِ زینت کی رسومات قائم کی جاتی ہیں، یہ انہی بدعی رسومات میں سے ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے، انتہیٰ]

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بھی علامہ مجد الدین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہیں[1]۔

* * * * *

---

[1] الیواقیت الغالیۃ: ۱۵ شعبان کا قیام اور روزہ مستحب ہے یا بدعت؟ ۲/۲۸۳- ۳۰۸۔

فہرست ومصادر

- الأباطيل والمناكير والصحاح والمشاهير للجوزقاني:ت:محمد حسن، دار الكتب العلمية ــ بيروت .
- إتحاف السادة المتقين للزبيدي:دار الكتب العلمية ــ بيروت، ط:١٤٣٣ھ .
- إتحاف المهرة بالفوائد المبتكرة من أطراف العشرة لابن حجر العسقلاني: ت:زهير بن ناصر الناصر، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ــ المدينة المنورة، ط:١٤١٥ھ.
- إتقان ما يحسن من الأخبار الواردة على الألسن لنجم الدين الغزي:ت:يحي مراد، دار الكتب العلمية ــ بيروت، ط:٢٠٠٤ء .
- الآثارالمرفوعة في الأخبار الموضوعة للكنوي:ت:محمد السعيد بسيونى زغلول، دار الكتب العلمية ــ بيروت، ط:١٣٧١ھ .
- إحياء علوم الدين للغزالي:دار الشعب ــ قاهرة .
- الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة لعلي القاري:ت:محمد الصباغ، المكتب الإسلامى ــ بيروت، ط:١٤٠٦ھ .
- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار لابن عبد البر:ت:عبدالمعطي أمين قلعجي، دارالوعي – حلب، ط:١٤١٤ھ.
- أسنى المطالب في أحاديث مختلف المراتب لمحمد بن درويش الحوت:ت: مصطفى عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية ــ بيروت، ط:١٤١٨ھ .
- الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر العسقلاني:دار الكتب العلمية ــ بيروت.

- اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:ت:ناصر عبد الكريم العقل، مكتبة الرشد - رياض، ط:١٤١٩ھ.
- البحرالزخار (المسند) للبزار:ت:محفوظ الرحمن زين الله، مؤسسة القرآن - بيروت، ط:١٤٠٩ھ.
- البداية والنهاية لابن كثير:ت:عبد الله بن عبدالمحسن التركي، دار هجر - مصر، ط:١٤١٧ھ.
- تاريخ جرجان لحمزة السهمي:مجلس دائرة المعارف العثمانية - حيدر آباد دكن.
- تاريخ دمشق لابن عساكر:ت:عمر بن غرامة العمروي، دار الفكر - بيروت، ط:١٤١٥ھ.
- تذكرة الموضوعات للفتني:كتب خانه مجيدية - ملتان.
- تذكرة الموضوعات لابن القيسراني المقدسي:ت:محمد أمين الخانجي، المطبعة السعادة - مصر، ط:١٣٣٩ھ.
- تذكرة الحفاظ لابن القيسراني المقدسي:ت:زكريا عميرات، دار الكتب العلمية - بيروت، ط:١٤١٩ھ.
- التذكرة في الوعظ لابن الجوزي:ت:طه عبدالرؤف سعد، دار ابن خلدون، ط:١٤٢٩ھ.
- تفسير القرآن العظيم لابن أبي حاتم:ت:أسعد محمد الطيب، مكتبة نزار مصطفى الباز - السعودية العربية، ط:١٤١٧ھ.

- تلخيص الموضوعات للذهبي:ت:أبو تميم ياسر بن إبراهيم،مكتبة الرشد - رياض،ط: ١٤١٩هـ .
- تمييز الطيب من الخبيث لابن الدَيْبَع:دار الكتب العلمية - بيروت، ط: ١٤٠٨هـ .
- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة لابن عرّاق:ت:عبد الله الغماري،دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٠١هـ .
- تهذيب التهذيب لابن حجر:ت:عادل مرشد،مؤسسة الرسالة - بيروت،ط: ١٤١٦هـ .
- التيسير للمناوي:مكتبة الإمام الشافعي - الرياض،ط:١٤٠٨هـ .
- الجد الحثيث في بيان ماليس بحديث للغزي العامري:ت:فواز أحمد زمرلي، دار ابن حزم ـ بيروت،ط:١٤١٨هـ .
- الحاوي للفتاوي للسيوطي:دار الكتب العلمية ـ بيروت .
- حجة الله البالغة للشاه ولي الله الدهلوي:ت:السيد سابق،دارالجيل - بيروت، ط:١٤٢٦هـ .
- حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم الأصفهاني:دار الكتب العلمية ـ بيروت،ط:١٤٠٩هـ .
- الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة للسيوطي:ت:محمد بن لطفي الصباغ، جامعة الملك سعود - الرياض .
- الدعامة في أحكام العمامة للكتاني:مكتبة العلم الإسلامي - سوريا،ط: ١٣٤٢هـ .

- دلائل النبوة للبيهقي:ت:عبد المعطي قلعجي، دار الكتب العلمية ـ بيروت، ط:١٤٠٨ه .
- ذيل اللآلئ للسيوطي:ت:زياد النقشبندي الأثري، دار ابن حزم ـ بيروت، ط:١٤٣٢ه .
- روح البيان لإسماعيل حقي:إحياء التراث العربي ـ بيروت .
- روح المعاني للآلوسي:دار إحياء التراث العربي ـ بيروت .
- الزواجر عن اقتراف الكبائر للهيتمي:ت:محمد محمود عبدالعزيز وغيره، دار الحديث - قاهرة، ط:١٤٢٥ه .
- شرح المواهب للقسطلاني:ت:محمد عبدالعزيز الخالدي، دار الكتب العلمية - بيروت، ط:١٤١٧ه .
- سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني:دار المعارف - الرياض، ط:١٤١٢ه .
- سنن أبي داود:ت:عزت عبيد الدعاس و عادل السيد، دار ابن حزم - بيروت، ط:١٤١٨ه .
- شعب الإيمان للبيهقي:ت:عبد العلى عبدالحميد حامد، مكتبة الرشد - الرياض، ط:١٤٢٣ه .
- شفاء الغليل فيما في كلام العرب من الدخيل للخفاجي:المطبعة الوهبية - القاهرة، ط:١٢٨٢ه .
- صحيح ابن حبان:ت:شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة - بيروت، ط:١٤١٤ه.
- الضعفاءوالمتروكين لا بن الجوزي:ت:عبد الله قاضي، دار الكتب العلمية - بيروت، ط:١٤٠٦ه .

- العرف الشذي شرح سنن الترمذي للكشميري:ت:الشيخ محمود شاكر، دار التراث العربي - بيروت،ط:١٤٢٥ھ.
- العلل المتناهية في الأحاديث الواهية لابن الجوزي:ت:خليل الميس،دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٠٣ھ..
- الفتاوى الكبرى الفقهية للهيتمي:ملتزم الطبع والنشر - عبد الحميد أحمد حنفي،بمصر.
- فتح الباري لابن حجرالعسقلاني:دار المعرفة - بيروت.
- فتح المتعال فى مدح النعال للمقري(مُتَرْجَم):عالمی دعوت إسلامية - لاهور،ط:١٤١٧ھ .
- الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي:ت:السعيد بن بسيوني زغلول،دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٠٦ھ .
- الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني:ت:رضوان جامع رضوان، مكتبة نزار،مصطفى الباز - الرياض،ط:١٤١٥ھ .
- فيض القديرللمناوى:دار المعرفة - بيروت،ط:١٣٩١ھ .
- قوت القلوب لأبي طالب المكي:ت:باسل عيون السود،دار الكتب العلمية - بيروت،ط:١٤٢٧ھ .
- الكاشف للذهبي:ت:محمد عوامة،دار القبلة للثقافة الإسلامية - جدة،ط: ١٤١٣ھ .
- الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي:دار الفكر - بيروت،ط:١٤٠٥ھ.

- كتاب الموضوعات لابن الجوزي:ت:عبدالرحمن محمد عثمان، محمد عبد المحسن - المدينة المنورة، ط:١٣٨٦هـ .
- كتاب العلل لابن أبي حاتم:ت:سعد بن عبد الله وخالد بن عبد الرحمن الجُريسي، مكتبة الملك الفهد - الرياض، ط:١٤٢٧هـ .
- الكشف الحثيث لبرهان الدين الحلبي:ت:صبحي السامرائي، مكتبة النهضة العربية - بيروت، ط:١٤٠٧هـ .
- كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهرمن الأحاديث على ألسنة الناس للعجلوني:ت:يوسف بن محمود، مكتبة العلم الحديث - دمشق، ط: ١٤٢١هـ .
- اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي: دار الكتب العلمية - بيروت.
- اللآلئ المنثورة في الأحاديث المشهورة للزركشي:ت:محمد بن لطفي الصباغ، المكتب الإسلامي - بيروت، ط:١٤٠٦هـ .
- اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع للقاؤقجي:ت:فواز أحمد زمرلي، دار البشائر الإسلامية - بيروت، ط:١٤١٥هـ .
- المجروحين لابن حبان:ت:محمود إبراهيم زايد، دار المعرفة - بيروت، ط: ١٤١٢هـ .
- مجموع الفتاوى لابن تيمية:ت:عامر الجزار، دار الوفاء - بيروت، ط:١٤٢٦هـ.
- المحلى لابن حزم:ت:محمد منير الدمشقي، إدارة الطباعة المنيرية - مصر، ط:١٣٥٢هـ .
- مدارِج السالكين بين منازل إياك نعبد وإياك نستعين لابن القيم:دار إحياء التراث العربي - بيروت، ط:١٤١٩هـ .

- المدخل لابن الحاج:مكتبة دار التراث - القاهرة .
- مرشد الحائر لبيان وضع حديث جابر للغماري:مكتبة طبرية - الرياض، ط:١٤٠٨ھ .
- مرقاة المفاتيح لعلي القاري:ت:جمال عيتاني، دار الفكر - بيروت، ط:١٤٢٢ھ .
- سنن الدارمي:ت:حسين سليم أسد الداراني، دار المغني - السعودية العربية، ط:١٤١٢ھ .
- المصنف لعبدالرزاق:ت:حبيب الرحمن الأعظمي، المكتب الإسلامي - بيروت، ط:١٤٠٣ھ .
- المصنوع في معرفة الحديث الموضوع لعلي القاري:ت:عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب، ط:١٤١٤ھ .
- المعجم لابن المقري:ت:أبي عبد الرحمن عادل بن سعد، مكتبة الرشد - الرياض، ط:١٤١٩ھ .
- المعجم لأبی بكر الإسماعيلی:ت:زياد محمد منصور، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، ط:١٤١٠ھ .
- المغني عن حمل الأسفار للعراقي:ت:أبو محمد أشرف بن عبد المقصود، مكتبة دار طبرية - الرياض، ط:١٤١٥ھ .
- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة للسخاوي: ت:عبد الله محمد الصديق، دار الكتب العلمية - بيروت، ط:١٤٢٧ھ .
- المنار المنيف في الصحيح والضعيف لابن قيم الجوزية:ت:عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية - بيروت، ط:١٤٢٥ھ .

- موطأ إمام محمد مع التعليق الممجد للإمام محمد:والتعليق لللكنوي:مكتبة البشرى – كراتشي، ط:١٤٣١ھ.
- موضوعات الصغاني:ت:نجم عبدالرحمن خلف، دار المامون للتراث – بيروت، ط:١٤٢٩ھ.
- ميزان الاعتدال في نقد الرجال للذهبي:ت:علي محمد البجاوي، دار المعرفة – بيروت، ط:١٤٠٦ھ.
- النخبة البهية في الأحاديث المكذوبة على خيرالبرية لمحمد الأمير الكبير المالكي:ت:زهير الشاويش، المكتب الإسلامي – بيروت، ط:١٤٠٩ھ.
- نزهة المجالس للصفوري:ت:محمد الخشاب، المطبعة الكاستلية – الهند، ط: ١٢٨٣ھ.
- النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير:ت:طاهر أحمد الزاوي، دار إحياء التراث العربي – بيروت، ط:١٣٠٠ھ.

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا من گھڑت روایات پر تعاقب

مفتی طارق امیر خان صاحب

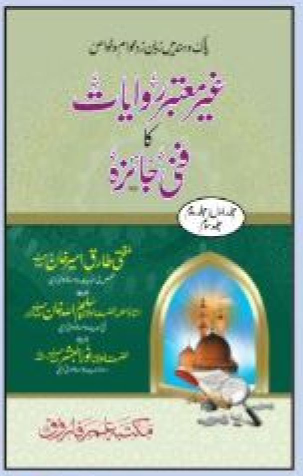
غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ

مکتبہ عمر فاروق

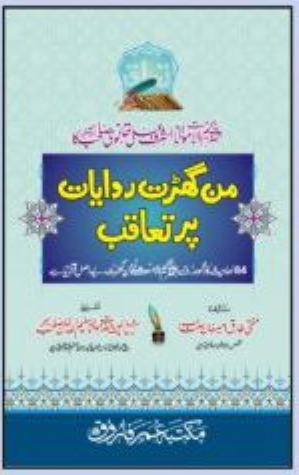
من گھڑت روایات پر تعاقب

مکتبہ عمر فاروق

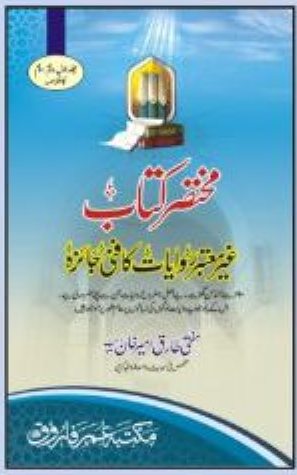
مختصر کتاب

غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ

مفتی طارق امیر خان

مکتبہ عمر فاروق

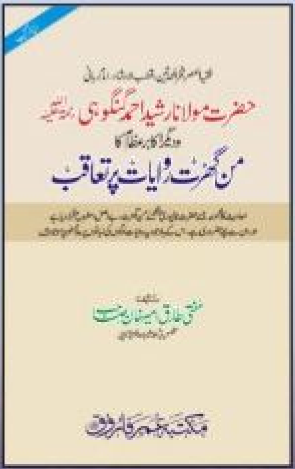
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر اکابر علماء کا

من گھڑت روایات پر تعاقب

مفتی طارق امیر خان صاحب

مکتبہ عمر فاروق

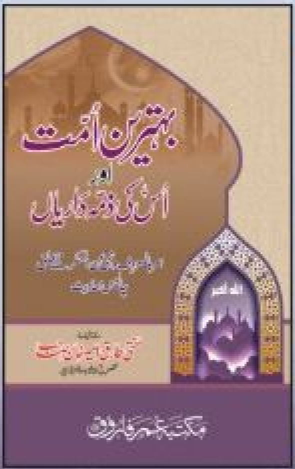
بہترین اُمت اور اُس کی ذمہ داریاں

مفتی طارق امیر خان صاحب

مکتبہ عمر فاروق

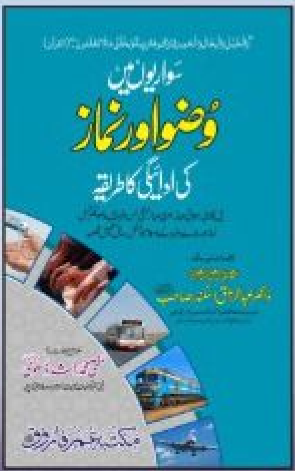
سواریوں میں وضو اور نماز کی ادائیگی کا طریقہ

مکتبہ عمر فاروق

مکتبہ عمر فاروق
4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34604566 Cell: 0334-3432345